

हिन्दुस्तानी एकेडेमी, पुस्तकालय
इलाहाबाद

वर्ग संख्या.....

पुस्तक संख्या.....

१०२६

क्रम संख्या.....

وَصَلَّى قَوْلَ بَيْكَلَمَاتٍ رَبِّهَا وَكُنْتُ مِنَ الْقَائِلِينَ ۝

حیاتِ سلطانی

یعنی

سوانحِ عمری

فردوسِ آشیان علیاحضرت نواب سلطان جہاں بیگم تاج ہند

جی، سی، ایس، آئی، جی، سی، آئی، رای

جی، بی، رای

فرماں روا کے بھوپال

مؤلفہ

محمد امین زبیری مارہروی وظیفہ یاب مہتمم تاریخ بھوپال

مطبوعہ

عزیزی پریس آگرہ

۱۳۵۵ ہجری مطابق ۱۹۳۹ عیسوی

انتساب

بسم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مؤلف

فہرست مضامین حیاتِ سلطانی

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	ویاچہ	
۲	انتساب	
۳	تمہید	
۴	ولادت اور تربیت و تعلیم	۳
۵	متاہل زندگی	۴
	ولادت صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم سفر کلکتہ اور شاہزادہ ولیر سے ملاقات۔ ولادت نواب محمد نصر اللہ خاں۔ دربار قیصری کی شرکت۔ نواب محمد عبید اللہ خاں کی ولادت۔ صاحبزادی آصف جہاں کی ولادت اور سرکار عالیہ کی علالت۔ شرکت دربار کلکتہ۔ صاحبزادیوں کا انتقال۔ تلخ حضرت اقدس نواب حمید اللہ خاں صاحب بہادر زراوند عمرہ و شریفہ کی ولادت۔ صاحبزادوں کے عقد کی تعریف۔ نواب شاہ جہاں بیگم کی علالت درحلت اور بعض دیگر واقعات۔ آخری دیدار اور تجہیز و تکفین کا انتظام عبرت خیز شام اور غلین رات۔ واقعات و حساب کشیدگی۔	
۶	دورِ فرماں روائی	۳۹
	فرماں روائی کا پہلا دن۔ دربار صدارت۔ نواب سلطان دولہ کا خطاب۔ ریاست کی حالت۔ نواب احتشام الملک کی حلت۔ وزیر ریاست کا استعفیٰ اور اصول و فرائض میں تبدیلی۔ ملک محروسہ کے دورے اور ان کے نتائج۔	
۷	انتظامات و اصلاحات ملکی	۴۱
	بند و بست و مالکذاری۔ ذرائع تردد و آراضی کا انتظام۔ معافی بقایا۔ آمدنی کے	

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۵۱	صیغوں کی اصلاح - قوانین و عدالت - پولیس اور جیل صنعتی و حرفتی تدابیر - اصلاح معیار ملازمت اصلاحات فوج اور بحارہ عظیم میں سلطنت برطانیہ کی امداد ہر کسی لینی و ایسر کے کاخریطہ شکر یہ - سیہو چھاؤنی کمی واپسی -	۸
۵۴	امور و مسائل عام بلدہ میں ہیو سٹیٹ کا قیام - شفا خانے - عابدہ چلڈرن ہسپتال - شوارع - تعمیرات - انتظام ڈاک - تعلیمات عامہ - وظائف و امداد تعلیم - مذہبی تعلیم - طبی تعلیم - کتب خانہ حمید یہ - میوزیم - آثار قدیمہ کی حفاظت -	۹
۶۹	تعلیم نسواں کی ترقی اور زمانہ ادارات کا اجراء مدیرہ سلطانہ - معزز و زبیرس کا معائنہ - مدرسہ اسلامیہ حمید یہ - ایکٹ ندر جلسہ افتتاح سرکار عالیہ کا درس مذہبی صنوت و حرفت انانٹ - دربار اور پارٹی طبی تعلیم و امداد - تعلیم دایہ گری - الفینٹ ہوم سینٹ جان ایمبولینس کے نصاب تعلیم - گرل گائیڈ -	۱۰
۸۹	پرنس آف ویلز لیڈیز کلب قومی و ملی جلسے	۱۱
۹۵	نمائش مضامعات خواتین ہند مقامی نمائش	۱۲
۹۷	جدید نظام حکومت ہائی کورٹ اور جوڈیشل کونسل کا قیام - ہائی کورٹ کے افتتاح کی تقریب - لاڈل ریڈنگ کی تقریر کا اقتباس - فنانشل حالت -	۱۳
۱۰۰	طریق کار فرمائی دربار - عطا منے خطابات سرکار عالیہ کے خطابات	۱۴
		۱۵

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۰۶	شاہی مہمان اور مہماں نوازی	۱۶
۱۰۹	والیان ملک کے ساتھ مراسم	۱۷
۱۱۱	ولیعہدی ریاست	۱۸
۱۱۲	دست برداری و تفویض حکومت	۱۹
	دربار تفویض حکومت۔ دربار کی شان۔ تلاوت قرآن سے جلسہ کا افتتاح۔ علیا حضرت کی تقریر۔ تاثرات۔ مراسم دربار۔ نصائح خاص۔ نذریں اور اختتام دربار۔	
۱۲۳	قامقاران سلطنت برطانیہ کا اعتراف	۲۰
	ارل آف منٹو وایسراے ہند ۱۹۰۶ء۔ لارڈ ہارڈنگ وایسراے ہند ۱۹۱۲ء۔ لارڈ چیمسفورڈ ۱۹۱۵ء۔ لارڈ ریڈنگ وایسراے ہند ۱۹۲۲ء۔ لارڈ ارون وایسراے ہند ۱۹۲۸ء۔ ہزر اکل ہائینس پرنس آف ویلز ۱۹۲۲ء۔	
۱۳۱	رعایا کا جو جس عقیدت	۲۱
۱۳۳	اصل الاصول حکومت	۲۲
۱۳۵	قومی و ملکی ہمدردی	۲۳
	سعی و عمل اور فیاضانہ امدادیں۔ قومی فیاضی اور اس کا اصول و محرک۔ حالی ہیویں ہائی اسکول کی امداد و تالیف سیرت الہی کے مصداق کی کفالت تکمیل سیرت کی آرزو۔ مذہبی مدارس کی امدادیں۔ دو گنگ مشن کی امداد۔ طب یونانی کی سرپرستی۔ جامعہ ملیہ کا معائنہ۔ ہندو داری کی ترقی پر توجہ۔ سرپرستی تعلیم غریب۔ غریبوں کے چندوں کی اہمیت۔ ہماہت رائے و اظہار رائے۔ قومی کارکنوں کے اخلاقیات اور غلط رویہ پر طریق عمل۔ سفارتیں۔ غلط افواہوں کی تردید۔ صرف امداد کی نگہبانی	
۱۵۱	روس و ہند کی اعلیٰ تعلیم کی اصلاح و ترقی۔	۲۴
۱۵۳	ہندو مسلم اتحاد کی سعی جمیل۔	۲۵

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۵۷	مسلم یونیورسٹی کی چنسلر شپ	۲۶
	یونیورسٹی کے جلسہ ہائے تقسیم اسناد کی صدارت - (۱) سلسلہ ۶ (۲) سلسلہ ۱۹۲۵ء - (۳) سلسلہ ۶ - نضرت شاہ پٹیل کا افتتاح - ایک موثر نظارہ - کانوکیشن ایڈریس کا اقتباس - تحقیقاتی کمیشن کا تقریر -	
۱۷۵	زنانہ تحریکات اور تعلیمی و معاشری امور میں کوشش	۲۷
	علی گڑھ میں تحریک نسوان کی امداد و صدارت شعبہ تعلیم نسوان - مسلم زنانہ کانفرنس کا افتتاح - نصاب تعلیم نسوان کی مساعی مسلمان لڑکیوں کی خانگی تعلیم کے لئے کتابیں - تلافی نقان - نصاب - ایک پیغام - ایک زنانہ کانج کی تحریک - آل انڈیا لیڈیز ایسوسی ایشن - شعبہ تعلیم مجلس خواتین ہند - صدارت اجلاس دوم - کارروائی اجلاس پر سرکار عالیہ کا تبصرہ - آل انڈیا فٹ ڈانم کرنے کی تحریک - مختلف مساعی اور فیاضیاں - انجمن بہبودی زچگان و اطفال کے افتتاح میں شرکت اور اظہار خیالات - سرکار عالیہ کی تقریر کا اقتباس سرکار عالیہ کا ایک مضمون -	
۱۹۹	مغربی تقلید اور غیر معتدل آزادی کی مخالفت	۲۸
۲۰۶	خواتین کے نام پیغام آخری	۲۹
۲۰۸	اصلاح رسوم	۳۰
۲۱۱	سفر و سیاحت	۳۱
	ہندوستان کے سفر - دہلی - سلاطین کا دربار دہلی - اندور - شملہ - الہ آباد - علی گڑھ - لاہور - لکھنؤ - مین تال - گوالیار - حیدر آباد -	
	سفر حرمین الشریفین - ارادہ و انتظام سفر - اعلانات شاہی - قرظینہ دروانگی - بحری سفر - مینووع سے مدینہ منورہ کو روانگی - مدینہ طیبہ میں داخلہ - مکہ معظمہ کو روانگی اور بدوی قبائل کا حملہ - مکہ معظمہ میں داخلہ اور استقبال و قیام، مراجعت -	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	<p>سیاحت یورپ :- (باسا اول) روانگی اور درمیانی مقامات کی سیر انگلستان میں ملکہ اور ریڈ ہل میں قیام مصر فیتیں۔ استنبول کا سفر اور قیام سرکار عالیہ کا ایک محکمہ نامہ بدھاپسٹ اور قاہرہ کی سیر۔ انگلستان کے اخبارات کی عجیب معلومات۔</p> <p>(باسا ثانی) سفر ثانی مصر فیتیں تحصیل فنون لطیفہ نمائش اور اسکولوں کی سیر صاحبزادیوں کی تعلیم کا انتظام۔ یادگار جنگ پر ہاتھ پڑھانا۔ قبور اہل اسلام پر فاتحہ خوانی۔ صاحبزادیوں کی گل فردشی سرکار عالیہ کا ایک گرانقدر عطیہ۔ سرکار عالیہ کا خط ملکہ الکتز ندرا کے مشایعت جنازہ میں شرکت۔ معاشرت انگلستان کا غائر معائنہ۔ احاطہ مسجد شاہجہانی میں ایڈریس اور نماز جمعہ۔ نو مسلم خواتین کے ساتھ شرکت طعام و نماز جمعہ پاک معظم قیصر ہند کے الطاف خسروانہ۔ ارکان خاندان شاہی، قدیم احباب اور علما سے ملاقاتیں۔ سپاسنامے اور پارٹیاں۔ سرکار عالیہ کی طرف سے پارٹیوں کا انتظام۔ ملک معظم قیصر ہند کا شکریہ۔ مزارعت۔</p>	
	<p>مذہب و اخلاق</p>	۲۶۱
۳۲	<p>مطالعہ قرآن اور عمل۔ ہدینہ و احترام قرآن۔ مطالعہ حدیث۔ ارکان اسلام کی پابندی نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ مستحبات و نوافل اور ادعیہ و اوراد نماز عید اور اس کا نظارہ عقیدت بحضور رسول اکرم صلیعم۔ ہدینہ طیبہ میں رباط و باغ اور دیگر مصارف خیر و فراشی۔ استنبول میں تبرکات کی زیارت۔ صحابہ و صحابیات اور بزرگان سلف سے عقیدت اور ان کے حالات کا مطالعہ۔ بیعت و تصوف۔ مواخذہ عاقبت کا خیال۔ صدقات و خیرات۔ صبر و رضا۔ مذہب کے متعلق عام معلومات۔ عصبیت مذہبی۔ ایک معرکہ آرا خط۔ احترام علماء و شکر گزاری۔ شفقت و رافت۔ فیاضی اور اس کے اصول۔ عفو و درگزر۔ آزادی۔ رائے کی قدر۔ انکسار۔ تواضع و حفظ مراتب۔ عجب سبب تفسی اصول حفظان صحت و پابندی وقت۔ اوصاف عسکری۔ محنت و مستعدی۔</p>	

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
	مشائخ علمی	۳۳
	مطالعہ کتب خانہ ترجمہ تصنیف و تالیف - طریقہ تصنیف و تالیف - درجہ تصانیف - مولانا ابوالکلام آزاد کا تاثر - مقصد و جذبہ تصنیفی - تصنیف و تالیف کا موضوع - تعریف سے احتراز - شان و روش خط -	
۳۱۴	مصرفیات عمرانی :- انتظام باگیر -	۳۴
۳۱۶	خطابت و حسن بیان :- مولانا شبلی کی رائے -	۳۵
	خصوصیات صنفی	۳۶
۳۳۱	رشتوں کے تعلق کا لحاظ اصول و نظام خانہ داری - آرائش محل و کمرہ نشست، لباس و زیورہ - غذا - باغات سے دلچسپی - دستکاری - مصوری - شاعری و موسیقی - تربیت و تعلیم اولاد - زنانہ تعلیم و تربیت کا نمونہ - خاندانی تقریبات - ایک پر محنت اور شاندار تقریب -	
۳۳۲	پروہ اور ترک پروہ	۳۷
	علاقت اور وفات	۳۸
	علاقت - ساعت آخری کا انتظار اور حیات انسانی کا مفہوم - تصوف کی طرف توجہ - عمل جراحی اور ملت - تدفین -	
	ضمیمہ	۳۹
	نواب احتشام الملک عالی جاہ نظیر الدولہ سلطان مولانا امیر احمد علی صاحب آباد	۴۰
	فہرست مولفات و مصنفات حضور سرکار عالیہ فردوس آشتیاں	۴۱
	چند تاثرات	۴۲
	سر سٹینلی ریڈ - الگزینڈر ایملی صاحبہ - ہرکلسنی لارڈ وولنگٹون - روبرٹ گیم فیضی صاحبہ - صحیح نامہ کتابت	۴۳

دیباچہ

علیٰ حضرت فردوسِ آشتیاں ہر بانیِ نسِ نواب سلطان جہاں بیگم تاج بہن
جی، سی، آئی، ای، جی، سی، ایس، آئی، جی، بی، ای سابق فرماں روا کے بھوپال نور اللہ مرقدہ
اپنی ذات ستودہ صفات، اخلاقی فضائل و جنات، اصول فرماندہی و حکومت، اعلیٰ خصوصیات صنعتی
اور تنوعات زندگی کے تمام اعتبارات و کاغذات ایک ایسی شخصیتِ جلیلہ کھتی تھیں جو
الیسؒ بمستنکبہ ان یجمع العالم فی واحد
کی مصداق تھی،

انھوں نے تہتر سال کی عمر میں آئندہ نسل اور تاریخِ عالم کے لئے اپنی پاکیزہ زندگی کا ایک پائیدار
نقش چھوڑ کر سنہ ۱۹۳۷ء میں داعیِ اجل کو لبیک کہا، ان کی حیاتِ طیبہ بے شک و شبہ اپنے مختلف ادوار
سوانح و واقعات، سیرت و عادات اور شرفِ انسانیت کے اعتبار سے ہر انسان کے لئے دلچسپ
سبق آموز، بصیرت افزا، حوصلہ آفرین، اور بالخصوص طبقاتِ امرا و دلیان ملک کیلئے دلیلِ راہ اور
شیعہ ہدایت ہی، صنعتی لحاظ سے اس کا ہر مرحلہ اور ہر منزل ہر درجہ اور ہر مرتبہ کی عورتوں کیلئے قابل
اتباع اور اسوۂ حسنہ ہے، جس کو صفحاتِ قرطاس پر نمایاں کرنا ملک کا ایک ضروری اور قوم و ملتِ اسلام
کا ایک مہتمم بالشان فرض ہے۔

مؤلف سوانح اپنی خوش نصیبی سے سنہ ۱۹۷۶ء میں دفترِ تاریخ کا مہتمم مقرر ہوا۔ جو اگرچہ
فردوسِ آشتیاں کی تصنیف و تالیف کے اہتمام کا دفتر تھا، مگر اُس میں ملکی و قومی اور صنعتی معاملات
کے متعلق بھی بعض مہتمات امور کا مواد جمع رہتا تھا، راقم کو اپنے فرائضِ خدمت اور اس توصل
سے اکثر و بیشتر فردوسِ آشتیاں کے اصولِ حکومت، طرزِ فرماں روائی اور جذبات و خیالات
کے علم اور مطالعہ و مشاہدہ کا بھی کم و بیش موقع ملتا تھا، نیز تاریخِ بھوپال کے اوراق و تفتُّاف

نظر سے گذرتے رہتے تھے۔

سلسلہ تصنیف و تالیف میں آٹھ یا نو برس کے اندر منجملہ دیگر کتب کے ”روضۃ المریاحین“ (سفرنامہ حجاز) ”تزک سلطانی“ ”گوہر اقبال“ ”اختر اقبال“ (جو ماقبل و مابعد فرماں روائی کے حالات و واقعات پر مشتمل ہیں) ”حیات شاہجہانی“ ”تذکرہ بانی“ ”حیات قدسی“ (والدین ماجدین اور جدہ اعلیٰ کی سوانح محمل بھی مرتب اور شائع ہوئیں، پہلے سفر یورپ ۱۹۱۱ء کے حالات ہر بانی انس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم بالقابہا و زادات مجدہا نے ”سیاحت سلطانی“ کے نام سے شائع فرمائے۔ راقم نے ان مواقع اور اس قیمتی مواد سے استفادہ کر کے اور متعدد خواتین و اصحاب کی قلمی امداد سے ۱۹۱۶ء میں ایک کتاب ”بیگمات بھوپال“ تالیف و شائع کی، جس کے پہلے حصہ میں اس خانوادہ شرف کی نو بیگمات کا اور اور حصہ دوم میں صرف فردوس آشتیاں کا تذکرہ ہے۔

۱۹۲۳ء میں فردوس آشتیاں کے سانحہ جلوت پیش آنے پر نہ صرف شکر نعمت کے جذبات سے ایک مستقل سوانح حیات مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا بلکہ ملکی اور قومی فرض و اہمیت کا احساس بہت زیادہ متقاضی تھا، حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی شخصیت جلیلہ کے مکمل و جامع سوانح حیات کی ترتیب و تالیف صرف کسی ایک شخص کا کام نہیں۔ اس میں ایسے متعدد اصحاب (مرد و عورتوں) کی شرکت و معاونت ضروری ہے جنہوں نے اس عظیم الشان زندگی کے تمام مراحل و منازل کا بہ نظر غائر مشاہدہ کیا ہو، خصائص و عادات کا پورا علم اور خیالات و جذبات سے پوری واقفیت رکھتے ہوں اور ان کا دربار و حکومت سے سمعہ و ممانہ و ذمہ دارانہ توسل و تعلق رہا ہو، لیکن راقم نے اس وقت کا انتظار کئے بغیر جب کہ ایسے معیار پر یہ کام شروع ہو۔ اس ذخیرہ و مواد سے جس پر دسترس حاصل تھی سوانح حیات کی تالیف شروع کر دی۔ ابتدائی مسودہ مرتب کرنے کے بعد مختلف اوقات میں اُس پر نظر ثانی ہوئی، تا آن کہ اب وقت آیا کہ اس کو شائع کیا جائے سچ ہے کہ ”کل اہم مرہون باوقااتھما“۔

اگرچہ فردوس آشتیاں کی ہفتاد و سہ سالہ زندگی کے طول و عرض اور مختلف ادوار حیات کے متناسب یہ کتاب ایک اجمالی تذکرہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، تاہم اُس کے مطالعہ سے ابتدائی حالات

نظم و نسق حکومت کی خوبی اور کامیابی، سیرت و اخلاق اور صنفی خصوصیات کا ایک بڑی حد تک اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور سب سے زیادہ اس امتیاز کا کہ ایسی جلیل القدر خاتون نے ایسے عصر تمدن میں جس پر ہر صبح لاندہ بیت و دھڑکتے کانیا رنگ چڑھتا رہتا ہے، اور اتنے مختلف مراحل زندگی میں جس میں اپنی صنفی حیثیت کے مدارج سے بھی کسی قدر تجاوز ناگزیر رہا ہے، اپنی اسلامی شان کو کیسے شاندار احسن اور اعلیٰ طریقہ پر برقرار رکھا، اور اپنی ذات گرامی کو اسلام کی صحیح تعلیم کا کس قدر اچھا نمونہ بنا کر پیش کیا۔

آخر کتاب میں مرحوم و مغفور ذاب احتشام الملک عالی جاہ (ذاب کنسرٹ) کے حالات بھی شامل کئے گئے ہیں، اور یہ وہ مستند حالات ہیں جو خود فردوس آشتیاں نے ”تزک سلطانی“ اور ”گوہر اقبال“ میں تحریر فرمائے ہیں۔ جن کے بغیر یقیناً یہ کتاب تشنہ رہتی۔

مؤلف ان تمام اصحاب و خواتین کا جن کے تحریر کردہ حالات اس کتاب میں شامل ہیں بصدرِ دل شکر گزار ہے، جن میں دبیر الانشا میر دبیر قاضی ولی محمد سب سے زیادہ مستحقِ شکر یہ ہیں۔ جنہوں نے ایسے سفرِوں کے حالات جن میں وہ معیتِ شاہانہ میں تھے، اس کتاب کے لئے نہایت تفصیل و قابلیت سے تحریر کئے۔ دفتر تاریخ کے رفقا کا بھی شکر یہ واجب ہے، بالخصوص سید محمد یوسف قیصر منشی فتیاح محمد، اور منشی عبدالوحید صاحبان کا جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب و تسوید میں کثرت کی معاونت کی۔

ناظرین کو بعض مواقع پر بیانِ حالات میں کچھ جوش و جذبہ نظر آئے گا جس سے کہ اصولاً تاریخ و سوانح کو معرّٰی و خالی ہونا چاہیئے مگر مستثنیات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اول تو واقعات و حالات ہی دلوں میں جوش و جذبہ پیدا کرتے ہیں اور پھر جب اُن لکھنے والوں کو سالہا سال ذاتی طور پر مطالعہ و مشاہدہ کے مواقع حاصل ہوئے ہوں تو یقیناً یہ حالت نظر انداز کرنے کے قابل ہی ہوتی ہے۔ مگر مؤلف کو یہ ادعا بھی ہے کہ واقعات و حالات میں مبالغہ اور غلو سے مطلق کام نہیں لیا گیا۔

نذرِ عقیدت

کنیزِ درگہ رحمانِ مکینِ تختِ سلطانی مجسمِ عبدیتِ باشوکت و شانِ جہاں بانی
ملکِ خوانی بشکلِ صورتِ زیبائے انسانی بہ مردانہ محامدِ افتخارِ صنفِ نسوانی
خدیوِ کشورِ بھوپال سلطانِ جہانِ بگیم

بہادِ جِ عزّ و اقبال و جلالتِ نیرِ تاباں برائے مملکتِ آمدِ سراپاِ رحمتِ یزداں
دل و دستِ بقوم و ملک و ملت بود بجز کماں خمیرِ طینتش عفو و عطا و رافت و احساں
تعالیٰ شانہ ذاتِ کریمیش زبدۂ عالم

ازیں دُنیا بسوئے آخرتِ فرمود چو حلّت جہانے گشت غرقِ لُجّہ در و غم و حسرت
سلامے بر روانش از من پروردہ نعمت اِلہ العالمین باد انصیبش کوثر و جنت
طفیلِ شافعِ محشر محمد مصطفیٰ صلعم

محمد امین زبیری مارہڑی

علیگڑھ اکتوبر ۱۹۳۸ء



فردوس هڪان عليا حضرت نواب سلطان جهان بيگم
 جی۔ سی۔ ایس۔ آئی، جی۔ سی۔ آئی۔ ای، جی۔ بی۔ ای، سی۔ آئی،
 سابق فرمان رواڻی بهو بال و چانسار عای گڑھ مسام یونیورسٹی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حیاتِ سلطانی

یعنی

سوانح عمری

علیاحضرت نواب سلطان جہان بیگم تاج ہند

جی، بی، ای، جی، سی، ایس، آئی، جی، سی، آئی، ای

فرماں روا کے بھوپال

نور اللہ مرقدہ

تمہید

خاندان فرماں روا یاں بھوپال کی تاریخ ایک افغان سردار دوست محمد خاں بہادر ولیہ جنگ سے شروع ہوتی ہے۔ چہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے فوجی افسر تھے انہوں نے اپنے زور بازو اور شجاعت و تدبیر سے حکومت بھوپال کی بنیاد قائم کی اور سلطنت تک اس کو مستقل و مستحکم کر کے داعی اجل کو لبیک کہا۔

ان کے بعد ان ہی کی نسل میں نوبت بہ نوبت نواب یار محمد خاں، نواب فیض محمد خاں،

نواب حیات محمد خاں اور نواب غوث محمد خاں فرماں روا ہوئے لیکن آخر الذکر کی فرماں دہائی محض برائے نام تھی اقتدار و حکومت کا مرکز تیسری پشت میں باقی ریاست ہی کی نسل کے ایک رکن نواب وزیر محمد خاں کی شخصیت تھی جنہوں نے اپنی بہادری و جہاں بازی اور بیدار مغزی و فراست سے ناگپور اور سیندھیا کے متحدہ حملوں کی مداخلت کر کے اپنے آبائی ملک کو دشمنوں کے قبضہ سے محفوظ رکھا اور تاریخی شہرت و عظمت کے ساتھ نجات دہندہ بھوپال کا لقب حاصل کیا ان کے فرزند نواب نظر محمد خاں کی شادی نواب غوث محمد خاں کی صاحبزادی گوہر بیگم الخاطبہ بہ قدسیہ بیگم سے ہوئی اور نواب موصوف ۱۸۱۷ء میں اپنے نامور باپ کی رحلت کے بعد ان کے جانشین ہوئے ۲۶ فروری اور ۸ مارچ ۱۸۱۸ء کو ان کے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مابین ایک معاہدہ ہوا اور وہ فرماں رواہے بھوپال تسلیم کئے گئے ۱۱ نومبر ۱۸۱۹ء کو ایک حادثہ سے ان کا انتقال ہو گیا ان کی کوئی اولاد زینہ نہ تھی صرف ایک صاحبزادی نواب سکندر بیگم تھیں جو ۳۱ اگست ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئی تھیں۔

نواب مرحوم کی وصیت کے مطابق ارکان ریاست اور پولیٹیکل افسروں کے مشورہ سے نواب قادر بیگم مختار ریاست قرار دی گئیں اور یہ امر یہ احاطہ پایا کہ نواب سکندر بیگم کی جس سے شادی ہوگی وہ نواب بھوپال قرار دیا جائے گا۔ ۱۸۱۸ء میں ان کی شادی نواب جہانگیر محمد خاں سے ہوئی جو نواب نظر محمد خاں کے بھتیجے تھے، شادی کے بعد وہ نواب بھوپال قرار پائے۔ ۳۰ جولائی ۱۸۱۹ء کو نواب شاہجہاں بیگم پیدا ہوئیں، لیکن کچھ دن بعد نواب جہانگیر محمد خاں اور نواب سکندر بیگم کے تعلقات میں خوشگوار سی نہ رہی خانہ جنگیاں ہوئیں اور خانگی مسرتیں برباد ہو گئیں تا آنکہ ۹ دسمبر ۱۸۱۹ء کو نواب جہانگیر محمد خاں کا انتقال ہو گیا اگرچہ نواب شاہجہاں بیگم بیسیہ فرماں روا کی حیثیت سے مسند نشین ہوئیں لیکن جو شرط کہ نواب سکندر بیگم کے لئے تھی وہ ان کی نسبت بھی قائم رہی مختار ریاست (رجنیٹ) خاندان کے ایک امیر نواب فوجدار محمد خاں مقرر ہوئے مگر نواب سکندر بیگم نے اعتراض و احتجاج کیا اور بالآخر جنوری ۱۸۲۰ء میں خود رجنیٹ قرار دی گئیں۔

اب انہوں نے دلائل و براہین کی قوت سے آئندہ کے لئے یہ طے کر لیا کہ نواب شاہجہاں بیگم بیسیہ فرماں روا ہوں گی اور ان کے شوہر برائے نام نواب رہیں گے، اس کے بعد جولائی ۱۸۲۰ء میں ان کی شادی (نواب امراؤ الدولہ) بخشی باقی محمد خاں نصرت جنگ سپہ سالار افواج بھوپال سے کی گئی۔



نواب سکندر بیگم حنف نشین

۳ ولادت اور تربیت تعلیم

۲۷ ذیقعدہ ۱۲۷۴ مطابق ۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو دارالریاست بھوپال کے ایوان موتی محل میں سرکار عالیہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ساتویں دن عقیقہ ہوا۔ اور سلطان جہاں سنگم نام رکھا گیا۔ اس تقریب میں عامہ رعایائے بھوپال، خواتین و اراکین اور تمام ملازمان ریاست کی دعوتیں ہوئیں خلعت عطا کئے گئے، عزبا اور محققین کو انعام اور جوڑے حرمت ہوئے اور چھ مہینے تک اس تقریب کی وضوم و صام رہی۔

سرکار عالیہ کی ولادت تمام خاندان اور ملک کے لئے ایک برکت ثابت ہوئی سیاسیات غدر کے سلسلہ میں نواب سکندر بیگم نے ایک تنہی محکمہ لکھی آنبائی پٹی بھیجی تھی اور غیر معمولی طور پر اس کے نتیجہ میں دیر ہو رہی تھی اسی زمانہ میں وہ فتح و نصرت کے ساتھ واپس آئی اور اس علاقہ کو سرکار عالیہ کی جاگیر میں دیا گیا۔ برکتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا ۱۲۷۴ء میں نواب سکندر بیگم کو اپنے حقوق جانشینی و حکومت کے متعلق کامیابی ہوئی جن کے لئے وہ عرصہ سے کوشش کر رہی تھیں چنانچہ ۱۲۷۵ء میں نواب نظر خاں کے وارث کی حیثیت سے وہ باضابطہ سند نشین ہوئیں اور آئندہ کے لئے جانشینی کا قاعدہ مضبوط ہو گیا، مزید برآں ۱۲۷۶ء میں پیرسیہ کا جو بھوپال سے شمالی جانب ایک زرخیز علاقہ ہے بصلہ خدمات غدر ملک محروسہ میں اضافہ ہوا۔

اشخاص کے سوانح و حالات نے اس امر کو بالبداہت ثابت کر دیا ہے کہ جو انسان دنیا کا مشہور ترین شخص بننے والا ہوتا ہے اس کے لئے ابتدا ہی سے ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جو اس کی شہرت، عظمت کی تحفی قوتوں کے نشوونما میں معاون ہوتے ہیں چنانچہ سرکار عالیہ کی تعلیم و تربیت کے لئے بذات خاص نواب سکندر بیگم کی آمادگی جن کی فراست بیدار مغزی، استقلال تدبیر و دینداری اور اعلیٰ قابلیت و کمال اعتراف ہندوستان کے ہر ایک مؤرخ اور سلطنتِ برطانیہ کے ہر ایک مدبر کو ہے منجملہ اُن اسباب کے ایک عظیم الشان سبب تھا چنانچہ انھوں نے ولادت کے چند ماہ بعد ہی سرکار عالیہ کی پرورش اپنی خاص

سلہ ریاست کے شرفی جانب ایک علاقہ ہے جو ریاست بھوپال میں شامل ہے۔

نگرانی میں کی غذا اور سواری و لباس حتیٰ کہ مقامات ہوا خوری کا تعین کر کے ایک نظام عمل مستر کیا وہ جس طرح خود علماء و زہاد سے عقیدت رکھتی تھیں اسی طرح لڑاؤسی کے دل میں بھی اس عقیدت کو راسخ کرنا چاہتی تھیں چنانچہ جب کسی درویش یا عالم سے ملتیں تو سرکار عالیہ کو بھی ہمراہ لے جاتیں نذریں پیش کرتیں اور دعا کی طالب ہوتیں۔ عام معمولات اور خاص قصص و ریات کے مواقع پر سرکار عالیہ کے لباس کے ساتھ ساتھ غریب بچوں کے جوڑے بھی تیار کر کے لے جاتے وہ جس طرح انابت الی اللہ کی تعلیم دیتی تھیں اس کی مثال کے لئے ذیل میں اُن چند خطوط کا اقتباس درج کیا جاتا ہے جو انہوں نے ۱۸۶۳ء میں مکہ مکرمہ سے سرکار عالیہ کو لکھے تھے:-

(۱) ”جو تھیں میری یاد آ کر سے تو تم وضو کر کے اور جانا سرخ رنگ کی جو زعفران نے سی کر تم کر دی ہے بھلا کر نماز پڑھا کرو اور دعا مانگا کرو کہ اللہ میری اماں جان کا حج کرا کے جلدی لے آ دے۔“

(۲) ”مکہ معظمہ میں تمہارے لئے میں نے بہت دعائیں مانگی ہیں اللہ تعالیٰ اُن سب دعاؤں کو قبول کرے۔“
(۳) ”جس روز سے مکہ معظمہ میں آئے ہیں از سرور لانا موقوف ہو اسے ہم طواف کو جاتے ہیں طواف کے وقت حجر اسود کے نزدیک کھڑے ہو کر نیت پڑھتے ہیں اور پھر طواف کرتے ہیں اس نیت کو تم حفظ کرو انشاء اللہ جب میں آؤں گی اس نیت کو حفظ تم سے سُنوں گی۔“

”اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ طَوَافَ بَيْتِكَ الْحَرَامِ فَيَسِّرْ لِي وَقَبِّلْهُ مِنِّي سَبْعَةً
اَسْتَوَاطِلُ لِلَّهِ تَعَالَى عَزَّ وَجَلَّ بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُ الْبَرُّ ۝“

(۴) ”تمہارے انجیر نانا سب سے زیادہ طواف کرتے ہیں اور دعا اللہ سے مانگتے ہیں کہ اللہ تو اپنی چھوٹی سی لونڈی کو تندرست اور زندہ اور خوش بکھو اور تم سے یہ کہتے ہیں کہ جب تک ہم حج کر کے آئیں تم قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ ویانہ کہ قرآن شریف اپنے ایمان کی چیز ہے اس کو خوشی سے پڑھتے ہیں۔“

اہلِ خاندان کے ساتھ سلوک و مروت اور بزرگانِ خاندان کا حفظ مراتب تربیت کا جزو لازم تھا۔ عیدین وغیرہ کے موقع پر بزرگوں کے سلام اور نذریں گزارنے کے لئے بھیجی جاتیں۔

۱۷ مولوی جمال الدین خاں مرحوم دارالہمام ریاست انجیر کے بڑے شائق تھے اور سرکار عالیہ ان کو انجیر نانا کہتی تھیں۔

۱۰۔ راجہ دولہ، نواب باقی محمد خان بہادر نصرت جنگ



نواب شاهجهان بیگم حیدر مکان

نواب سکندر بیگ عموماً باتوں باتوں میں نہایت دل نشین نصائح کرتی تھیں اگر کسی بات سے منع کرتیں تو بڑی محبت اور نرمی سے سمجھاتیں اور جب کبھی اس کے خلاف عمل ہوتا تو بجائے تنبیہ و تادیب کے روٹھ جاتیں۔ برسات میں عموماً بچوں کو بھواریں پھرنے اور پانی سے کھیلنے کا شوق ہوتا ہے اسی طرح سرکار عالیہ بھی کھیلا کرتیں نواب سکندر بیگ نے ایک دفعہ منع کیا انھوں نے نہ مانا اور پھر کھیلیں تو وہ خفا ہو گئیں اور اس وقت تک خفا رہیں جب تک کہ سرکار عالیہ نے معافی نہ مانگی اور معافی بھی تحریری اور بطور اقرار نامہ کے تھی جو ان کے استاد نے لکھوائی۔

سرکار عالیہ کی اردلی کے لئے ریاست کی فوج سے سوار دیادے مقرر تھے لیکن خاص طور پر شرفا کے لڑکوں کا ایک رسالہ اور لڑکیوں کا ایک گارڈ بھی مرتب کیا گیا۔

اگرچہ نواب سکندر بیگ تقریبات میں ہمیشہ سادگی کے ساتھ شریک ہوتے لیکن سرکار عالیہ کو پورے ترک احتشام کے ساتھ لے جاتیں اور اس کی بے انتہا پابندی تھی۔

ان تقریبوں میں ساون کی بھی ایک تقریب تھی باغ فرحت افزا میں ایک خاص جلسہ ہوتا تھا جس میں سرکار عالیہ کی ہم سن سہیلیاں اور معزز خاندانوں کی لڑکیاں جمع ہوتیں درختوں میں جھولے والے جلتے اور تقریبی مشاغل جاری رہتے شام کو سرکار عالیہ اپنی بھولیوں کو کھلونے عطا کرتیں اور جوڑے پہناتیں۔ بعض مواقع پر رعایا بے دیہات کے بچے محل میں بلائے جاتے تو سرکار عالیہ کے ہاتھوں ان کو شیرینی کھلونے تقسیم کر لئے جاتے۔

جب عمر کی پانچ منزلیں طے ہو گئیں تو ۱۰ جمادی الاول ۱۲۷۹ھ = ۳۰ نومبر ۱۸۶۲ء کو تقریب تسلیم اللہ ہوئی اور تسلیم کا دور شروع ہوا نواب سکندر بیگ نے تعلیم کے ہر جزئیہ و کلیہ کو تسلیم کیا اور خود ہی تعلیم کا خاکہ بنایا اردو، فارسی، انگریزی کے منتخب اساتذہ مقرر کئے دستکاری کی تعلیم کیلئے ہوشیار مغلا نیالیاں مامور کی گئیں شہ سواری اور نشانہ بازی کے لئے باکمال تعلیم دینے والے معین ہوئے غرض تعلیم کا جہاں یہ مقصد تھا کہ ان اوصاف کی تکمیل ہو جائے جو ایک حکمران کے لئے ضروری ہیں وہاں اس مقصد سے بھی کبھی ذہن خالی نہ ہوا کہ صنفِ نسواں کی وہ تمام خوبیاں بھی مجتمع ہوں جو فرائضِ منزلی میں ہر درجہ اور حیثیت کی عورتوں کے لئے ضروری ہیں اسی کے ساتھ اصولِ مذہب کی عظمت اور فرائضِ مذہب کی یاسداری کو تربیت و تسلیم کا جز و اعلیٰ رکھا۔

نواب سکندر بیگم انگریزی سے ناواقفیت کی وجہ سے خود اس تعلیم کی ترقی کا اندازہ نہیں کر سکتی تھیں اس واسطے انھوں نے یہ التزام رکھا تھا کہ یورپین احباب کو امتحان دلاؤتیں اور ان سے اطمینان کرتیں۔ اس سلسلہ تعلیم کو پانچ سال گزرے تھے کہ ۱۳ رجب ۱۲۸۵ھ = ۳۰ اکتوبر ۱۸۶۷ء روز جمعہ کو نواب سکندر بیگم کا انتقال ہو گیا اور پھر اس نظام میں بھی تغیر آگیا اور نیا نظام قائم ہوا چنانچہ سرکار عالیہ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ :-

”تعلیم کا جو نظام تین تھا اس میں دہمی و برہمی ہو گئی خوش خلی کی مشق بالکل جاتی رہی اگرچہ قرآن مجید گیارہ سال کی عمر میں ختم ہو گیا تھا مگر دور کرتی تھی اور مولوی جمال الدین خان صاحب بہادر مدارالہما مالک گھنٹہ ترجمہ اور تفسیر پڑھاتے تھے مولوی محمد اویب صاحب بھی ایک گھنٹہ تعلیم فارسی دیتے تھے دو گھنٹہ تعلیم انگریزی ہوتی تھی اسی کے ساتھ میری رو بکاری میں صدور احکام کے لئے وہ کاغذات بھی پیش ہوتے تھے جن کی نسبت سرکار خلد مکاں کا خاص حکم تھا۔“

ایسے کاغذات جن کی نسبت رو بکاری میں پیشی کا حکم دیا جاتا نائب میئر نشی پیش کرتے اور جو احکام سرکار عالیہ لکھواتیں ان کے مسودات پہلے سرکار خلد مکاں کی رو بکاری میں بغرض ملاحظہ و اصلاح پیش کئے جاتے تھے اس موقع پر سرکار عالیہ مراتب اصلاح اور مدارج سررشتہ ذہن نشین ہونے کے لئے خود بھی موجود رہتیں۔ سرکار خلد نشین یعنی نواب سکندر بیگم کے انتقال کے بعد جب نواب شاہجہاں بیگم (خلد مکاں) فرماں روائے ریاست ہوئیں تو سرکار عالیہ باقاعدہ ولی عہد تسلیم کی گئیں مراسم صدر نشینی و ولی عہدی ادا کرنے کے لئے ایجنٹ نواب گورنر جنرل کا بھوپال میں حسب ضابطہ دربار منعقد ہوا۔ معمول کے مطابق تقریر ہوئیں جب ولی عہدی کا اعلان ہوا تو سرکار عالیہ نے بھی اس کے شکریہ میں ایک موزوں تقریر فرمائی۔ تاریخ عالم میں ایسی بہت کم مثالیں ملیں گی کہ ایک یا زود سالہ شہزادی نے کسی دربار عالم میں اس طرح متانت کے ساتھ بغیر کسی جھجک کے تقریر کر کے تمام حاضرین سے خراج تحسین لیا ہو۔

۱۲۸۶ھ میں سرکار عالیہ کی تقریب نشر نہایت شاندار طریقہ پر کی گئی بھوپال اکینسی کے اکثر امراء اور یورپین اصحاب مدعو کئے گئے۔ اراکین و اخوان ریاست اور متوسلین و رعایائے ملک کی دعوتیں ہوئیں،

۱۵ نواب شاہجہاں بیگم۔

گاہوں کے کھیاؤں، مستاجروں، جاگیرداروں اور اہل سیف و اہل قلم اور متوسلین کو خلعت عطا کئے گئے
غرض ایک مائتاک اس جشن کا سلسلہ قائم رہا۔

متاہل زندگی

سرکارِ خلد نشین کو سرکارِ عالیہ کی متاہل زندگی کا بھی بہت خیال تھا، بھوپال میں دونوں سے
خاندانی بیچیدگیوں کی ایک صورت ہو گئی تھی نیز ایسے لڑکے جو اس رشتہ کے اہل ہو سکتے تھے ضروری
صفات سے معزز تھے اس لئے بھوپال سے باہر بہت غور و تحقیق کے ساتھ سلسلہ میں بمقام آگرہ (نواب
احمد علی خاں صاحب بہادر کو منتخب کیا جو جلال آباد ضلع مظفرنگر کے ایک معزز و ممتاز انجمنی خاندان
کے نور نظر تھے اور ان کا سلسلہ نسب خاندانِ بھوپال سے ملتا تھا۔ اسی زمانہ میں سرکارِ خلد نشین ان کو تسلیم
و تربیت کی غرض سے بھوپال لے آئیں لیکن کوئی رسم وغیرہ نہیں کی گئی اُن کے انتقال کے بعد اور پیام
بھی آئے لیکن کوئی اجلائے فیصلہ نہیں کیا گیا جب سرکارِ عالیہ کی عمر شادی کے قابل ہو گئی تو
اس وقت (سرکارِ خلد نکال) نواب شاہجہاں بیگم نے اراکینِ ریاست معتمدینِ مدیم سے پھر مشورہ
کیا اور اُن لڑکوں کے نام بھی جن کے پیام آئے تھے پیش ہوئے لیکن بہ اتفاق و کثرت رائے سرکار
خلد نشین کی تجویز مناسب و موزوں قرار پائی اب آخری مرحلہ سرکارِ عالیہ کی منظوری کا باقی تھا یہ مرحلہ اس
طریقہ سے انجام پذیر ہوا کہ وہ کل نام جن کے متعلق غور کیا گیا تھا سرکارِ عالیہ کے سامنے پیش کئے گئے کہ
ان میں سے جس کو مناسب اور منظور کریں اپنے دستخط اور اپنی مہر اس نام پر ثبت کر دیں۔ سرکارِ عالیہ نے
اسی نام پر مہر و دستخط ثبت کر دیئے اس کارروائی کی تکمیل کے بعد بذریعہ خلیفہ و افسر اسے کو اطلاع دی
گئی۔ ہزار کیلنسی و افسر اسے نے اہمیت معاملہ کے لحاظ سے ایجنٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا کو ہدایت
کی کہ بذاتِ خاص اس تجویز کی سرکارِ عالیہ سے تصدیق کی جائے چنانچہ اس مقصد کے لئے صاحب
موصوف بھوپال آئے۔

ایک مشرقی بالخصوص ہندوستانی ہندوادی سے اور وہ بھی آج سے ستر برس پہلے ایسا سوال د
جواب جس قدر اہم اور نازک ہو سکتا تھا ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں۔
سرکارِ عالیہ نے اس نازک و اہم موقع پر عہدہ برآ ہونے کے متعلق اس طرح تحریر کیا ہے کہ:-

”اگرچہ اس سوال کا ذبانی جواب دینا مجھ پر بوجھ اس بسم ورواج کے جو ہندوستان میں ہے نہایت گراں تھا مگر سرکار خلدیہاں نے مجھ کو ہائش کر دی تھی کہ یورپین معاشرت اور مسلمانوں کے مذہبی قواعد کی رو سے کوئی شرم کی بات نہیں ہے کہ آدمی صاف الفاظ میں اپنی خواہش کا اظہار کرے اسلئے میں نے جواب دیا کہ ”واقعی میں نے اپنی خوشی سے یادداشت زیر بحث پر اپنی ہر دو خطا ثبت کئے ہیں۔“ صاحب مدروح نے مجھ سے انگریزی میں کہا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو اس یادداشت کو حضور وائسرائے کی خدمت میں بھیج دوں؟

اس کا جواب میں صرف یہ لفظ ”یس“ دے کر خاموش ہو گئی۔

صاحب موصوف نے فرمایا کہ کچھ اور کہنا ہے؟

میں نے سلسلہ گفتگو دوسری جانب پھیرا کہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ آپ میرا سلام لارڈ صاحب اور ان کی دختر صاحبہ کی خدمت میں تحریر کر دیجئے گا۔“

ان مراحل کے طے ہونے کے بعد منگنی وغیرہ کی رسمیں کی گئیں حسبِ رواج ریاست دو لہا سے ایک اقرار نامہ بھی لیا گیا جس پر عمائدین ریاست اور پولٹیکل ایجنٹ کے دستخط بطور شہادت ثبت کر لئے گئے ایک سال چار ماہ کے بعد ۲۳ دسمبر ۱۸۶۸ء تکم فروری ۱۸۶۹ء روز دو شنبہ کو نہایت دھوم اور شادمانہ تزک و احتشام کے ساتھ یہ مبارک عقد ہوا۔ دو کروڑ روپیہ تمہیج مستہرا پایا اور ریاست کی جانب سے دو لہا کو نظیر الدولہ سلطان دولہ کا خطاب دیا گیا نیز چالیس ہزار روپیہ کی جاگیر عطا کی گئی ۶ لاکھ ۳۲ ہزار آٹھ سو پانچ روپے کا جہیز دولہاؤں کے توشک خانہ میں بھیجا گیا سرکار عالیہ کی ۸۰ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر جو ابتدا سے مقرر تھی بدستور قائم رہی۔

تقریب کے تمام امور نواب امیر المذک والاحیاء مولوی سید صدیق حسن خاں کی شرکت و مشاورت سے انجام پذیر ہوئے۔

۱۸۶۸ء میں ۲۸ سال مسند نشین ریاست ہوئیں تو اس وقت وہ بیوہ تھیں اور پردہ میں رہتی تھیں ان کو پولٹیکل حکام نے عقد ثانی کا مشورہ دیا جس کا اہم مدعا یہ تھا کہ شوہر سے ملکی نظم و نسق میں امداد مل سکے چنانچہ ارکان دہرائے ریاست کے اتفاق سے میر وزیر (نواب) سید صدیق حسن خاں کا انتخاب ہوا جو مواد و قنوج کے رکن

اس وقت تک تمام خاندان سے عزیزانہ تعلقات نہایت سنگفہ تھے لیکن اس تقریب میں خاندان اور ملک کی سب سے ممتاز و محبوب ترین ہستی نواب قدسیہ بیگم شریک نہ تھیں تقریباً ایک سال سے اُن کے اور سرکار

(بقیہ حاشیہ)

اور متوجہ عالم اور صاحب تصنیف و تالیف تھے اُن کے جدا جدا سید اولاد علی خان بہادر نوجوان متسل دولہ آصفیہ و امیر کبیر نواب ابوالفتح خاں شمس الامرا کے اقربا میں سے تھے سرکار خلیفہ کے عہد حکومت میں بجوپال وار ہوئے اور مختلف عہدوں پر مامور رہے اور اس زمانہ میں دفتر انشا (سکرٹریٹ) میں منشی روکاری (سکرٹری) اور امیر ویر خانی کے خطاب سے ممتاز تھے۔

مولوی جمال الدین خاں مدار الہام ریاست جھنوں نے اپنی خدمات و وفاداری اور اوصاف و قابلیت سے خاندان ریاست میں اپنی غیر فانی عزت و محبت قائم کر لی تھی ان کے معاون و مربی تھے اور انھوں نے اپنی بیوہ دختر زکیہ بیگم کا عقد بھی اُن کے گرد کیا تھا۔ مدار الہام صاحب کی اولاد میں صرف لڑکیاں ہی تھیں اور دامادوں میں سب سے زیادہ قابل سی داماد تھے اس لئے ان کی پوری توجہ کامرگز بن گئے تھے۔ غرض ۱۲۸۵ھ = ۱۸۶۸ء میں کو اُن سے سرکار خلیفہ کا عقد ہو گیا ریاست ۵۰ ہزار چار سو پندرہ پیر سالانہ کی جاگیر دی گئی ۱۲۸۵ھ میں گورنمنٹ کی طرف سے خلعت اور نواب امیر الملک والا جاد کا خطاب عطا ہوا۔

عقد کے بعد وہ بہت جلد شیر حکومت ہو گئے اور بالآخر اس امر کی کوشش کی گئی کہ امیر علی گورنمنٹ کی منظوری سے ان کو مستقل اختیار ریاست بنا دیا جائے۔ خاندان ریاست میں صرف نواب قدسیہ بیگم ہی سب سے قریب اور بزرگ تھیں یہ عقد ان کو پسند نہ تھا نواب والا جاد بھی ان سے کشیدہ اور کبیرہ رہنے لگے۔ رفتہ رفتہ رنجش بہت زیادہ بڑھ گئی اور نواب قدسیہ بیگم کو خاندانی تعلقات اور جاگیر کی معاملات میں طرح طرح کی تکلیفیں دی جانے لگیں بعض اعرائے ریاست اور قدیم خاندانوں کے بااثر اصحاب بھی معتبور ہوئے۔

اس عقد کے وقت سرکار عالیہ کی عمر ۱۳ سال کی تھی اور جب اُن کی شادی ہوئی تو یہ نزاعات اتنے شدید ہو گئے تھے کہ اس تقریب میں نواب قدسیہ بیگم شریک نہیں کی گئیں۔ اور پھر تقریباً اُن کے تعلقات منقطع ہو گئے۔

نواب قدسیہ بیگم کے دل میں سرکار عالیہ کے مستقبل کی طرف سے بھی خطرات پیدا ہو گئے تھے اور وہ پریشان رہنے لگیں تھیں اس لئے سرکار عالیہ کی شادی کے بعد ابھنی میں یہ تحریک کی گئی کہ :-

”نواب سلطان جہاں بیگم کو میری جگہ تسلیم کیا جائے اور بصورت اولاد فرزند زرمینہ والی ریاست ہو اور دختر

خلدکوں کے ابین بخش پیدا ہو چکی تھی اس لئے وہ اس تقریب میں مدعو نہیں کی گئیں اور جب انھوں نے شفقت سے مجبور ہو کر اپنے محل پر تقریب جمعہ کرنے اور دولہا دہن کو تحائف دینے کی مکرر و باصرہ خواہش کی تو صاف جواب دے دیا گیا کہ :-

”کئی بار گزارش کیا گیا کہ اب ضرورت ایسے رسوم کے ادا کرنے کی حضور کو نہیں ہے حضور کی دُعا کافی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نواب سلطان جہاں بیگم کو سب کچھ دیا ہے وہ کسی چیز کی محتاج و حاجت مند نہیں۔“

سرکار عالیہ کے لئے بھی یہ تشیدگی و بخش کچھ کم تکلیف کا باعث نہ تھی مگر وہ مجبور محض تھیں۔

ولادت صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم ۲۴ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو سرکار عالیہ کے صاحبزادی پیدا ہوئیں سرکار خلدکوں نے مسرت و خوشی کے ساتھ ضروری مراسم انجام دیئے بلقیس جہاں بیگم نام رکھا اور خود ہی پرورش و تربیت شروع کی۔

سفر کلکتہ اور شہزادہ اسی زمانہ میں سرکار خلدکوں بمقام کلکتہ ہزار ایل ہائینس پرنس آف ویلز کی تشریف آوری ہند کے سلسلہ میں مدعو کی گئیں جتنا بچہ باہر و مہر سرکار عالیہ نواب صدیق حسن خاں نواب سلطان دولہا اور دیگر حشم و خدم کے ساتھ عازم کلکتہ ہوئیں۔ سرکار عالیہ بہ سبب علالت دربار میں شریک نہ ہو سکیں البتہ ایک رسمی ملاقات میں

بقیہ حاشیہ

میری جانشین قرار دی جائے۔“

اس تحریک کا کوئی نتیجہ نہ نکلا مگر باہمی تشیدگی نے شدید صورت اختیار کر لی اور تعلقات منقطع کر لئے گئے۔ کبھی ورڈپٹنسی میں جاگیر کی بد نظمی اور اُن کے اہلکاروں کی جبر و تعدی کی شکایات کی گئیں اور اُن کے اختیارات میں دست اندازی کی کوشش شروع ہوئی مگر پولیٹیکل افسروں نے اُن کا احترام ملحوظ رکھا اور صلح و صفائی کے لئے کوشش کی جو دس سال کے بعد ۱۲۹۹ھ میں کامیاب ہوئی اور نواب قدسیہ بیگم نے اپنے مال اور مشاع اور انعامات و مصارف خیر کی فہرست سرکار خلدکوں کے پاس بھیجی اس کے بعد وہ تقریباً ایک سال زندہ رہیں اور ۲۴ محرم ۱۲۹۹ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۹۸۱ء کو ۸۳ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

۱۵ بھوپال میں شادی بیاہ کے موقع کچی عزیز قریب کے یہاں جمعہ کے دن دولہا دہن اور اعزاء و اقربا کی دعوت کی جاتی ہے اور جوڑے اور تھنے دیئے جاتے ہیں۔

شرکت کی اس موقع پر ہنزادہ محمود نے دوران گفتگو میں سرکار عالیہ سے یہ دل چسپ جملہ فرمایا کہ :-
 ”اس وقت ہم اور آپ ایک ہی درجہ پر ہیں آپ اپنی ریاست میں کراؤن پرنس ہیں اور میں سلطان انگلشیہ
 میں کراؤن پرنس ہوں۔“

ولادت نواب محمد نصر اللہ خاں | ۱۷۹۳ء مطابق ۲ دسمبر ۱۸۱۶ء کو اس خاندان میں
 ۷ سال اور چار پشتوں کے بعد خداوند کریم نے اولادِ زریہ عطا
 کی یعنی نواب نصر اللہ خاں پیدا ہوئے اس ولادت سے یوں تو تمام خاندان کو خوشی ہوئی لیکن سب سے زیادہ
 مسرت نواب قدسیہ بیگم کو تھی ان میں باوجود ضعیف العمری اور گوشت نشینی کے ایک عجیب جوشِ مسرت تھا
 حسب رواج ملک ملازمین ڈیوڑھی پہنا کر حاضر ہو کر بند و قیں سر کرتے تھے سرکار قدسیہ بیگم کو مبارک باد دیتے
 تھے اور وہ شادان و خندان اُن کی تہنیت قبول کرتی تھیں ان لوگوں کو شہزادی دیتی تھیں اور انعام میں نہایت
 فیاضی کے ساتھ روپیہ تقسیم فرماتی تھیں۔

اس وقت تک بظاہر پھر سرکار قدسیہ بیگم کے اور سب کے تعلقات ٹنگستہ تھے لیکن اب سرکار خلدیہ کا
 کے مزاج میں نواب والا جاہ کا اثر و رسوخ بہت بڑھ چکا تھا اور وہ اپنے اقتدار و استبداد کی جاوبے جاننا
 کرتے رہتے تھے اس موقع پر جبکہ سرکار عالیہ کی ڈیوڑھی پہنی ہوئی تھیں ملازمین بند و قیں سر کر رہے تھے
 نواب صاحب نے نہایت ہی نامناسب اور اہانت آمیز طریقہ چلے گا میں اُن لوگوں کے نکالنے اور
 بند و قوں کے سر کرنے کی مانعت کے لئے زبانی حکم بھیجا اور اس کی تعمیل پر سختی اصرار کیا۔

نواب سلطان دھانے بادل ناخواستہ تعمیل کی اور بذریعہ عولینہ سرکار خلدیہ کا کو اس واقعہ کی اطلاع
 دی مگر جواب میں خود ان ہی کو ہتھکڑی کی گئی۔

اسی طرح نواب قدسیہ بیگم کو بھی تحریری مانعت کی گئی اور اسی تلخ مراسلت ہوئی کہ وہ نوں میں
 نہایت ہی ناگواری پیدا ہو گئی۔ پھر باوجود نواب قدسیہ بیگم کے سخت اصرار کے بھی اس امر کی اجازت
 نہ دی گئی کہ سرکار عالیہ کی وہ اپنے محل پر دعوت کریں۔

۱۷۹۳ء یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ جس سال ہنزادہ دلیز تخت نشین ہوئے اسی سال سرکار عالیہ سندھ آئے ریاست ہوئیں۔
 ۱۸۲۸ء تا ۱۸۳۲ء ملاحظہ ہو مراسلت مندرجہ صفحات تزکی سلطانی

۱۸۹۴ء میں سرکار عالیہ جمعیت سرکار خلد مکان مشہور دربار قیصری منعقدہ دہلی
 کی شرکت کے لئے تشریف لے گئیں مگر اپنی علالت کی وجہ سے درباری
 مراسم میں شریک نہ ہو سکیں البتہ نواب سلطان دہلا شریک ہوئے۔

نواب محمد عبید اللہ خاں کی ولادت ۱۲۹۵ھ مطابق ۳ نومبر ۱۸۷۸ء کو نواب
 محمد عبید اللہ خاں فرزند وٹھیں پیدا ہوئے تمام مراسم
 حسب معمول ادا کئے گئے لیکن پچھلے تجربہ کے لحاظ سے کوئی بات ایسی نہیں کی گئی کہ ذرا بھی اعتراف کا موقع
 ملتا یا رنج کی کوئی وجہ ہوتی۔

۲۵ شعبان ۱۲۹۶ھ مطابق ۳ اگست ۱۸۷۹ء کو صاحب زادی
 آصف جہاں بیگم کی ولادت ہوئی۔
 اس ولادت کے بعد سرکار عالیہ سخت غلیل ہو گئیں تین مہینہ میں
 صحت ہوئی سرکار خلد مکان اور سرکار قدسیہ بیگم نے بہت کچھ خوشی و مسرت کی صدقات اور تبرعات میں زبرد کثیر
 صرف کیا سرکار قدسیہ بیگم نے سرکار عالیہ کو خلعت بھیجا اور ساتھ ہی سرکار خلد مکان نواب صدیق حسن خاں
 سرکار عالیہ، اور نواب سلطان دہلا اور سب بچوں کو ایک ایک لاکھ روپیہ نفقہ بھی دیا۔ لیکن سب
 واپس کر دیا گیا۔

اس کے بعد ۱۸۸۲ء کے دربار منعقدہ کلکتہ کے مراسم میں سرکار عالیہ نے
 شرکت دربار کلکتہ شرکت کی لارڈ اور لیڈی پرنس سے بھی دل چسپ ملاقاتیں ہوئیں لیکن اسی سفر
 میں سرکار خلد مکان کی وہ نارضی و کشیدگی جو پانچ چھ سال سے دل ہی دل میں بھٹی صاف صاف ظاہر
 ہونے لگی جو روز بروز بڑھتی گئی اور پھر آخر وقت تک قائم رہی۔

صاحبزادی بقیس جہاں بیگم سرکار خلد مکان کے پاس رہتی تھیں لیکن
 صاحبزادیوں کا انتقال کچھ عرصہ سے سرکار عالیہ نے ایک سخت مجبوری کی وجہ سے اپنے

اسی موقع پر نواب صدیق حسن خاں کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ، افریقی قلم و سرکار انگریزی میں مقرر کی گئی لیکن اس
 کے بعد جو واقعات پیش آئے اُن کے صحیح یا غلط نتیجہ کے طور پر ۱۸۸۵ء میں خطاب و سلامی کا اعزاز سزا ہوا۔ اور نواب صاحب
 گوشہ نشین کر دیئے گئے۔

ہی پاس رکھ لیا تھا کچھ دنوں کے بعد وہ بیمار ہو گئیں اور بالآخر ۱۲ سال ۶ ماہ کی عمر میں ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ روز جمعہ کو ایک جہینہ بحالیف مرض اٹھا کر انتقال کیا۔ شداۃ مرض کے زمانہ میں سرکار عالیہ نے ہر چند کوشش کی اور خود تاج محل جاکر عاجزی اور منت کی لیکن سرکار خلد مکان کسی طرح تشریف لائیں اور رضیہ کو تسکین دیں لیکن وہ راضی نہ ہوئیں۔

ہنوز بلقیس جہاں بیگم کا صدمہ تازہ تھا کہ تقریباً ڈھائی سال کی سخت علالت کے بعد صاحبزادی آصف جہاں بیگم نے ۱۸ محرم ۱۳۱۲ھ = ۲۲ جولائی ۱۸۹۶ء کو بعمر ۴۴ سال چار ماہ ۲۲ یوم حیات کی اور ان دونوں غمناک مواقع پر سرکار عالیہ ماں کی تسلی سے محروم رہیں۔

۸ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ = ۹ دسمبر ۱۸۹۶ء
روز یکشنبہ وقت ۶ بجے صبح علیحضرت
قدس کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اگرچہ
اعلیٰ حضرت اقدس نواب حمید اللہ خاں صاحب بہادر
زاد اللہ عمرہ و شرفہ کی ولادت

ریاست کوئی رسم نہیں کی گئی نہ کسی خوشی کا اظہار ہوا اور نہ سرکار خلد مکان تشریف لائیں لیکن سرکار عالیہ کو تسکین قلب حاصل ہوئی جیسا کہ خود تحریر فرمایا ہے :-

”اس مولود مسودہ کی ولادت سے منجھ بے انتہا مسرت ہوئی کیونکہ صاحبزادی آصف جہاں بیگم کے انتقال کے بعد میری طبیعت ہر وقت نگین اور اداس رہتی تھی اس نعم البدل کے ملنے کے نتیجہ وہ اُداسی اور افسردگی جاتی رہی۔

خداوند کریم نے جو ربے بڑا تسلی دینے والا ہے گویا میرے غم زدہ دل کی تسلی کے لئے اپنے فیض و کرم کا فرشتہ بھیج دیا۔ یہ خواہئے لہذا کہ مثل حیط الانشیا میں نے اس بچہ کو صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم و آصف جہاں بیگم کا بدلہ کابل سمجھا۔ اس میں شک نہیں کہ خداوند کریم کا فضل اور اس کی حسیں مختلف صورتوں میں طرح طرح سے جلوہ گر ہوتی ہیں جو شمار میں نہیں آسکتیں۔“

صاحبزادوں کے عقد کی تقریب | جب نواب نصر اللہ خاں اور نواب جنرل محمد عبداللہ خاں کی عمریں ۲۴ اور ۲۲ سال کی ہو گئیں تو سرکار عالیہ کو ان کی دہی

کی فکر ہوئی اور بوساطت وزارت سرکار خلد مکان سے استصواب کر کے نواب سلطان دو باہا کی بھانجیوں سے نسبت کی۔ اس موقع پر سرکار عالیہ نے انتہائی کوشش اور نہایت عاجزانہ طور پر معافی قصور کی درخواست

کر کے اصرار کیا کہ سرکار خلد مکان یہ تقریب اپنے ہاتھوں سے انجام دیں لیکن کامیابی نہ ہوئی اور مجبوراً بتایا

۲۵ رجب ۱۳۱۹ھ کو ساوہ طور پر رسم عقد کر دی گئی۔

نواب شاہجہاں بیگم کی علالت و رحلت و بعض دیگر واقعات

اور آخر ربیع الاول ۱۳۱۹ھ میں سرکار خلد مکان کی طبیعت ناساز ہوئی روز بروز مرض میں مبتلا ہوئی گئی سرکار عالیہ کو بھی ان حالات کی اطلاعیں ملتی رہتی تھیں جس سے شب و روز بے چین رہا کرتیں اور ان کی صحت کی دعائیں مانگتیں خود جانے میں طرح طرح کے اندیشے تھے لیکن بے تابانہ تشریف لے گئیں مگر جس جذبے کے ساتھ گئیں اور نواب شاہجہاں بیگم خلد مکان کے انتقال اور کھین و تدفین تک جو واقعات پیش آئے وہ خود سرکار عالیہ کی تحریر میں پڑھنا چاہیے ترک سلطان اور گوہر اقبال میں تحریر فرمائی ہیں کہ:-

اب مجھ سے زیادہ غمناک و صبر نہ ہو سکا اور میری طبیعت ان واجبی اندیشوں پر غالب آگئی جو ایسی حالت میں ان کے پاس جانے سے ضروری تھے کیوں کہ مجھ کو افزا پردازوں سے ہمیشہ کھٹاک رہتی تھی۔ میں مضطربانہ تاج محل کو روانہ ہوئی مجھے پاؤ میل کا راستہ کوسوں دور معلوم ہوتا تھا خدا کر کے مجھے محل میں قدم رکھنے کی نوبت آئی۔ اس سے پیشتر میں صرف ایک مرتبہ صاحبزادی بقیس جہاں بیگم کے زمانہ علالت میں سرکار خلد مکان کو لینے آئی تھی۔ یا اب ان کی عیادت و خدمت کیلئے آئی۔ سخت گرمی کا موسم دوجے کا وقت محل میں کوئی راستہ بتانے والا بھی نہ تھا۔ سب جانتے تھے کہ میں خون کے جوش اور مجسمے اڑے آئی ہوں۔ لیکن جو تھا بیگانہ تھا۔ بجائے اس کے کہ ایسی حالت میں میرا آنا باعث تسلی سمجھا جاتا۔ ان لوگوں میں بے چینی اور گھبراہٹ پھیل گئی میں ایک ایک سے چھٹی ہوئی سرکار خلد مکان کے کمرے میں پہنچی۔ وہ بوجہ ضعف کیٹھ لیٹی ہوئی تھیں میرا جی جا ہا کہ ماں کے پاؤں سے لپٹ کر خوب روؤں۔ تلوؤں سے آنکھیں ملوں اور جو جوش کہ ۲۷ برسوں سے دل میں بھرا ہوا دریا کی ہی لہریں لے رہا ہے جی کھول کر نکالوں۔ مگر سرکار کی تنگی کے خیال اور تکلیف کے خوف سے مجھے جرات نہ ہوئی اور دیوار حسرت بن کر کھڑی رہ گئی۔ صاحب نے ادھمید اللہ خاں صاحب ساناہ نظروں سے چھالت دیکھ رہے تھے کہ سرکار خلد مکان نے میری جانب نظر کر کے پوچھا کہ ”تم کون ہو؟“ چونکہ علالت سے اُن کی نظر میں ضعف آگیا تھا کہ وہ میں اس وقت ذرا اندھیرا بھی تھا اور تیرہ برسوں کے عرصہ میں عالی خدمات اٹھاتے اٹھاتے میری ہیئت میں ایسا تغیر ہو گیا تھا کہ سرکار خلد مکان مجھے پہچان نہ سکیں میں

خاموش رہی کیونکہ مجھے خیال تھا کہ بقیس جہاں بیگم زمانہ کی طرح اب بھی خفا نہ ہوں اور خشکی سے زخم کو نقصان نہ پہنچے جس سے مجھے جی بھر کر ان کی زیارت کرنے کا موقع بھی نہ ملے۔

انھوں نے پھر کہا کہ ”تم کو تو بوجہ کیوں سنیں بولیں؟“ میں نے پھر بھی جواب نہ دیا۔ آخر کار جب کئی مرتبہ استفسار کیا تو ان کی ایک خواص نے جو وہاں حاضر تھی میرا نام بتایا اور میں نے نہایت عاجزی سے دست بردار ہو کر عرض کیا کہ ”سرکار میری خطا معاف فرمائیں“ لیکن جس اندیشے سے میں خاموش رہی تھی وہی پیش آگیا۔ اُس صادق الہمد خاتون محترم نے غلینہ ملی ہوئی خشکی سے فرمایا کہ ”تم اس وقت چل جاؤ۔ ہمارے بعد آجانا“ لیکن میرے قدم گڑ گئے تھے کیوں کرواں سے مٹتی۔ میں خاموش کھڑی رہی۔ مگر پھر بہ اصرار کہا تو مجھے بہت نہ ہوئی کہ میں پٹھری رہوں کیونکہ مجھے ان کی حالت کا تجربہ تھا اور میں اس راز کی تہ سے واقف تھی۔ جانتی تھی کہ میری موجودگی ان کی تکلیف کی زیادتی کا باعث ہوگی۔ آخر وہ سسر کرے میں چلی گئی۔ لیکن ایک خواص نے آکر کہا کہ سرکار فرماتی ہیں کہ ”تم اگر نہیں جاؤ گی تو میں اپنے باغ کو چلی جاؤں گی۔“ مجھ پر باجتم گریاں مجروح دل پر ایک اور تازہ زخم لے کر میں صدر منزل کو واپس آئی۔

رحلت مطابق ۱۶ جون سنہ ۱۹۴۷ء دن کے ۱۲ بج کر ۱۸ منٹ پر انتقال کیا۔ وزیر ریاست (مولوی عبدالجبار خاں صاحب مرحوم) اطلاع کی غرض سے ایوان صدر منزل پر حاضر ہوئے سرکار عالیہ نور اہی تاج محل روانہ ہو گئیں لیکن جس حالت میں گئیں اور جس طرح وہ دن گزرا اور رات بسر ہوئی وہ سرکار عالیہ کے ہی الفاظ میں یہ تھی کہ :-

”میں اس دن صبح ہی سے غیر معمولی طور پر پریشان تھی۔ مجھے ہر چیز پر اسی چھائی ہوئی نظر آتی تھی کہ اس سانحہ عظیم کی صدامیں سے رکازوں میں پہنچی۔ اہوں کے جہم سے حلق میں دم گھٹنے لگا۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ گھجی آئی اور میں تاج محل کو روانہ ہوئی۔ دل میں حسرتناک خیالات کا جہم ہو گیا۔ ۵۴ برس کا گذرا ہوا زمانہ یاد آیا۔ قوت تنہا نے میری زندگی کے اس حصہ کو جس میں حلیل القدر ماں کی محبت و شفقت کی مسرت مجھے نصیب تھی۔ داکہی فرقت سے بدل دیا۔ اور میری ماں کو ایک سلسلہ نشین پاکیزہ صورت میں مجھ سے کر کے میرے سامنے لا کھڑا کر دیا۔ مگر چشمہ زون میں وہ پاک صورت تصویر کی نظروں سے غائب ہو گئی اور بجائے اس کے ۲۷ برسوں کا رنج و زمانہ ایک خوفناک صورت میں نمودار ہوا۔ لیکن

آن اُنہیں وہ بھی نقشِ بر آب کی طرح مٹ گیا۔ پھر زمین و آسمان پر ایک سناٹا معلوم ہوا اور بے ثباتی دنیا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ گیا اور نظر آیا کہ کُل شئی عَرَاکِلَتْ اِلَّا وَجْهَهُ لَہُ الْحَکْمُ وَالْیَدُ تَوَجُّعُونَ ۝ میں محل میں داخل ہوئی۔ وہی محل جس میں ہر وقت چہل پہل رہتی تھی ہٹو کا مکان معلوم ہوتا تھا۔ ہر چیز پر عبرت و حسرت برس رہی تھی۔

آخری دیدار اور تجہیز و تکفین کا انتظام میں اُس کمرہ میں پہنچی جہاں سرکارِ خلدِ کمال تمام دنیاوی اقتدار و حکومت کو خیر باد کہہ کر ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے خوابِ شیریں میں محو تھیں۔ میرے آنے پر نام کا استفسار اور نہ میرے جانے پر اصرار کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ باتیں تمام تر بھلا دیں۔ اور آخری منزل طے کرنے کیلئے کچھ سے رخصت ہونے کا انتظار کر رہی ہیں میں نے بے تابی اور بے اختیاری کے ساتھ اُن کے قدموں کے بوسے لئے جن سے ۷۷ برسوں تک جُدا رہی تھی اور جن کے نیچے جنت کی نہریں بہہ رہی تھیں، دیر تک ٹنگی باز رہے ہوئے اس چہرہ مبارک کو دیکھتی رہی جس کی زیارت کی محرومی کے سبب اکثر تمام دن اور تمام راتیں گریہ و زاری میں بسر کی تھیں اور اب دوبارہ جبر و قیامت کے دیکھنے کی امید نہ تھی۔

جی چاہتا تھا کہ قدموں کو ہاتھوں سے نہ چھوڑوں اور آنکھیں مٹے مبارک سے نہ ہٹاؤں لیکن کسی طرح ممکن نہ تھا اور کیونکر ہو سکتا تھا۔ آخر تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور جو لوگ جزع و فزع کر رہے تھے اُن کو منع کیا البتہ ثواب کیلئے میں نے سورہ بقرہ و آلکلمہ طیبہ پڑھنے کی تاکید کی اور خود انتظام تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئی۔ ۷ مرتبہ سورہ بقرہ اور سو الاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا گیا۔ سو بج کے ۵ منٹ پر بعد فراغ غسل و کفن جنازہ تاج محل سے جانب باغِ نشاط افزا روانہ ہوا جنازہ پر فرشتگانِ حجت الہی کا سایہ تھا اور ضلئے الہی کا نور برس رہا تھا۔

عبرت خیز شام اور نگین رات تاج محل کے وہ لوگ جو میرے آنے سے کبیدہ ہوتے اور بڑھکتے تھے۔ اب میرے حضور میں کھڑا رہنا باعثِ افتخار جاننے لگے، آٹھ دن پہلے جو مجھے دیکھ کر چھپ گئے تھے اب پیش پیش ہیں۔ ۱۲ بجے قبل جو لوگ

لے حدیثِ قدسی ہے کہ اَجْنَسَتْهُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّہَاتِکُمْ۔

میری فرضی برائیوں کا بیان کرنا اور مجھ پر انتہا مل لگانا اور اجابت سے جانتے تھے اب تو یقین کرنا اور مجھ میں دنیا بھر کی خوبیوں کا شمار فرض سمجھتے ہیں غرض ایک لمحہ کے اندر ہی دوسرا دور دورہ تھا وَتَبْلُکَ الْاَیَّامُ نَدَادِلُهَا بَیِّنُ الْمَنَاسِی -

لیکن اُس دن نہ حکومت کا خیال تھا اور نہ فرماں روائی کا دلولہ۔ ۲۷ برس کے بے انتہار رخ و غم ایک ایک کر کے سامنے آرہے تھے۔

جن باتوں کو بھولے ہوئے برس گزر چکی تھیں فرواں تازہ ہوتی جاتی تھیں وہ امیدیں جو سرکار خلد مکاں کی زندگی سے وابستہ تھیں حسرت و ناکامی کے ساتھ دواع ہو رہی تھیں گو اس دن تاج محل کے اندر اور باہر جوش سے زیادہ آدمی تھے مگر رونق نہ تھی ہو کا عالم تھا اور افسردگی چھائی ہوئی تھی جس سے تاج محل تیار ہوا تھا یہ چوتھا موقع تھا کہ میں اتنی دیر تک وہاں قیام پذیر رہی۔ پہلا موقع صاحب زادی بلیس جہاں یکم کے نشرہ سورہ بقرہ کا تھا۔

دوسرا موقع وہ ہے کہ جب بلیس جہاں باغ حیات افزائش مرض الموت میں مبتلا تھیں اور میں سرکار خلد مکاں کو لینے گئی تھی تیسری مرتبہ خود ان ہی کی عیادت کو آئی تھی اب میں چوتھی دفعہ اس محل میں آئی پہلی جو غم کہہ بنا ہوا ہے اور ہر دور و دیوار پر حسرت اور اُداسی برس رہی ہے اول جب میں یہاں آئی تھی تو یہی محل بطور محلات دہلی ایک کشادہ عمارت تھی لیکن چونکہ سرکار خلد مکاں قدیم بھوپالی طرز کی عمارت میں رہنے کی عادی تھیں اور اکثر چھوٹے مکانوں کو پسند فرماتی تھیں اس لئے حسب پسند اپنے اکثر کمرہ جات بنوائے تھے جس سے تاج محل کی کشادگی اور دل چسپی میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ شب باران کی تاریکی آغاز بزرگ کال کی گرمی اور گونا گوں خیالات کے هجوم نے مجھے اور بھی پریشان بنا دیا تھا۔ علاوہ برس محل کی عمارات بجائے خود اور بھی زیادہ پریشانی بڑھانے والی تھیں مجھے کشادہ اور صاف مکان میں رہنے کی عادت ہو گئی تھی اور محل کے کمرہ وغیرہ ہنالت تنگ تھے۔ پھر غیر مانوس مکان جس میں خود ہی انسان کا دو چار دن دل نہیں لگتا خصوصاً ایسے وقت کہ ایک سرپرست اور شفیق ماں کا سایہ اوٹھ گیا ہو اور دنیا کی تمام آرزوئیں اُن سے ملنے کی منقطع ہو چکی ہوں۔ اس حالت میں سرکار خلد مکاں کی زندگی کے حالات ایک کتاب کی صورت میں میرے سامنے آگئے کبھی مادرانہ شفقت کے واقعات دکھائی دیتے کبھی

مشفقانہ زہر و تنبیہ سامنے آجاتی۔ اور کبھی ۲۷ سال کی جذباتی کے حالات اور خدمات پیش نظر ہوتے۔ گویا
میسرے خیال کے سامنے ایک کتاب تھی جس کے اوراق جلد جلد اُٹھتے جاتے تھے۔“

واقعات و اسباب کشیدگی | یہ عمدہ مسلسل کشیدگی جو اوراقِ ماقبل میں نظر آتی ہے سرکارِ عالیہ کے
سوانح حیات میں وہ سانحہ عظیم ہے جو حیرت و حسرت کے ساتھ عبرت
و بصیرت سے بھی معمور ہے۔ سرکارِ عالیہ نے ایک موقع پر اپنی تزک میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

”تاریخ میں بہت سے ایسے واقعات ملیں گے کہ ملک و مال کی وجہ سے سفیدین کی فتنہ پردازوں
سے باپ بیٹوں میں جہاد و قتال اور ظلم و زیادتی کی آگ مشتعل ہوئی جس نے ہزاروں گھر اور حکومتیں
بر باد کردیں اور دونوں میں سے کسی ایک کی جان جاتی رہی یا دونوں تباہ ہو گئے۔ لیکن تاریخِ عالم
کے کسی صفحہ پر ماؤں کی بے رحمی نظر نہ آئے گی۔ اکثر ناسنہ مانی اور خود رائی اولاد ہی کی جانب
سے ظہور پذیر ہوتی ہے مائیں اولاد سے دکھ سہتی ہیں، نافرمانیاں دیکھتی ہیں مگر ان کی محبت ہمیشہ
رحم و کرم سے ان کا معاوضہ کرتی ہے..... مگر میری اور سرکارِ خلد مکاں کی ایسی حالت
تھی جو شاید ہی آج تک کسی کو پیش آئی ہو، نہ میرا قصور تھا نہ سرکارِ خلد مکاں میں صلہ رحم اور مہر مادری
کا فقدان تھا لیکن وہ میرے مفروضہ قصورات پر اظہارِ ناراضگی کے لئے مجبور تھیں اور اسی مجبوری کی وجہ
سے میثنی حالت نظر آتی ہے۔“

مگر میثنی حالت جس میں سرکارِ عالیہ کی شاندار زندگی کے ۲۶-۲۷ سال گزرے جن اسباب کا
نتیجہ تھی ان کے معلوم کرنے کے لئے ہم کو اس زمانہ کے چند اہم واقعات پر نظر ڈالنی ہوگی۔
۱۔ ۱۸۸۵ء میں سرکارِ خلد مکاں نے نواب صدیق حسن خاں صاحب (والا جاہ) کے ساتھ

صلہ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کے جن متعدد ابواب میں اس کشیدگی کا تذکرہ ہے ان میں وہ سوز و گداز بھرا ہوا ہے کہ کوئی
شخص گرم آنسوؤں اور زرد آہوں کے بغیر ان کو مطالعہ نہیں کر سکتا۔
۲۔ مؤلف سوانح نے ان واقعات کے لکھنے میں حسب ذیل کتابوں سے استناد کیا ہے۔
۱۔ تزکِ سلطانہ۔

۲۔ بھوپال آفیسر منٹو ۱۸۸۵ء مولفہ سرکارِ خلد مکاں (اُردو ایڈیشن)

عقد ثانی کیا۔ ان کو وسیع اختیارات حکومت دیئے اور پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ نے حوصلہ افزائی کی رفتہ رفتہ یہ اختیارات والیان ملک کے ہم مرتبہ ہو جانے کی خواہش و کوشش کی بنیاد قرار پائے مگر اس سختی سے خاندان ریاست میں تعصبات پیدا ہو گئے اور بالخصوص نواب قدسیہ بیگم کو سخت ناگوار ہوا، نواب الاجاہ نے مہارنت، رواداری اور اخلاق و حکمت عملی کی جگہ خستہ و سختی، نفرت و حقارت اور فرماں روائی اور اقتدار کی نمود و نمائش کو اختیار کیا۔

نواب قدسیہ بیگم اور بعض اعرائے ریاست کے برخلاف سخت کارروائیاں شروع کی گئیں ان کے چند متوسلین و معتمدین خاص محبوب ہوئے۔ ان کے اقتدار و اختیارات کم کرنے کی کوشش کے ساتھ سرکار حیدرکھان کو فرضی باتوں پر اس درجہ برہم و ناراض کر دیا گیا کہ تعلقات خاندانی تک منقطع ہو گئے۔

۵۲ میاں السین محمد خاں پر عتاب ہوا وہ ترک وطن پر مجبور ہوئے اور ان کی جاگیر ضبط کی گئی۔
نواب صاحب کے تعلقات زوجہ اول کی اُس اولاد سے جو شوہر ادلی سے آپٹھے نہ تھے بلکہ بڑی حد تک ان میں باہمی ناگوارمی اور نفرت تھی۔

سرکار عالیہ کے سوتیلے بھائیوں مجید محمد خاں اور لطیف محمد خاں کے ساتھ حقارت کا برتاؤ تھا اور اس امر کی کوشش تھی کہ سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہا بھی ان سے تعلقات منقطع کر لیں۔

بقیہ حاشیہ

- ۳۔ الروض الخصب ۱۲۹۷ھ - ۱۸۷۹ء
۴۔ ابقار المنن بالبقار المحن ۱۳۰۵ھ - ۱۸۸۷ء
۵۔ وصیت نامہ ابوالوفاتوفیق ۱۳۰۷ھ - ۱۸۸۹ء
۶۔ آثار صدیقی ۱۹۲۴ء مولفہ سید علی حسن صاحب۔

۷۔ ان میں خاص طور پر میانجی ریاض الدین اور مفتی رسول قابل الذکر ہیں۔ میاں جی صاحب نواب سکندر بیگم کے استاد تھے اور مفتی صاحب ریاست کے اس قدیم خاندان علماء کے رکن تھے جس میں منصب افتادہ راجا تھا۔

۸۔ نواب قدسیہ بیگم کے بھتیجے اور ایک مغز جاگیر دار تھے۔

۹۔ ابقار المنن بالبقار المحن صفحہ ۱۰۸

یہ بھوپال میں ایک خاص اثر رکھتے تھے اور سپاک کو ان کے ساتھ گہری ہمدردی تھی، نواب قدسیہ بیگم کا نہ صرف تمام طبقات رعایا پر ایک خاص اثر تھا بلکہ پولیٹیکل عہدہ داروں کے دلوں پر بھی ان کی عظمت کے نقوش مرتب تھے۔

نواب والا جاہ اور مسلمانوں کے سوا دغلم میں عقائد کا اختلاف بھی شدید مذہبی تعصب کی شکل میں رونما ہو گیا ساتھ ہی بعض انتظامات حکومت اور بالخصوص بندوبست مالگداری کے متعلق ایک عام شکایت پیدا ہو گئی جس کی ریشہ دوانی انجینی کے ان ملازموں نے کی جو ریاست کے مالگدار تھے اور مقتضائے حالات کے لحاظ سے ان تمام امور کی ذمہ داری نواب صدیق حسن خاں پر تھی۔ ابتداءً سرکار خلدیہ کا کو شکایتی خطوط دعوائے کے ذریعے سے لوگوں نے اطلاع دی لیکن جب کوئی اثر نہ ہوا تو اخبارات کو ذریعہ بنایا اور بالآخر رزیدنسی میں رجوع کیا گیا۔

لیکن ان پر تو کچھ زیادہ اعتنا نہیں کیا گیا البتہ نواب والا جاہ کی شہرت و بائیت اور ایک قدیم خطبہ جہاد کی اشاعت پر پولیٹیکل عہدہ داروں نے توجہ کی۔

اس زمانہ میں جنرل ڈیلی سنٹرل انڈیا میں ایجنٹ گورنر جنرل تھے جن کو پہلے ہی سے نواب قدسیہ بیگم کے معاملہ میں نواب صاحب سے بدگمانی تھی۔ انھوں نے اس خطبہ کی طرف گورنمنٹ آف انڈیا کو متوجہ کیا مگر لارڈ رپن نے زبانی ہدایت و فہمائش کا ایا کیا اور کرنل بنرین انچارج رزیدنٹ کے سامنے

۱۵ بھوپال آفیسر۔

۱۶ ماثر صدیقی۔

۱۷ اسے کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ڈاکٹر ہنٹر کی زہریلی کتاب ”انڈین مسلمانز“ نے انگریزی حکام کی ذہنیت پر ایک خاص اثر ڈالا تھا۔ اس کتاب میں گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرف سے ہوشیار و خبردار رہنے کی تلقین کی گئی اور بالخصوص دہائیت اور بغاوت کو مترادف الفاظ سمجھایا گیا تھا۔ بنگال میں دہائیوں کے مقدمات کا سلسلہ جاری تھا۔ گورنمنٹ کے افسر دہائیوں کی تلاش و تجویں سرگرم تھے۔ غرض یہ خطہ جو ڈاکٹر ہنٹر کے ذہن پر سانسے پیدا کر دیا تھا۔ بہت سی دار و گیر کے بعد تقریباً ۱۸۹۰ء میں سرسید اور بعض علما کی کوششوں سے رفع ہوا۔

(ماخذ از حیات جاوید)

وہ چاک کر دیا گیا لیکن اس کے بعد ایک طرف تو نواب صاحب نے رواداری اور حکمت عملی اختیار کرنے کی جگہ اور زیادہ سختی اور تنفر و حقارت سے کام لیا بلکہ اس نوبت پر ان کے انتقامی جذبات میں تموج پیدا ہو گیا۔ مخالفین کی ایذا رسانی پر دلیر ہو کر انتقامی تدابیر شروع کیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر سرکار خلد کمال نے سختی الامکان اعراض بھی کیا چنانچہ نواب والا جاہ خود لکھتے ہیں کہ:-

”اگر مراد مست سے بخشند اس کج رواں را با نذک فرصت راست می توان کرد“

۱۔ ان واقعات کے متعلق نواب والا جاہ نے اپنی کتاب الروض المصیب میں لکھا ہے کہ:-

”دریں عوض مدت چار سال کہ ریاست را از طرف اہلکاران و توسلان گوہر بگیم بدو فاسدہ و حیمہ ساعیہ ایہ بہشتانہ مظلوم و عدوانات بر زبان آمد۔ زمرہ مفسدین را رگ شرارت جنبد۔ مال مفت دل بے رحم میا بجایاں و رسولان کو چک ابدالان ایشان انہما ذفرست کردہ و موقع اخذ و جبر بدست آوردہ و زارع آستانہ را با کاشانہ ریاست غنیمت بارہ نمردہ کردند انچہ کردند و خوردند و خوردند و خوردند انچہ بردند و دادند انچہ دادند و باطل محض راجع بحت نمودند ۵ شعبہا قریب چند بکولے تو جا کنند او ہم بروز ما بنشینند حسد اکند

بر ضمیر منیر ریاست ذرہ اذناں مخفی نیست و لکن ۵

چیں بر جہیں ز جنبش خرس نمی زنند در یاد لاں چو موج گہر آرد میدہ اند
ایں قدر بالضرورت شد کہ بعض حکام را خلاف واقعہ فہمائیدند و با ہم شکر رنجی با افزودند اما عاقبت بخیر ماند۔

چوں ایں حرام نکال طینت و فتنہ انگیزان بہایم سریرت ہیج را ہے بسر مدعائے خود بارہ
ایں ہیج کارہ نیا فتنہ دین نزدیکی ۵ چہا سال نزد حکام بالادست بہ و ہایت و امثال ایں لفاظا
بدنام کردن، خواستند و تہمت ترغیب خود مانند آن شہرت دادند تجر بہ صدر عالی قدر نسبت ایں ریاست
و دولت عموماً و بہ نسبت ایں بے حراست و وصولت خصوصاً بہ قاضی بہ عدم ثبوت ایں قسم افتراآت و

۱۔ میاں جی ریاض الدین۔ ۵ مفتی رسول

دوسری طرف ناراض گروہ میں برابر اضافہ ہو رہا تھا اور عوام و خواص کے جذبات مخالفت اشتعال پذیر تھے۔ اس زمانہ میں سرسپیل گریفن سنٹرل انڈیا ایجنسی میں مامور ہوئے ان کی نظر سے پہلی کارروائی گزرتھلی تھی اب بعض دیگر کتابوں پر بھی توجہ دلائی گئی اور مخالفین کی طرف سے نہایت منظم اور منصوبہ طاریقے سے

(بقیہ حاشیہ)

خبر عملیات شدورہ نزدیک بود کہ دست بول بے گناہے رنگین سازند و سازد عابرائے علی دین الشہاد

بنوالہند۔ (الروض الخصب صفحہ ۴۷۱ تا ۴۷۴)

صاحب مآثر صدیقی کہتے ہیں کہ:-

بالآخر والajah پر انواع و اقسام کے الزامات مذہبی و انتظامی قائم کر کے حکام گورنمنٹ انگلشیہ تک پہنچانا شروع کئے جناب سرسپری ڈپٹی صاحب بہادر جب ریزیڈنٹ سنٹرل انڈیا مقرر ہو کر درود فرمائے اندور ہوئے اور اول مرتبہ بھوپال میں تشریف لائے تو رئیسہ عالیہ کسی عذر خاص کی وجہ سے مطابق قاعدہ مجریہ ریاست ان کے استقبال کو نہ جاسکیں اور بجائے اپنے جناب نواب ولی عہد صاحبہ دام اقبالہا کو بھیج دیا۔ یہ امر صاحب موصوف کی طبع نازک پرگراں گذرا اور باعث ناخوشی ہوا..... اور باب

خبر و جیل نے ریزیڈنٹ صاحب کی اس ناراضی کو غنیمت سمجھ کر اس سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور والajah کے متعلق اتہامات لایعنی اور اخبار مخترع تراش کر بذریعہ عراقض جنرل صاحب موصوف کو پہنچانا شروع کئے صاحب موصوف ناخوش تو تھے ہی اسلئے بغیر ریاست سے دریافت کئے اور بلا ثبوت لئے وہ سب عراقض گورنمنٹ آف انڈیا کے پاس بھیجتے رہے مگر گورنمنٹ آف انڈیا نے اپنے دانشمند آئین حکمرانی کے مطابق کبھی ان پر توجہ نہیں کی اور کوئی اسٹیپ نہیں لیا (مآثر صدیقی حصہ سوم صفحہ ۱۲۸)

اس نواب صاحب کو بھی بھوپال اور اہل بھوپال کے ساتھ ایک خاص کد و کاوش اور نفرت و حقارت تھی جو ابتدا سے انتہا تک قائم رہی چنانچہ جا بجا اپنی تصانیف میں بھی نہایت سخت الفاظ میں اس کو ظاہر کیا ہے مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:-

”اب وطن میرا وہ شہر ہے جو اس آیت کا مصداق ہے سَأَرْيٰكُمْ ذٰلِاْ اَنْفَاسِقٰیْن

یہ وہ جگہ ہے جہاں علم مرجعاً ہے، عالم مردار سے زیادہ خوار رہتا ہے اہل معرفت و صلاح تو

یہاں شاید پہلے ہی سے پیدا نہیں ہوئے۔“ (ایقار المنن بالاقار المحن صفحہ ۱۴۰)

شکایتیں پیش ہوئیں جن کی ایکسپی سے بھی تائید ہوتی تھی اس مرتبہ خود نواب والا جاہ کے خاص آدمی بھی مخالف گروہ میں شامل تھے۔

۲۔ سرکار خلدکال کا جب عقدِ ثانی ہوا ہے تو سرکار عالیہ کی عمر ۱۳ سال کی تھی اور ان ہی کے دامانِ شفقت میں رہتی تھیں۔ شادی کے بعد بھی قریب ہی کے محل میں قیام تھا جس میں صرف ایک دیوار حائل تھی اُن کو اور نواب سلطان دولہا کو ان حالات و واقعات سے جو شہداء کے بعد

(بقیہ حاشیہ)

۲۵ ستمبر ۱۸۵۷ء میں اندور میں متعین ہوئے اور دو سال بعد ڈیڑھ سال کے لئے رخصت پر چلے گئے پھر آخر ۱۸۵۷ء میں آئے اور سوادو سال کے قریب رہے اگرچہ وہ ایک نہایت ذہین اور قابلِ انگلش مین تھے مگر اُن کے مزاج میں انتہائی ضد تھی اور ہندوستانی والیان ملک کے ساتھ سخت تعصب بھی رکھتے تھے، چنانچہ اس تعصب کا اندازہ اُن کے اُس لیکچر سے ہوتا ہے جو انھوں نے جون ۱۸۵۹ء میں ہندوستانی ریاستوں اور ان کے فرماں رواؤں کے متعلق لندن کے کانویل انسٹی ٹیوٹ میں دیا تھا یہ لیکچر والیانِ ریاست پر ایک شدید حملہ تھا اور اس حملہ کی شدت خصوصیت کے ساتھ مسلمان فرماں رواؤں پر زیادہ تھی اور بڑی بلند آہنگی کے ساتھ حیدر آباد، بھوپال اور بھادپور میں مسلمانوں کی پولیسک سازشوں کے وجود کا خطرہ ظاہر کر کے، اس کی سرکوبی میں تامل کرنے کو گورنمنٹ کی بزدلی سے تعبیر کیا تھا حیدر آباد اور مسلمانوں کے عام حملہ کے متعلق نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی (سابق فنانشل سکریٹری گورنمنٹ نظام و آئریری سکریٹری ایم۔ اے۔ اوکالج) نے اسی زمانہ میں نہایت قابلیت کے ساتھ جواب لکھ کر لندن کے کثیر الاشاعت میگزین "ٹائمز" میں شائع کرایا۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک بڑی حقیقت ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے پولیسکل ڈیپارٹمنٹ کا وہ حصہ جس کا تعلق والیان ملک سے ہے اس درجہ غیر آئینی ہے کہ جس کی کوئی انٹیرینٹ برطانیہ کے اتنے وسیع حکموں میں نہیں مل سکتی۔ اکثر و بیشتر سلطنت یا گورنمنٹ آف انڈیا اور والیان ملک کے تعلقات کی خوشگواہی ان کی عزت و شہرت اور مرتبہ و وقار کا قیام محض پولیسکل ایجنٹ، ریڈیٹنٹ اور ایجنٹ گورنر جنرل کی آرا و جذبات پر منحصر ہوتا ہے اور اس کی متعدد مثالیں بڑی سی بڑی اوجھوٹی سی چھوٹی ریاستوں میں پائی جاتی ہیں۔

۳۔ ان خاص آدمیوں کے متعلق خود نواب والا جاہ کہتے ہیں کہ :-

”جُن کے ساتھ میں نے طریقہ مروت و رعایت و قدردانی و اضافہ تنخواہ و ترقی عہدہ جات و انتظامات

سے اب تک پیش آئے کوئی تعلق نہ تھا البتہ نواب سلطان دولہا پر شادی سے قبل کسی مقصد کے لحاظ سے بعض سخت پابندیاں عائد کی گئی تھیں اور بعد شادی ۱۷۸۶ء میں ان پر اعتراضات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مثلاً گھوڑوں کی خرید و شکار کے لئے جیتوں کی پردریش و رزش وغیرہ کے لئے دو تین پہلوانوں کی ملازمت، والدہ اور بعض اعزائے قریب کا قیام، بلا منظور بی ما قبل دیہا جاگیر پر دانگی۔

یہ کل اعتراضات تھے جو مختلف اوقات میں وارد کئے گئے جن کا جواب نواب سلطان دولہ نے ہمیشہ نہایت ادب و انکسار اور معذرت کے ہی ساتھ پیش کیا اور تین چار سال کے اندر سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

۱۷۸۶ء تک سرکار عالیہ سے بھی کسی قسم کی کوئی شکایت نہ تھی اور نہ سرکار خلد رکاں اور نواب الہاجا کو کوئی وجہ ملال پیدا ہوئی تھی البتہ کبھی کبھی بعض معمولی اور جزئی باتیں ایسی ہو جاتی تھیں جن ناگواری کا باعث ہو سکتی تھیں مگر سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہ کے ضبط و تحمل سے ان کا کوئی اثر

(بقیہ جاستیہ)

کا برتاؤ کیا تھا ان میں سے ہر شخص نے بمقدار احسان و سلوک خیر کے عداوت و نکست پر کمر باندھی۔
 دکن اس فتنہ کا علاوہ متوسلان قدیم کے طرف سے ان لوگوں کے بھی برپا ہوا تھا جن کو میں نے
 حقیقت مذلت سے اوج عزت پر پہنچا دیا تھا اور عمر و کار گزار و شریف القوم و صاحب علم و ہنر سمجھے
 کہ اس جگہ کی خدمت پر مامور کیا تھا جن کو اب کسی جگہ کوئی جگہ نہیں ملتی ہے ان سے بمقابلہ مواسات
 کے یہ معادات ظاہر ہوئے۔ (البقاء المنین بالقار المحن صفحات ۱۰۲ و ۱۰۶)

اس حالت کے متعلق سرکار عالیہ لکھتی ہیں کہ :-

”زندگی مثل شاہی قیدیوں کے بنادی گئی ان کے گرد پہرہ تمام ہوا اور بغیر اجازت سیر و تفریح
 ممنوع کی گئی سیر و شکار بلکہ آزادی کی ہر رفتار میں روک ٹوک ہونے لگی۔“

ایک سال چار ماہ اسی طریق سے بسر ہو گئے۔ (تذکر سلطانی صفحہ ۸۴)

۵۵ ماخذ از نقشہ بھوپال آفرس ۱۲۔

نہ ہوتا البتہ اسی زمانہ میں محل کے حلقہ میں اس بات کا راز دارانہ چرچا ہونے لگا کہ سرکار خلد مکان اور نواب والا جاہ کا ارادہ ہے کہ بلقیس جہاں نگیم (مرحومہ) کی شادی سید علی حسن سے کی جائے اس اطلاع سے سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہا دونوں متردد ہو گئے تا آنکہ ایک مرتبہ خود سرکار خلد مکان نے سرکار عالیہ سے مبہم طور پر اپنا منشا ظاہر کیا اور سرکار عالیہ کو خاندانی و ملکی مصالح کے اعتبار سے انکار ہی کرنا پڑا۔ اسی دوران میں سرکار عالیہ کو ممانعت کی گئی کہ وہ اپنے ودھیالی اعتراف اور سوتیلے بھائیوں سے نہ ملیں جن پر کچھ الزامات بھی قائم کئے گئے۔

سرکار عالیہ نے جیسا کہ فطری محبت کا تقاضا ہونا چاہیئے اور ایسی صورت میں کہ اب دُنیائے سرکار خلد مکان کے بعد اُن سے زیادہ کوئی قریبی رشتہ دار نہ تھا ان الزامات کی توجید اور اُن پر سرکار خلد مکان کی خفگی کو معمولی خفگی سمجھا لیکن خاندان کی یہی معمولی باتیں نہایت اہم بنادی گئیں اور رفتہ رفتہ سرکار خلد مکان کے مزاج میں برہمی بڑھتی گئی مگر اس وقت تک تعلقات میں کوئی ایسی ناگواری پیدا نہ ہوئی تھی جو قابلِ لحاظ ہوتی تھی کہ آغاز ۱۸۸۳ء میں صاحبزادی بلقیس جہاں نگیم کی تقریب نشترہ میں سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہ کو سرکار خلد مکان نے خلعت عطا کئے اور نواب والا جاہ نے مردانہ جلسہ تقریب میں مراسم انجام دیئے اور نواب سلطان دولہا کو خلعت پہنایا۔

اس تقریب کے دو مہینے بعد مارچ ۱۸۸۴ء میں بمقام کلکتہ جو دربار عطا سے متعہ جات ہونے والا تھا اس میں سرکار خلد مکان مدعو کی گئیں اور سفر کی تیاریاں ہونے لگیں۔ تمام اراکین خاندان اور نواب سلطان دولہا بھی ہمراہیوں میں تھے لیکن معمول کے خلاف سرکار عالیہ کا نام فہرست میں نہ تھا۔

۱۸۸۵ء نواب صدیق حسن خاں کے چھوٹے صاحبزادے۔

۱۸۸۶ء اس واقعہ کے متعلق خود سرکار خلد مکان تحریر فرماتی ہیں :-

”مقدمہ شادی اولادِ خود وقتِ ذکر کے یہ کہا کہ کسی کی اولادِ کسی کا زور نہیں ہے حالانکہ سلطان دولہ نے اقرار نامہ میں صاف اختیار اولاد کا میسر ہاتھ میں دے دیا ہے جن مفید لوگوں سے ملنے کو منع کیا ان سے ملنا موقوف نہ کیا نہ اپنے سوتیلے بھائیوں سے راہ و رسم ترک کی بلکہ ان کی طرف اشارہ ہوئی۔ (بجوبال آفرین)

اور بظاہر کوئی وجہ بھی نہ تھی اس بنا پر سرکار عالیہ کو کچھ شکوک پیدا ہوئے اور انھوں نے جس طرح کہ ہمیشہ ایسے مواقع پر ساتھ جاتی تھیں اس موقع پر بھی ساتھ چلنے پر اصرار کیا دوسری طرف جب پولیٹیکل ایجنٹ نے فہرست میں سرکار عالیہ کا نام نہ دیکھا تو سرکار خلد مکاں کو توجہ دلائی اور بالآخر ہمراہ جانا متراپایا۔ لیکن روانگی سے قبل ہی اس بڑی ونا راضی میں غیر معمولی اضافہ محسوس ہونے لگا اور کلکتہ پہنچنے پر اصل واقعہ بھی معلوم ہو گیا۔

نواب والا جاہ ہر ممکن اعزاز کے متمنی تھے اور سرکار خلد مکاں اس تمنا کے حصول میں سعی ملین فرماتی تھیں۔

مختاری ریاست اور فرماں روائی کی قائم مقامی کی ناکام کوششوں کے بعد اب یہ کوشش تھی کہ سرکاری طور پر ولی عہد ریاست سے نواب صاحب کا مافوق مرتبہ قرار دیدیا جائے اور اس سفر میں یہی مقصد پیش ہند خاطر تھا چنانچہ اس مرتبہ ملاقات اول و ثانی کے چور و گرام فارن ڈیپارٹمنٹ سے مرتب ہو کر آئے ان میں معمولت تدیم کے خلاف نواب والا جاہ اور سرکار عالیہ کی ترتیب نشست کی صراحت تھی جس میں نواب صاحب کی کرسی کا نمبر مقدم تھا ملاقات اول کا پروگرام سرکار عالیہ کی نظر سے نہیں گذرا اور وہ جب رواج و معمول اپنے نمبر پر بیٹھ گئیں جو سرکار خلد مکاں کے بعد تھا لیکن جب ملاقات ثانی کا ان کے پاس پروگرام بھیجا گیا جس میں ترتیب نشست بھی تھی تو سرکار مختیر ہو گئیں اور انھوں نے سب سے پہلے خود نواب صدیق حسن خاں سے اس کی وجہ دریافت کی اور ان کی لاعلمی ظاہر کرنے پر ایک احتجاجی درخواست سرکار خلد مکاں کی خدمت میں پیش کی۔

اس وقت تک سرکار عالیہ کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہوئی تھی کہ جس پر کوئی حرف گیری ہو سکتی مگر کلکتہ کا یہ واقعہ سرکار خلد مکاں کی غیر معمولی ناراضی کا سبب بن گیا جس نے ایک نمایاں اور مستحکم

سرکار خلد مکاں نے ۱۹۴۷ء میں نواب والا جاہ بہادر کو اپنا قائم مقام بنا کر ہزاراں ہائینس کے استقبال اور شرکت دربار کے لئے بمبئی اور کلکتہ روانہ کرنا تجویز کیا لیکن اس لئے اس تجویز کو منظور نہیں کیا اور بذات خود کلکتہ آنے کا مشورہ دیا۔ (ماہر صدیقی حصہ دوم)

۲۷ تزک سلطانی صفحہ ۲۰۲ و بھوپال ایفرس۔

صورت اختیار کر لی۔

مراجعت کے بعد سرکار عالیہ سے معاشرتی تعلقات کا انتشار شروع ہوا، فترتی و سرکاری تحریروں میں رفتہ رفتہ لفظ ”ولی عہد“ حذف ہونے لگا اور جب سرکار عالیہ نے توجہ دلائی تو اظہار ناراضی کے ساتھ آئندہ جانشینی کے حقوق سے محرومی اور اختیارات تہنیت کرنے کی دھمکی دی گئی۔

سرکار عالیہ کی سالگرہ کی تقریب اور سلامی بند کر دی گئی اور جو اردلی روزانہ محل پر حاضر رہتی تھی، موقوف ہو گئی۔

ان کو بعض ایسے مطالبات کے داخل کرنے کا حکم دیا گیا جن میں کچھ کے جواز کی نسبت عذر تھا۔ اور کچھ کی نسبت حساب فجی کی استدعا تھی بند و بست جدید کے سلسلہ میں اضافہ بند و بست جاگیر داخل خزانہ ریاست کیا گیا اور وہ اضافہ سرکاری طور پر اس طرح وصول ہوا کہ اضافہ سے قبل کی آمدنی بھی سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہ کی ڈیوڑھی میں وصول نہ ہو سکا، بعض ملازمان ڈیوڑھی کے غلٹھ بپرا اعتراضات ہوئے اور عہدہ داران ریاست کی طرف سے ان کے بعض ملازموں پر مستدمات قائم کئے گئے۔

حکومت کی دایہ کی بعد ہی ”تاج الاقبال“ (تاریخ بھوپال) کا ایک حصہ مرتب ہو کر ”غزبال بھوپال“ کے نام سے طبع کیا گیا۔ یہ حصہ ایک بیان خانگی اور ذکر برتاؤ اولاد و اخوان ریاست اور واقعات سفر حکمت پر مشتمل تھا اور اس صفحہ اول پر سرکار خلد مکاں کے دستخط ثبت تھے اور مہر لگی ہوئی تھی۔ لیکن حقیقت یہ انتہائی توہین آمیز کتاب تھی جس کا مقصد بجز ممبران خاندان کی بدنامی کے اور کچھ نہ تھا جیسا کہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہے اور محض اس کے عواقب و نتائج سے محفوظ رہنے کے

۱۷ بھوپال افرس۔

۱۸ یہی وہ امور ہیں جن کے متعلق بہ اوقات مختلف ۱۷۹۹ء سے ۱۸۳۷ء تک سرکار عالیہ نے عذرات پیش کئے جن کو نافرمانی تصور کیا گیا اور بھوپال افرس میں ان ہی عذرات کا ایک گوشوارہ بطور ثبوت نافرمانی اور وجہ ناراضی شامل کیا گیا ہے۔

۱۹ بھوپال افرس۔

لے سرکار خلد مکان کے دستخط دھڑ سے اُن کو ذمہ دار بنادیا گیا تھا۔

۳۔ اب رقبہ حالات یہ تھی کہ دلی عہد ریاست کے متعلق نازیبا کارروائیوں کا سلسلہ جاری تھا اور پبلک کے ساتھ سختی اور بیزاری میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

سر لیبل گریفن پہلی ہی مرتبہ جب بھوپال آئے تو انھوں نے نواب والا جاہ سے سردھری اور نواب سلطان دوجا سے گرم چوٹی کا اظہار کیا اور سرکار عالیہ سے بھی اُن کے محل پر ملاقات کی۔ اس کے بعد انتظامات پر اعتراضات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور آخر الامر ہم معاملات میں دست اندازی کے ساتھ لاجب علی بنیٰ بے بغض معاویہ اُن معاملات میں بھی مداخلت کی جن کا تعلق سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہ سے تھا پھر محض ایجنٹ گورنر جنرل کے غیر محدود اور بے روک اختیارات کے زعم میں نواب والا جاہ کے ساتھ تہنک آمیز طرز عمل شروع کیا جو صریحاً اُن کے اعزاز کے منافی تھا اور جس سے صاف طور پر سرکار خلد مکان کی توہین نمایاں تھی۔

علاوہ بریں ان مبینہ و منسوب الزامات کے متعلق سرکار خلد مکان سے جو مراسلت ہوئی وہ نہایت تیز ہو گئی اور ایک فرماں روا خاتون کے حفظ مراتب کو بھی نظر انداز کر دیا گیا۔

غرض سر لیبل گریفن کی چار پانچ سال کی متواتر مداخلت اور درپور ٹوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کی منظوری سے نواب والا جاہ معزول اور امور ریاست میں صریح و غیر صریح مداخلت سے ممنوع کئے گئے اور اُن کے تمام اعزاز و خطابات مسترد ہوئے مگر جس شان کے ساتھ یہ معزولی ہوئی اس

۱۵ علی بنیٰ محبت میں نہیں، معاویہ کی عداوت میں ۱۲

۱۶ حسب ذیل الزامات ان پر قائم کئے گئے۔

(۱) رئیس عالیہ کو پردہ نشین بنا کر ”مدد ہیئہ“ کے نام سے تمام تر اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لینا۔

(۲) جاگیر کی ضبطی۔

(۳) سختی، بندوبست۔

(۴) نواب قدسیہ بیگم و رئیسہ عالیہ و نواب ولی عہد میں مخالفت پیدا کرنا۔

(دائرہ صدیقی حصہ سوم صفحہ ۱۳۰)

سے صاف طور پر ریاست کی قدیم روایات و فواداری اور سرکار خلد مکاں کے جذبات عالیہ کو صدمہ پہنچایا گیا انھوں نے ایوان شوکت محل میں بطور خود صرف زبانی اطلاع دینے کے بعد ایک دربار منعقد کیا جس میں تمام ارکان و عہدہ داران ریاست طلب ہوئے اور ان لوگوں کو جن کا سرکار خلد مکاں نے ایک عرصہ سے دربار بند کر دیا تھا اور جن سے وہ بے حد ناراض تھے ان کو اپنا چوہدرار بھیج کر مدعو کیا حتیٰ کہ خود سرکار خلد مکاں کو بھی وکیل دربار کے ذریعہ زبانی اطلاع دی گئی اور اس طرز عمل پر جب سرکار خلد مکاں نے اعتراضات کئے تو کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ عرب و عجمت اور اقتدار کا مظاہرہ کرنے کے لئے انگریزی فوج سوار و پیادہ طلب کی گئی جو محل کے اندر و باہر ہی نہیں بلکہ دربار ہال میں بھی ایستادہ کی گئی اور سرسپیل گریفن نے نہ صرف نواب والا جاہ سے جینیت ایک ملزم کے گفتگو کی اور ان کو معزولی کا حکم سنایا بلکہ سرکار خلد مکاں سے بھی حفظ مراتب کے خلاف تخاطب کیا گویا قاطبہ لارڈ ڈفرن نے بھوپال کی قدیم روایات کے احترام اور سرکار خلد مکاں کے وقار کو سرسپیل گریفن کے ہاتھوں میں چر کر دیا تھا۔

۴۔ واقعہ کلکتہ کے قبل باوجودیکہ سرکار خلد مکاں کے نام سے نواب والا جاہ کے حملے شروع ہو گئے تھے لیکن سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہ کے ضبط کی انتہاء تھی کہ انھوں نے کبھی کوئی ایسا طرز عمل اختیار نہیں کیا جو مخالفت پر تصور کیا جاسکے چنانچہ خود سرکار خلد مکاں نے اپنے خزیلہ مورخہ بیخیم اپریل، ۱۸۸۵ء میں سرسپیل گریفن کو لکھا تھا کہ:-

”میرے نکاح ثانی کو ۱۸ برس ہوئے ۱۲ برس تک ہم سب متفق تھے جس دن سے جناب تشریف لائے یعنی ۱۸۸۵ء سے تب سے بنیاد مخالفت مخفی طور پر چلی۔“

اس سے ظاہر ہے کہ ۱۸۸۵ء تک سرکار خلد مکاں کو کوئی شکایت نہ تھی جو کچھ شکایت شروع ہوئی وہ

۱۵۔ درحقیقت دست اندازی کے یہ واقعات جن کی تفصیل کے لئے تاریخ بھوپال کے صفحات زیادہ موزوں ہیں ریاست بھوپال ہی کے لئے نہیں بلکہ پولیسکس امور کے ذاتی بھجانات اور ان کے تحت میں سلطنت کے اقتدار و قوت کی نمائش کا نہایت ہی دل خواش افسانہ ہے۔

۱۵۱۸ء تا ۱۸۸۲ء

کلکتہ سے ہوئی جب کہ سرکار عالیہ نواب والا جاہ کے مقابلہ میں اپنی پوزیشن کی حفاظت کے لئے مجبور ہو گئیں۔

اس انستراع خطاب کے بعد تو پورے طور پر سرکار خلد مکاں کو یقین دلایا گیا کہ جو کچھ ماجرہ گذرا وہ سرکار عالیہ اور نواب سلطان دودھ ماہی کی مخالفت و تحریک کا نتیجہ ہے اور سرلیبل گریفن اور سرٹکنکینڈ پولٹیکل ایجنٹ نے ان ہی کی طرف ذمہ داری میں یہ سب کچھ کیا ہے اس الزام کی اطلاع ہوتے ہی جب سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہ نے نہایت زوردار طریقہ سے اپنی بے تصوری اور ان معاملات سے بے تعلقی کا اظہار کیا تو سرکار خلد مکاں نے خود یہ قرار دیا کہ دونوں اس کارروائی سے اپنی بے تعلقی کا حلف کریں اور ان کی تائید میں کرنل وارڈ (وزیر ریاست) سرلیبل گریفن اور کرنل کنکینڈ ٹائبل ہاٹھ میں لے کر قسم کھائیں سرکار عالیہ بڑی خوشی سے آمادہ ہو گئیں۔ لیکن چونکہ یہ صفائی و مصالحت ان اشخاص کے مقاصد کے لئے نقصان رساں تھی جن کے فوائد اس کشیدگی و رنجش کے قیام و دوام سے وابستہ تھے اس لئے انھوں نے سرکار خلد مکاں کو اسی قرار داد پر مستقل نہ رہنے دیا بلکہ ان مختلف پائٹیوں نے جو سرکار خلد مکاں کے گرد محیط تھیں اپنی تمام تر کوششیں اس نقطہ پر مرکوز رکھیں کہ ہمیشہ اس جہمی و ناراضی میں اضافہ ہوتا رہے جب کبھی صلح و صفائی یا سرکار خلد مکاں کے جذبات محبت و شفقت کے اظہار کا موقع آتا اس وقت ایسی کارروائیاں کی جاتیں کہ وہ موقع نکل جاتا اور جذبات سرد پڑ جاتے۔

۵۔ ان افکار و آلام کے ساتھ سرکار عالیہ کو سب سے زیادہ تردد و نواب والا جاہ کے اس ارادے کی تکمیل کا تھا جو صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم کی ذات اور ان کی آئندہ زندگی کے متعلق وہ ابتدا سے کرچکے تھے جس میں سرکار خلد مکاں بھی اُن سے متفق اور اُن کی معین تھیں، اور دل سے اُن کے لڑکے کے ساتھ اس رشتہ کو چاہتی تھیں۔ ساتھ ہی رفتہ رفتہ صاحبزادی کا والدین کے پاس آنا جانا کم ہونے لگا اور ہفتے گزر جاتے تھے کہ صورت دیکھنی نصیب نہ ہوتی تھی اور جب آتی بھی تھیں تو دہلی کی چپند ہوشیا ر عورتیں ساتھ ہوتیں جو ایک لمحہ کے لئے تہانہ چھوڑتیں۔

اور اس وقت شروعاً دعوائے معاملہ خاص میں سہارا کوئی حقِ مخالفت والکار نہ ہوگا۔

ہنوز معاملہ پر غور ہی کر رہی تھیں اور کسی نتیجہ پر نہ پہنچی تھیں کہ صاحبزادی صاحبہ سخت بیمار ہو گئیں لیکن والدہ بزرگوار جاکر دیکھنا تو نا ممکن تھا کوئی معتمد یا خاص آدمی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مرض سے کسی قدر اتر

ہونے کے بعد ایک دن جب وہ سرکارِ عالیہ کے پاس آئیں تو مہرِ مادی کے تقاضے اور اس ترددِ اطمینان حاصل کرنے کی غرض سے قطعی فیصلہ کر لیا کہ اب ان کو واپس نہ جانے دیا جائے بلکہ

سرکارِ عالیہ کی حالت انھیں کے الفاظ میں یہ تھی کہ :-

”صاحبزادی صاحبہ کو میں نے منسلک کر رکھا تو لیا لیکن ان خیالات سے کہ یہ سرکار سے جدا اور سرکار ان سے جدا ہیں، ان کے دلوں کی کیا کیفیت ہوگی؟ میں دُہرے صدمہ میں گرفتار ہو گئی کبھی والد ماجدہ کے رنج کا خیال ہوتا تھا کبھی بلیٹس جہاں تکم کو کھجتی تھی کہ کیا حالت ہے۔ روزانہ سرکار کی بے تابی کی خبر سن کر میں گھلی جاتی تھی لیکن مجبور تھی اور اس دُہرے صدمہ کو برداشت کرتی تھی کیونکہ آئندہ جن واقعات کے ظہور پذیر ہونے کا خیال تھا ان کے پُر خوف نتائج کے باعث مجھ میں ان دل شکن صدمات اٹھانے کی طاقت پیدا ہو گئی۔“

بلاشبہ سرکارِ غلہ رکاں بہت بے چین تھیں اور آمادہ ہو گئی تھیں کہ خود تشریف لاکر صاحبزادی کو لے آئیں لیکن چونکہ یہ تشریف آوری قدرتی طور پر دلی صفائی کی تہدید بھی ہو جاتی اس لئے مختلف حیلوں سے ارادہ فسخ کرا دیا گیا اور کرنل وارڈ وزیر ریاست کو حکم دیا گیا کہ جس طرح ممکن ہو صاحبزادی کو لے آئیں، اور بشرطِ ضرورت فوجی طاقت بھی استعمال کی جائے مگر وزیر ریاست کی دانائی نے

اس حد تک نوبت نہ پہنچنے دی اور انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر صلح و صفائی کی کوشش کی جس میں ان کو اس حد تک کامیابی ہوئی کہ سرکار خلدیہاں کی مرضی کے مطابق قرار پایا کہ سودہ مرتب ہوا لیکن بہنوڑ صاحبزادی صاحبہ کے قیام کا مسئلہ زیر بحث تھا انڈیل کی نوبت نہ آنے پائی تھی کہ وہ پھر بیمار ہو گئیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں مرض نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔

صاحبزادی صاحبہ کے اس زمانہ غلالت میں دو تین موقعے صفائی کے آئے ایک مرتبہ سرکار عالیہ تاج محل گئیں کہ سرکار خلدیہاں سے مریضہ کی حالت عرض کریں اور عاجزی کر کے ان کو لے آئیں لیکن کچھ ایسے حیلہ کئے گئے کہ ان کی غلالت کی خطرناک حالت کا یقین ہی نہ آنے دیا۔
۴۔ غرض وہ گرجہ جو ۱۸۸۷ء سے پڑ گئی تھی آخر وقت تک نہ کھلی، اس کے متعلق سرکار عالیہ تحریر فرماتی ہیں :-

”جن اشخاص نے جنس انٹ کی فطرت کا تجربہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ شریف عورتوں کی طبیعتوں میں جہاں رحم و رحمت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے وہاں ضد و عناد پروری اور غیرت کا عنصر بھی کچھ کم نہیں ہوتا اور یہ سب حالتیں سرکار خلدیہاں میں غیر معمولی طور پر مجتمع ہو گئی تھیں۔“

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اعتماد حاصل ہوتے ہی اپنی طبیعت کا رنگ ظاہر کرنا شروع کر دیا سرکار خلدیہاں نے پہلے کچھ باتوں کو معمولی اور خفیف سمجھ کر توجہ نہ کی جب زیادتی ہوتی گئی اور انہوں نے اس پر توجہ کی اندامانہ ہوئیں تو نواب صدیق حسن خاں نے طلاق کی دہکی دینی اختیار

۱۔ صاحبزادی صاحبہ نے ایک ماہ کلیفات مرض اٹھا کر بیچ انسانی مسئلہ مطابق ۱۸۸۷ء میں انتقال کیا۔
۲۔ نواب صاحب نے بھی ان باتوں کو دوسرے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ :-

(۱) یہاں تک کہ زمانہ ناخوشی میں میں نے ان (سرکار خلدیہاں) کی خوشی کے لئے اپنا علیحدہ ہونا منظور کر لیا (صفحہ ۳۳ و صایا)
(۲) اور جب کبھی ناخوشی آپ کی نسبت اپنے سجھی اور معلوم کیا کہ میں بار خاطر ہوں نہ یا رشتہ اطوار اس وقت اظہار اپنی علیحدگی کا خوشی خاطر خود کر دیا تاکہ کل علی ہو کا نہ بنوں، لیکن آپ نے جبکہ باوجود میری اصرار و تکرار و اظہار کے جفا نہیں کیا۔ (وصایا صفحہ ۷۶)

(۳) میں نے امانت و دیانت و عفاف و اخلاق کو اپنا شعار و شمار کیا جس طرح کہ اس کردار کا ہر مومن دیندار مسلم

کی یہ ایک بجلی تھی جو سرکار خلد مکان کے تمام اقتدارات و اختیارات پر گری اور خاندانی عزت و شرف نے روحانی صدمات اور دینی تکلیفات کو بمقابلہ اس صدمہ کے جو نواب صدیق حسن خاں صاحب کی بجلی سے ہوتا تھا برداشت کیا مگر اسی کے ساتھ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اس عنصر کو جو شفقت نادرانہ کا ہوتا ہے مٹانے کی بھی کوشش رکھی اور ہر ایک تدبیر جو ممکن تھی وہ کی مجھ کو ان کی نظر میں نہ صرف مخالف ہی بنایا بلکہ دشمن جان و آبرو ثابت کیا مگر پھر بھی ماں کی محبت بعض نزوات ان تمام مشرکوں پر غالب آجاتی اور سرکار خلد مکان مضطرب ہو جاتیں، لیکن غیرت کا خیال اور نواب صدیق حسن خاں کی دیکھی اس کو پامال کر دیتی۔ اس کے علاوہ ان کے چاروں طرف ایسے لوگوں کا مجمع رہتا تھا جو ہمارے خلاف ہر وقت کوئی نہ کوئی تازہ بات کہتے رہتے ہم پر قہر کی تہمتیں تراشا کرتے تھے سرکار خلد مکان فیاض تھیں اور چونکہ اکثر عورتوں کی فیاضی اولاد و اعزہ کی تقریبات پر زیادہ ظاہر ہوتی ہے اسلئے سرکار خلد مکان بھی تقریبات کی شروع ہی سے دلدادہ تھیں اس ولولہ کو وہ ہمارے اور ہماری اولاد کے ساتھ تو نکال نہیں سکتی تھیں لہذا کبھی میاں قدر محمد خاں کی بسم اللہ اور کبھی انھیں کی جناب منسوب کر کے وہ دوسری تقریبات کرتیں جن کو وہ بجائے میرے اور صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم کے سمجھتی تھیں اور کبھی صفیہ بیگم، نور الحسن خاں، وعلی حسن خاں، اور ان کے بچوں کی تقریبات فرماتیں (جو نواب صدیق حسن خاں کی اولاد تھی) مگر جیسا کہ صحیح اور بالکل صحیح ذرائع سے معلوم ہوا ہے وہ ان تقریبات میں بجائے خوش و خرم ہونے کے مغموم اور آبدیدہ ہو کر ہمیشہ فرماتیں کہ ”اؤں سے یہاں نہیں بچتی“۔

بقیہ حاشیہ

پرہیزگار پر واجب ہے فعل میرا جس طرح خاطر اہل بیت پر ناگوار ہوا اسی طرح رعایا و بایا پر بھی ثقیل ٹھہرا اگر میں حرامکار متکار، دغا باز، چالاک، سفہ، خائن، خود غرض، بندہ دنیا ہوتا تو سب کے نزدیک مقبول ٹھہرتا اور ہر ولعزیز ہوتا کیونکہ میں یہ بات دیکھتا ہوں کہ جو اخوان و اہل کان بعدنات مذکورہ متصف ہیں وہ مجھ سے بمراتب زیادہ عزیز و کامیاب ہیں جو پاس خاطر ان کا ہے وہ میرا نہیں ہے اور جو قدر ان کی ہے وہ میری نہیں ہے (البقاء الحسن بالقاء الحسن صفحہ ۱۳۰)

نواب جہانگیر محمد خاں کے پردہ پوتے اور سرکار خلد مکان کے بھتیجے کے صاحبزادے تھے۔

نواب جہانگیر صفیہ بیگم کی شادی میں سرکار خلد مکان نے ایک لاکھ روپیہ صرف کیا۔ (صفحہ ۸۳ و صلیا)

غرض اسی طرح سرکار غلام کاں کے لئے بہت سے اسباب پیدا کر دیئے تھے کہ جن میں ان کا دل بہلتا اور ہم لوگوں کو فراموش اور بھلانے کا موقع ہاتھ آتا تو اب صدیق حسن خاں صاحب نے باوجود اپنے آپ کو متشرع ظاہر کرنے اور ادعا کے تقویٰ کے اپنی اولاد کے لئے ان تمام رسوم کو جائز رکھا تھا جس سے نفع ہوتا، اور روپیہ کھیتا جو تقریبات کہ ابتدائے زمانہ میں ہمارے لئے خلاف شرع تھیں اب اس زمانہ میں اپنے لئے عین سنت و فرض کر دیں خیر نہ مجھے اس پر شک ہوتا تھا اور نہ رنج کیونکہ میں جانتی تھی کہ یہ تمام امور غم کے بہلانے اور خوش کرنے کا موجب ہیں اور میں خوش ہوتی تھی کہ سرکار خوش ہیں۔ اور اس طرح وہ میرے غم کو اور مجھ کو بہلا رہی ہیں۔

چونکہ عین بہتر مرگ پر مجھ سے نہ ملنے کا نواب صدیق حسن خاں صاحب نے عہد لیا تھا اس لئے وہ اور بھی مجھ کو بخش جب ان کا انتقال ہو گیا تو دوسرے لوگوں نے کشیدگی کا دستور قائم رکھنا اپنا مقصد عظیم قرار دیا ہر دم اور ہر دقت ہماری طرف سے کدورت پیدا کرنا اور اشتعال دلانا وہ لوگ اپنا ذریعہ نیابت و غرور عظیم کا سبب جانتے تھے درحقیقت اگر وہ لوگ ایسا نہ کرتے تو اصلی واقعات سرکار پر کھل جاتے اور جو پردہ حائل تھا اٹھ جاتا جس سے مفیدین کو نقصان پہنچتا اور ساری امیدیں خاک میں مل جاتیں اور جو فائدہ ہو رہا تھا مسدود ہو جاتا۔

۱۔ اگر کذب و خیانت و زور سے کام لیتا تو آج وہ بھی مجھ سے بہ نسبت اس حالت موجودہ کے زیادہ تر خوش رہتیں کیونکہ مزاج مستورات کا دروغ پسند فریب دوست ہوتا ہے چنانچہ جن لوگوں نے خیانت کی اور خرواہی کے پردہ میں خواہی کا کام کیا اور ہزار بن کر درمخاطر خرد برد کر لیا وہی لوگ اب تک زیادہ تر ملتفت الیہ و معتمد الیہ ہیں اور جس نے حق بات نا صحابہ کہی اور سچی دلسوزی سے پیش آیا وہی دشمن ٹھہرا و کان ذالک فی الکتاب مسطور مجھ کو باستثنائے شرک و کباب بہت سے کدوہات و صفات دنیاوی میں بوجہ اس قرابت کے ہمراہ کراہت طبیعت کے شریک ہونا پڑا اسلئے کہ مستورات کو پابندی اپنے مراسم کی جملہ امور پر مقدم ہوتی ہے اگر کوئی شخص ان کے کھیل تماشے میں شریک نہ ہو تو وہ ان پر بھاری ہوتا ہے اور بڑا غمناک ان کے وہی ہے جو ان کے ہر فعل مکر وہ کو مدد و ٹھہرائے میں ہرگز احتمال ان انتقال کا نہ کرتا اگر ملازم محض ہوتا۔ یا ہم رتبہ زوج ٹھہرتا لیکن ناگہاں ایسے جال میں پھنس گیا کہ رہائی میرے اختیار سے باہر تھی۔ ذالک تقدیر العزیز العلیم۔ (ابکار المسنن صفحہ ۱۲۹)

میری ذاتِ خاص کے خلاف نواب صدیق حسن خاں صاحب کے مرنے کے بعد تو لوگوں کو کہنے
 سُننے کی ذرا اجازت کم ہو گئی تھی لیکن نواب احتشام الملک بہادر کے خلاف نہایت بے باکی سے اہتمام
 بیان کئے جاتے اور ان پر زیادہ برا بیعتگی کا سامان ہمایا جاتا اور وہ ہر وقت کی طمع کاری سے چپکایا جاتا تھا
 ان وجوہ پر غور کرنے کے بعد میں اپنی نسبت سرکارِ خلدِ مکاں کی بے مہری کا شکوہ کرنا انصاف سے بعید جانتی
 ہوں اور یہ سمجھتی ہوں کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ مقتضائے بشریت تھا اور اسلئے وہ ایسے الزام سے
 پاک تھیں۔ جو ان کے دامنِ خیال کو غبارِ کلمہ سے آلودہ کرے۔ میرے دل میں جو خیالاتِ محبت
 روزِ ولادت سے خداوندِ کریم نے پیدا کر رکھے تھے وہ روز بروز نشوونما پاتے رہے اور اس
 وقت تک قائم و موجود ہیں گو میں ان کے وجود سے اب محبت نہیں کر سکتی لیکن ان کی روح سے محبت
 کرتی ہوں اور اس کا ادب میرے لئے باعثِ رضا ہے الہی ہے میں ان کی مغفرت کی دعا کرتی ہوں
 اور اس امید پر خوش ہوں کہ اگرچہ اس فانی اور دُنیاوی زندگی کا بڑا حصہ رنج میں گذرا اور عجیب
 جہرِ مادی کی مسرت سے محروم رہی لیکن اس ابدی اور روحانی زندگی میں میری عزیز ماں کا دہریا طفت
 صرف میرے ہی لئے ہو گا اور بجائے خشتِ وگل کے محلات میں پاس رہنے کے ریاضِ جہاں میں
 ان کے ساتھ رہوں گی اور خدا کے تحتِ جلال کے ردِ ہر و ظالم و بد باطن اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔
 فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعِزُّهُمْ مُعِزٌّ وَلَا هُمْ يَسْتَعِينُونَ ۝ -



دورِ فرماں روائی

فرماں روائی کا پہلا دن | اگرچہ سرکارِ خلد رکاں کی جلت کے بعد فوراً ہی سرکارِ عالیہ ریس

فرماں روائی کا پہلا دن | فرماں روائی کا پہلا دن ۲۹ صفر ۱۳۱۹ھ (۱۷ جون ۱۹۰۱ء) سرکارِ عالیہ کے دورِ فرماں روائی کی پہلی تاریخ تھی علی الصبح نمازِ فجر ادا کر کے اپنی والدہ ماجدہ کیلئے دُعائے مغفرت مانگی اور وضو و خشوع کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں التجائی کہ :-

اے حکم الحاکمین اس بڑے فرض کے ادا کرنے کی توفیق دے جس کا بار تو نے اپنے فضلِ کرم سے میرے شانوں پر رکھا ہے۔

ان دعاؤں سے فارغ ہو کر ضروری کاغذات پر دستخط فرمائے اور پندرہ دن تک امورِ مہتمات پر غور کر کے عبورِ حاصل کیا۔

سب سے پہلے کاغذاتِ داخل باقی ملاحظہ کئے جن سے معلوم ہوا کہ سالِ تمام کی کل آمدنی اٹھارہ لاکھ رہ گئی ہے۔ دو لاکھ روپیہ ماہانہ صرفہ مشاہرات ہے۔ خزانہ میں صرف چالیس ہزار روپیہ اور تقسیم مشاہرات میں دس بارہ دن کا عرصہ باقی ہے۔

سرکارِ عالیہ نے اس وقت تو خزانہ کو دیورھی سے خزانہ ریاست کو قرض دے کر یہ تمغہ کرا دی اور آئندہ کے لئے ضروری انتظامات کر لئے گئے۔

دورِ بارِ صدارت | دو ہفتہ بعد ۱۷ - ربیع الاول ۱۳۱۹ھ (۴ - جولائی ۱۹۰۱ء) کو ایوانِ صدر

منزل میں رسمی دربارِ صدارت منعقد ہوا پہلے ہزار کیلنسی و لیسرا کے ہند کا خریطہ سنایا گیا اس کے بعد ایجنٹ گورنر جنرل نے تقریر کی جس میں سرکارِ عالیہ کی ذاتِ مبارک سے یہ امید وابستہ کی تھی کہ :-

اسی محل سرکارِ عالیہ نے زبانِ ولیعہدی میں تعمیر کرایا تھا۔

اسی اصل تقریر انگریزی میں تھی جس کا میرٹھی رزیدنسی نے اردو ترجمہ سنایا۔



سرکار عالیہ سندھ ۱۹۰۱ء میں

”آج آپ اپنے بزرگوں کی مسند نشین ہوئی ہیں گو مجھ کو امید نہیں ہے کہ آپ کو داؤد شجاعت نمایاں کرنے کے اس قسم کے مواقع دستیاب ہو سکیں جیسے کہ آپ کے متقدمین سے بعض کو ملے ہیں۔ یعنی وزیر مختار کی طرح شہرِ پناہ بھوپال سے باغیوں کی یو ریش کو فرو کرنا یا شہرِ زماں اپنی نانی نواب سکندر گیم صاحبہ کی طرح خود لشکر کا ساتھ دینا جیسا کہ مسعود کے عظیم میں انہوں نے کیا تاہم ریاست کی حکمرانی میں بھی آپ کو ایک وسیع میدان: ان: نیک: اصاف کے کام میں لانے کا دستیاب ہو گا جو میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کو آپ کے متقدمین سے ملے ہیں۔

گزشتہ سالوں میں قحط اور وبا سے آپ کی ریاست کو سخت صدمہ پہنچا ہے اور حال کی مر دم شماری کے مطابق اس ریاست کی آبادی میں سے تقریباً ۲۰ فیصدی چلے گئے ہیں اور زمین مرزومہ تقریباً ایک ثلث غیر آباد ہو گئی ہے اگر درحقیقت یہ اندازہ درست ہے تو اس میں کلام نہیں کہ بخلہ اور مشکلات کے یہ بھی ضروری ہے کہ ریاست کی آمدنی میں بہت کچھ نقصان ہوا ہے یہ آپ کا حصہ ہو گا کہ مدیرانہ تدابیر سے اس آبادی کو پورا کر کے ریاست کے محاصل کو درست کریں۔

گو رنٹ عالمیہ اور ریاست کے باہمی تعلقات کی بابت فرماں روا کے بھوپال کے روبرو زیادہ ضرورت گفتگو کی نہیں معلوم ہوتی جس دن سے گو رنٹ ہند کے تعلقات سنٹرل انڈیا کے روسا کے ساتھ شروع ہوئے اسی دن سے روسا بھوپال خلوص دل اور عقیدت سے اپنے عہد و پیمان پر ثابت قدم رہنے کے واسطے شہر رہے اور مجھ کو کامل اعتماد ہے کہ آپ بھی حُسن عقیدت اور وفاداری کے اس بلند پایہ شہرہ کو جو آپ کے بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے خود بے داغ قائم رکھ کر اپنے متاخرین کے واسطے اسی حالت میں ودیعت کریں گی۔

میں آپ کو آپ کی مسند نشینی پر عین خلوص دل سے گو رنٹ ہند کی طرف سے اور تمام سیم صاحبات و انگریز صاحبان موجودہ و دربار کی طرف سے اور خود اپنی طرف سے مبارک باد کہتا ہوں اور ہم سبھوں کی عین تمنا ہے کہ انشاء اللہ آپ آئندہ کامیاب اور اقبال مند رہیں ہوں خدا کرے قدسیہ گیم صاحبہ کی طسرح آپ عمر دراز پادیں اور شہرت و اقبال مندی میں نواب سکندر گیم صاحبہ و نواب جیاب گیم صاحبہ کی آپ ہم پایہ ہوں۔“

اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد سرکار عالیہ نے جوابی تقریر فرمائی جس میں پہلے اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کا رنج و افسوس تھا بعد ملکہ معظمہ قیصر ہند کی ممنونیت اور انریبل ممبر میڈ ایجنٹ گورنر جنرل کا شکریہ تھا پھر ریاست کی سقیم حالت کا سرسری تذکرہ کر کے برٹش گورنمنٹ کی وفاداری اور رعایا کی بہبود و فلاح میں ثابت قدم رہنے کی خداوند کریم سے امداد و اعانت کی دعا تھی۔

ایجنٹ گورنر جنرل نے اپنی مذکورہ بالا تقریر میں گورنمنٹ کی طرف
نواب سلطان دولہ کا خطاب سے نواب سلطان دولہ بہادر کے خطاب احتشام الملک
 عالی جاہ کا بھی اعلان کیا۔

اس وقت ریاست کی جو سقیم حالت تھی اس کا اندازہ ممبر میڈ کی تقریر کے
ریاست کی حالت ساتھ سرکار عالیہ کی تقریر کے ان جملوں کو ملا کر کرنا چاہیئے کہ:-

”مالی حالت ریاست کی بوجہ چند و چند نہایت قابل توجہ ہے اور رعایا میں افلاس و نادہندی سراپت کر گئی ہے اگرچہ اس میں مجھے بہت ہی مشکلات کا سامنا ہو گا کیونکہ افتادہ زمینوں کا از سر نو آباد ہونا خصوصاً ایسی حالت میں کہ تقریباً ایک ثلث مردم شمار گھٹ گئی ہو بالضرور ایک اہم کام ہے مگر جس حکم الحاکمین نے اپنے ملک اور اپنی مخلوق کی حفاظت میں سرسپردگی ہے مجھے امید ہے کہ وہ ہر کام میں میرے معین ہو گا۔“

ہنوز سرکار عالیہ اپنے مشیر معتبر نواب کنسرت کی امداد کے
نواب احتشام الملک کی حلت ساتھ ہمتا امور کے مبادیات ہی میں مصروف تھیں کہ
 خداوند جل و علی نے ان کی ایک سخت آزمائش کی یعنی صدر آرائی کے ساتویں مہینے ۲۳۔ رمضان
 المبارک ۱۲۹۷ھ (۱۹۱۵ء) کو بارہ بجے شب کے بعد نواب احتشام الملک کا حرکت قلب
 بند ہو جانے سے دفعۃً انتقال ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ سرکار عالیہ کے دل و دماغ پر اس حادثہ روح فرسا کا کس قدر شدید اثر ہوا ہو گا۔
 لیکن مشیت ایزدی اور تقدیر الہی ہی تھی انھوں نے صبر جمیل کیا اور زمانہ عدت میں بھی بکثور مصروف
 ہمتا ریاست رہیں۔

وزیر ریاست کا استعفا اور اصول وزارت میں تبدیلی | چند ہی دن بعد مولوی عبدالجبار خاں صاحب

سی، آئی، اسی۔ وزیر ریاست کچھ تو بوجہ ضعیف العمری اور اصولی و انتظامی اختلاف رائے اور کچھ اس سبب سے کہ ان کے آزادانہ اختیارات میں جو سرکار خلد مکان کے زمانہ سے حاصل تھے اب وہ پیدا ہو گئی تھی مستعفی ہو گئے۔

لیکن ان مشکلات نے سرکار عالیہ کی بہت کو ادراک کر دیا اور چونکہ خدا کی مرضی یہ تھی کہ وہ اپنی اصلاحات اور ان کے نتائج میں بغیر کسی سہیم و شریک اور عین و مددگار کے شہرت و دوام حاصل کریں اسلئے ابتدائی دنوں میں ہی ایسے نازک مرحلے پیش آئے سرکار عالیہ نے اس موقع پر خیال کیا کہ خود ایک عرصہ تک بغیر کسی معاونت کے کام کریں اور آئندہ کے لئے اصول وزارت میں تبدیلی کی جائے ان کا خیال مبارک تھا کہ ”تہنہ کام کرنے سے اس وقت آسائش جاتی رہے گی اور تکلیف بڑھ جائیگی لیکن تمام معاملات میں ذاتی واقفیت بڑھ جائیگی“

اس خیال کو پیش نظر رکھ کر تقریباً ڈیڑھ سال تک بذات شاہانہ کام کر کے ریاست کے ہر جزو کل پر تمام و کمال حاوی ہو گئیں۔ پھر بجائے ایک وزیر کے دو اعلیٰ اہمہ دار معین المہام، اونیضیر المہام مقرر کر کے امور مفوضہ وزارت کو تقسیم فرمادیا اس کے بعد اصلاحات کے اجرا کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

ملک محروس کے دورے اور ان کے نتائج | چونکہ اصلاحات ملکی میں رائج کے لئے رعایا کی تمام حالتوں کا ذاتی علم سب سے اہم اور ضروری ہے اس بنا پر سرکار عالیہ نے اپنے اصلاحی پروگرام میں ملک محروس کے دورے کو مقدم رکھا اور سال سوم صدر نشینی میں ہی پہلا دورہ فرمایا اور پھر تقریباً مسلسل طور پر متعدد مرتبہ دورے کر کے کل ملک محروس کی حالت کا بذات خاص مشاہدہ کیا۔

رعایا کی سہولت کے خیال سے دورہ کے قبل رسد و بیکار وغیرہ کے متعلق خاص احکام جاری فرمادیئے اور ان کی تعمیل کی سخت نگرانی کی گئی۔

عام طور پر سرکاری دوروں میں رعایا کو کچھ نہ کچھ شکایت پیدا ہی ہو جاتی ہے لیکن یہ دورے اس قدر مختصر اور سادہ ہوتے کہ کسی کو تکلیف و شکایت کی نوبت نہ آتی۔

ان دوروں میں نہایت نتیجہ خیز اور دلچسپ نظارہ اس وقت ہوتا جبکہ دیہات کی عورتیں سرکار عالیہ کا استقبال کرتیں اور کیمپ میں باریاب کی جاتیں اس کے متعلق سرکار عالیہ نے گوہر اقبال

میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

”میں نے اپنے دوروں میں یہ بھی التزام رکھا تھا کہ مستاجر اور کاشتکاروں کی عورتوں سے بے تکلفاً ملاقات کروں کیونکہ علاوہ اس کے کہ مجھے صحیح صحیح حالات کا ان سے علم حاصل ہو ان کو مجھ سے باتیں کرنے اور ملنے میں ایک خاص خوشی ہوگی جس گاؤں سے میری سواری کا گذر ہوتا تھا بوق بوق عورتیں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو گود میں لئے ہوئے رگڑ رپڑ اپنے رواج کے مطابق پانی کا برتن لے کر جس کو وہ اپنے راجہ کے لئے عمدہ فال سمجھتی ہیں (کھڑی ہو جاتیں۔

جس وقت سواری قریب آتی تو وہ خوشی کے گیتوں میں خیر مقدم کرتیں۔ ان کو اس طریقہ پر انعام دیا جاتا کہ ان کے ”کلس“ میں روپے ڈالے جاتے اس کے علاوہ میرے کیمپ میں یہ ایک قوت بھی عجب قابل دید ہوتا تھا کہ جب دیہاتی عورتیں مسرت اور جوش کے ساتھ گاتی تھیں اور انعام پا کر خوش ہوتی تھیں اور فی الحقیقت میرے دورہ کی بڑی غرض رعایا کو خوش کرنا اور ان کا درد دکھ سننا ہوتا ہے اور یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے رعایا میں محبت کا فیضان پیدا ہوتا ہے مجھے ہی اس وقت کچھ کم خوشی نہیں ہوتی تھی جب میں اپنے خاص خیموں میں ان لوگوں کو اس طرح شادان و فرحان دیکھتی تھی اور اس طریقہ سے مجھے اس قدر محنت کے بعد نہایت آرام ملتا اور دماغ کو راحت حاصل ہوتی اکثر عورتیں بالکل نڈر ہو کر اپنے صحیح حالات بیان کرتیں اور مصیبتیں سناتیں جن سے صحیح صحیح واقعات کا پتہ چلتا اور نیز عورتوں اور بچوں کے اس طرح جمع ہونے سے مجھ کو ان لوگوں کے افلاس و خوشحالی کا بھی اندازہ ہو جاتا۔ غرض دوپہر کے کھانے کے بعد اکثر قبیلہ کا وقت اپنی ہم جنس رعایا کے ساتھ اس بے تکلفی میں گزرتا۔“

یہ دورے نہایت نتیجہ خیز ہوئے اور حقیقت یہ ہے کہ سرکارِ عالیہ کی اصلاحات ملکی کے لئے گویا زمین تیار ہو گئی۔

پہلے دورے کے بعد تحریر فرماتی ہیں :-

”دورہ کے قبل جس قدر ضرورت مجھے دورہ کی معلوم ہوتی تھی اب اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی، ہر چیز قابل اصلاح معلوم ہونے لگی اور یہ اندازہ ہو گیا کہ مفصلات کے ہی ہر صیغہ پر مجھے بذاتِ خاص کامل توجہ کی ضرورت ہے۔“

معائنہ سے جو حالات معلوم ہو سکے اور تحقیقاتوں سے جو نتائج میرے سامنے پیش ہوئے ان کے لحاظ سے جو انتظامات عمل میں آئے وہ نہایت مفید ثابت ہوئے اور ان پر رعایا کو اطمینان ہو گیا اور ان کی تکلیفیں کم ہو گئیں اور یہی میرے دورہ کی رحمتیں اٹھانے کا معاوضہ تھا۔

انتظامات و اصلاحات ملکی

یہ ایک حقیقت ہے کہ مالیہ حکومت کی بہتری کا انحصار ہمیشہ مزارعین اور سرمایہ زرعی کی اچھی حالت اور تردد آبادی اور مالگنداری کے عمدہ انتظام پر ہوتا ہے اور یہ بہتری عموماً بندوبست کی خوبی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

اس وقت یہ حالت تھی کہ پے درپے قحط سالیوں کی چکی تھیں کاشتکار اور مستاجر پریشان حال تھے اور برابر تباہی میں مبتلا ہوتے چلے جا رہے تھے خام دیہات ویران اور بے چراغ تھے بندوبست کی کارروائی کچھ جاری اور کچھ ملتوی تھی اور کوئی خاص اصول نہ تھا۔

بندوبست و مالگنداری | سرکار عالیہ نے حالات ملکی و زرعی اور ۱۸۹۷ء کی شدید قحط سالیوں کے اثرات کو ملحوظ رکھ کر فوری انتظام مالگنداری کی غرض سے اور آئندہ انتظامات کے لئے موقع حاصل کرنے اور رعایا کو اطمینان دلانے کے خیال سے ۱۹۰۲ء میں پنجابہ سرسری بندوبست فرمادیا لیکن اس بندوبست سے قبل رعایا کو مطمئن کرنے کے لئے قوانین مالگنداری وضع بھی نافذ کئے گئے اس بندوبست میں کاشتکاروں کی تمام حالتوں کو ملحوظ رکھ کر ۵۵ لاکھ ۴۳ ہزار ۴ تیرہ آنہ کی رعایت کی گئی اور دوران بندوبست میں جمع کے متعلق عذریاں بھی سماعت کی گئیں۔ اکثر مواضع نصف جمع کمپاسی تک بھی نہ پہنچے اور بعض ہشکل جمع ترمیمی یا کمپاسی تک آئے لیکن اس رعایت اور بندوبست کی آسانی کی وجہ سے لوگوں نے بہ رغبت تمام مستاجریاں قبول کیں اور متعدد کام سے مصروف آبادی ہو گئے۔

اس کے بعد ۱۹ سالہ بندوبست کے لئے منظوری صادر مندرجہ ذیل اور ضروری انتظامات

کے بعد نوزدہ سالہ بندوبست کا کام شروع کر دیا گیا۔

سرکار عالیہ نے مزید اطمینان کے لئے نفس نفیس محالات زیر بندوبست کا دورہ فرمایا اور ایک مقام سے دوسرے مقام کو جاتے ہوئے رکھیتوں وغیرہ کی حالت ملاحظہ کی اور نہایت ہی قابل اطمینان طریقہ سے تمام مراحل طے ہوئے اور پھر یہ بندوبست ایسے عمدہ اصول پر ہوا کہ عام طور پر رعایا نے بہت پسند کیا۔ ترقی سرمایہ زراعت کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا۔ تمام دیہات متاجری پر اٹھ گئے اور کوئی موضع ایسا نہ تھا جس کے کوئی کئی اشخاص خواہش مند اور بقایا ادا کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں۔

یہ بندوبست ۱۹۰۸ء میں ختم ہو گیا اور اپریل ۱۹۰۹ء سے جولائی ۱۹۰۹ء تک تمام دیہات کے پے تقسیم کر دیئے گئے۔

بچوں کی تقسیم کا نظارہ بھی حیرت انگیز اور دلچسپ تھا ایوان تاج محل کے دالانوں میں جوق در جوق متاجرین جمع ہوتے تھے سرکار عالیہ ایک کمرہ میں پس حلین تشریف فرما ہوتی تھیں عہدہ داران متعلقہ دروازے کے سامنے دو رویہ بیٹھے ہوتے تھے۔

باری باری سے متاجرین کئے جاتے گاؤں کی بقایا جمع مستحقہ اور مختصر کیفیت عرض کی جاتی سرکار عالیہ متاجر کو شرف تکلم عطا کرتیں۔

اس وقت متاجر کی مسرت اور خوشی دیکھنے کے قابل ہوتی تھی وہ پھولانیں سماتا تھا وہ اپنی تمام حالت اس طریقہ سے بیان کرتا تھا جس طرح کوئی فرزند اپنی شفیق اور عزیزاں کے سامنے اپنا حال بیان کر رہا ہے۔

جملہ مراحل طے ہونے کے بعد سرکار عالیہ مطبوعہ پٹہ پر اپنے قلم سے اللہ اکبر اور بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ کر (ص) کرتیں اور اپنے دونوں ہاتھوں میں غلہ بھر کر متاجر کے پلو میں ڈال کر پٹہ سپرد فرماتی تھیں۔

ہر متاجر کا یہ عقیدہ تھا کہ اپنے مالک کے ہاتھ سے غلہ اور پٹہ ملنا فارغ البالی اور اُس کی کاشتکاری میں برکت کا سبب ہے۔

در اصل یہ عقیدہ بہت کچھ صحیح ثابت ہوا، اور سرکار عالیہ کے عہدِ رافت ہمد میں مزارعین بھوپال آفات ارضی و سماوی سے کلیتہً محفوظ رہے۔

اس سے پہلے ایصال لگان، مالگذاری میں ہمیشہ وقتیں پیش آتی تھیں اور ایک کثیر مقدار بعت یا میں رہ جاتی تھی لیکن ایک طرف جمع بندی کے اعتدال اور دوسری طرف لگان، مالگذاری کے اصول قوانین و قواعد کے تحت میں لائے جانے کے باعث اوقات و تواریخ منعینہ پر بغیر وقت لگان اور مالگذاری داخل ہوتی رہی۔

ذرائع تردد اراضی کا انتظام | عمدہ بند و بست کے ساتھ ذخائر تحم تقاوی، زراعتی بینک، اور کوآپریٹو سوسائٹی نے زراعت پیشہ طبقہ کو ایسی امداد بہم پہنچانی کہ بقایائے لگان و مالگذاری کی نوبت ہی نہ آنے دی ساتھ ہی ذرائع آب پاشی کی توسیع، انجن ہائے ذخائر تحم، اور زراعتی فارموں کے قیام، افزائش نسل و صحت مویشی کے انتظام اور مختلف اجناس کی کاشت کے تجربات نے مزارعین کو جدید زراعتی ترقیوں کی طرف راغب کر دیا۔ اس غرض کے لئے سرکار عالیہ نے ایک خاص محکمہ قائم فرمایا جس میں مشیر زراعت و سٹا ہند کے مشوروں سے بھی فائدہ حاصل کیا جاتا اور جدید اصلاح یافتہ آلات کثاد زری اور مختلف اجناس تحم موجود و ہیا رکھے گئے۔

علاج امراض مویشی کے لئے بلڈہ بھوپال اور اضلاع میں ڈاکٹر مقرر کر دیئے گئے۔

غرض سرکار عالیہ کی ان اصلاحات کے نتائج اس صورت میں نمایاں ہوئے کہ ۲۲ لاکھ ۳۳ ہزار تین سو پچتر روپیہ بمقابلہ ۱۸ لاکھ بمال جلوس صدر نشینی کے بلا کسی دقت کے معینہ اوقات پر وصول ہوتا رہا۔ آئندہ بند و بست کے بہتر انتظام اور کاغذات دیہی کو صاف اور عمدہ حالت میں رکھنے اور زرعی حالات کے مکمل معلومات ہتیا رہنے اور بروقت اندراجات ہونے کیلئے سرکار عالیہ نے لیڈریکارڈس کا جدید محکمہ قائم فرمایا اور پڑاگری کی تعلیم بھی لازمی قرار دی۔

معانی بقایا | سرکار عالیہ کے سربراہان کے حکومت ہونے سے قبل فصلوں کی خرابی، عمال الہکارا مال کا اپنی ناجائز اغرض سے وصولی مطالبات مالگذاری میں مساحت و تساہل اور اسی قسم کے ناروا اسباب سے کثیر التعداد بقایا رہ گیا تھا جس کی میزان ۹ - ۱۵ - ۱۰۱۲۰۷۱ تھی نقد کے علاوہ جنس کی صورت میں بھی کافی باقی تھی لیکن اس بقایا میں ڈیوڑھی خاص کی بقایا شامل نہیں جو بجائے خود بہ مقدار کثیر تھی۔

ہوئی حضورِ مدوحہ نے نادار متاجروں کی قدامت کو ملحوظ فرما کر ان کے ذمہ کا بقایا معاف کر کے جدید خواستگاروں متاجری کی نقد رقوم جو بقایا کے معاوضہ میں وہ پیش کرتے مسند فرمادیں پھر اکثر باقی داروں کی اقساط کی مدت طویل تھی اور وصولی بقایا کی کارروائی کا سلسلہ بھی جاری تھا لیکن سلسلہ میں ایک جشن کے موقع پر تقریباً ۷ لاکھ روپیہ معاف فرما کر اس سلسلہ کو بھی ختم کر دیا۔

آمدنی کے صیغوں کی اصلاح | انتظامِ اراضی کے ساتھ ہی ساتھ سرکارِ عالیہ نے ان مختلف صیغوں کی اصلاح پر بھی توجہ کی جو آمدنی کے خاص ذرائع ہیں۔

ان صیغوں میں سائر اور آبکاری جس طرح دو نہایت اہم صیغے ہیں اسی طرح ان کے حسن انتظام پر رعایا کی آسائش اور اخلاقی اصلاح کا بھی انحصار ہے۔

سرکارِ عالیہ نے سائر کی اصلاح پر ابتدا سے توجہ مبذول فرمائی اور اس کو نہایت ترقی یافتہ حالت میں کر دیا۔

تمام دنیا میں شراب کی کشید اور فروخت کی نگرانی حکومتوں کے زیر انتظام ہوتی ہے حکومتِ ہند اور دوسری ریاستوں میں اس کے متعلق ایک خاص نظام قائم ہے اور ہر جگہ وہ ایک بڑی آمدنی کا ذریعہ ہے۔

ریاست بھوپال میں بھی عرصہ سے یہ سسٹم قائم ہے، سرکارِ عالیہ نے ابتداً اس کے انتظام میں بہت سی اصلاحات فرمائیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کی ترقی آمدنی سے کبھی ان کو مسرت نہیں ہوئی چنانچہ انھوں نے ریاست کے تذکرہ سالانہ بابۃ ضلع پر ریویو کرتے ہوئے آمدنی مسکرات کے متعلق یہ نوٹ فرمایا تھا :-

”ہم اخلاقاً و مذہباً آبکاری و مسکرات کی تجارت اور اس کی آمدنی کو پسند نہیں کرتے اور ہماری عین خواہش ہے کہ اگر ان اشیاء کو جن سے شراب کشید ہوتی ہے اس کی جگہ کسی اور مصرف میں لایا جائے تو ہم کو ریاست کا کسی قدر نقصان خود اپنی ذات پر برداشت کر لینے میں بھی دریغ نہیں ہو لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک کوئی تجویز پیش نہیں کی گئی معین المہام کو اس کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔“

اس لئے باوجود اس کے کہ بھوپال کے چاروں طرف ہمسایہ ریاستوں اور برٹش انڈیا کے ضلع

واقع ہیں جہاں سے شراب کی کشید اور درآمد میں کوئی دشواری نہیں ہے سرکار عالیہ نے ۱۹۲۲ء میں
تجربہ اور امتحان کو مد نظر رکھ کر اور کئی لاکھ کا نقصان گوارا کر شراب کی تجارت و کشید اور درآمد کو
از روئے قانون مسدود فرما دیا۔

صیغہ جنگل کے انتظامات میں تبدیلی کی گئی اور پھر از سر نو تنظیم ہوئی اور کل جنگل کا ڈیمارکیشن
کیا گیا اور درکنگ پلین بنائے گئے۔

تحتس معدنیات کا بھی ایک صیغہ قائم کیا گیا اور اگرچہ سرکار عالیہ کے زمانہ میں کوئی کامیابی
نہیں ہوئی لیکن آئندہ زمانے کیلئے اسکی بنیاد قائم ہو گئی۔

قوانین و عدالت | یہ امر کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے کہ حقوق کے تعین و تلافی، عدالت
اور انسداد جرائم اور تحدید و نفاذ اختیارات کے لئے قوانین کی اہم ترین
ضرورت ہے اور جس قدر قوانین عمدہ اور مکمل ہوں گے اسی قدر رعایا کو اپنے اور حکومت کے
حقوق کی واقفیت اور تمیز اور امن و آسائش نصیب ہوگی۔

سرکار عالیہ اس ضرورت اور اس اصول کو بہت اچھی طرح محسوس فرماتی تھیں چنانچہ انھوں
نے اپنے خیال اور وضع قوانین کی ابتدائی مشکلات کو اس طرح ظاہر بھی فرمایا ہے کہ:-
میں نے مجملہ اور ضروریات کے قوانین کی ترتیم و تکمیل بھی ضروری سمجھی کیونکہ ملک کا انتظام اور امن و
امان کا قیام دادری اور تلافی حقوق کا انحصار مکمل اور عمدہ قوانین ہی پر ہوتا ہے اور نیز بعض اہم امور
ایسے ہوتے ہیں جن میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے اگرچہ منشی ممتاز علی خاں قانون کو پسند نہیں کرتے
تھے لیکن میں اس کی ضرورت کو خوب جانتی تھی اس لئے کہ بے اصول کوئی کام صحیح طریقوں پر
نہیں چل سکتا۔

اس میں شک نہیں کہ قانون شخصی اختیارات کو ضعیف کرتا ہے لیکن رعایا کو اس سے آزادی

ملے مگر افسوس ہے کہ اس تجربہ میں ناکامی ہوئی طبعی محدود و اضلاع سے یکایک درآمد بڑھ گئی اور ناجائز کشید اس قدر
زیادہ ہو گئی کہ اس کا انتظام بہت مشکل ثابت ہوا سزا و جزائے قانونی میں بے انتہا مشکلات عارض ہوئیں اس لئے ۱۹۲۴ء
میں پہلے نظام ہی کو بہت زیادہ اصلاحات و سختی کے ساتھ جاری کیا گیا۔ سلسلہ معین الہام۔

اطمینان کی نعمت ملتی ہے، اس کے علاوہ میں بھی حد سے زیادہ متجاوز شخصی حکومت کو پسند نہیں کرتی اس لئے اس سال ایک مخصوص محکمہ مثل ”لجیسلٹیو کونسل“ کے قائم کیا اور اس کو مجلس مشورہ کے ہی نام سے موسوم رکھا اس کی ممبری کے لئے وہ عہدہ دار منتخب کئے جو باعتبار اپنے عہدے اور قابلیت و تجربات کے ممتاز تھے مجھے اس موقع پر بڑی دقت یہ پیش آئی کہ ترمیم و ترمیم و ترمیم اور توضیح قوانین کے وقت میرا مقصود یہ تھا کہ ایک ایسا گروہ مجلس مشورہ کے ممبروں میں ہو جو تعلیم یافتہ اور حالات ملک سے واقفیت تانہ رکھتا ہو تاکہ وہ مجلس مشورہ میں حقوق رعایا کی وکالت کرے اور سرکاری ممبروں کے ساتھ ہر ایک بحث و مباحثہ میں شریک ہو لیکن مجھے بے انتہا افسوس ہوا کہ ایک شخص بھی ایسا نہ مل سکا جو رعایا کی قائم مقامی کے فرائض ادا کر سکے۔ میں نے طبقہ وکلاء ملت پر نظر ڈالی مگر وہ لوگ بھی ایسے تعلیم یافتہ نہ تھے کہ کامل اطمینان ہو سکتا تھا ہم یہ خیال کر کے کہ مقابلہ دیگر غیر سرکاری اشخاص کے ان کو کچھ نہ کچھ رعایا کے خیالات و حالات کا تجربہ ضرور ہوگا اور نیز ان کو روزمرہ قوانین نافذہ سے کام پڑتا رہتا ہے رعایا کی قائم مقامی کے لئے انتخاب کیا اور ان میں سے چند سربراہ آوردہ وکلاء کو نامزد کیا گیا ان نامزد اشخاص میں سے مولوی سید عبدالعزیز مرحوم کو جو مالک متوسط کے وکیل تھے نائب مہتمم مشورہ یعنی سکریٹری لجیسلٹیو کونسل کے عہدہ پر مامور کیا اور یہ اصول قرار دیا کہ میری رد بکاری سے جن قوانین کی ترتیب و ترمیم کا حکم دیا جائے یا جن کی نسبت سین الہام یا نصیر الہام ریاست شریک کریں یا سکریٹری کو جن کی ضرورت معلوم ہو اُن کا مسودہ تیار کیا جائے اور ممبران مجلس کے روبرو پیش ہو کر ایک مختصر کارروائی کے ساتھ میری رد بکاری میں پیش ہوں اور میری منظوری کے بعد نافذ کئے جائیں۔

چنانچہ ۵۔ جمادی الاول ۱۳۱۷ھ۔ ۳۰ جولائی ۱۹۰۰ء کو میں نے بذریعہ پروانہ کے ممبروں کو مقرر کر دیا اور سفر حجاز کے قبل ہی مجلس مشورہ کے اجلاس ایوان صدر منزل کے ایک کمرہ میں منعقد ہونے شروع ہو گئے۔

یہ قوانین غور و بحث کے بعد منظوری کے لئے سرکار عالیہ کے حضور میں پیش ہوتے اور حسب موقع اگر ضرورت متصور ہوتی تو اس میں تغیر و تبدل فرمایا جاتا اور بعض قابل اصلاح امور کی ترمیم کرتیں یا ایسا ہوتا کہ اعتراضات فرما کر پھر بحث و تدقیق اور نظر ثانی کے لئے واپس کر دیئے جاتے اور غور و بحث کی

مکمل کے بعد نافذ ہوتے۔

۱۹۲۷ء میں سرکار عالیہ نے جب نظام حکومت تبدیل فرمایا تو وضع قوانین کا کام لیجلیٹیو کونسل منتقل ہو گیا تاہم اس وقت تک جس قدر قوانین و قواعد وضع ہوئے اُن میں ذاتی طور پر سرکار عالیہ کی دقیقہ سنجی سیدار مغربی اور تدبیر و حکمت علمی کا بڑا دخل رہا۔

جن لوگوں کو فنِ قانون کی نزاکتوں اور مشکلات کا علم ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ وضع و تصنیف کی تمام شاخوں میں اس سے زیادہ اور کوئی کام مشکل نہیں لیکن چونکہ سرکار عالیہ اس راہ کی تمام مشکلات اور صعوبات پر جاوی تھیں وہ جس طرح ایک اعلیٰ درجہ کی فرمانروا، ایک بدبڑا ایک منتظم، ایک نگرانِ کار اور ایک جج تھیں اسی طرح متقن اور واضح قانون بھی تھیں۔ فطرت کی فیاضی جب کسی پر مبذول ہوتی ہے تو وہ ایک دماغ میں متعدد دماغوں کے جوہر پیدا کر دیتی ہے۔

مجموعہ قوانین ریاست میں متعدد قوانین ایسے ہیں جن کا تعلق اصلاحات سے ہے۔ ان میں زنانہ فاقہ الازواج یا کالمعلقہ کی نسبت وہ بہترین قانون ہے جس کی مثال بھوپال ہی میں ملکتی ہے۔ عموماً ہر جگہ بہت سے اشخاص جو بیویوں کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے اور ان کو تکالیف میں مبتلا رکھتے ہیں اور بعض اوقات سب سے بڑی تکلیف یہ ہوتی ہے کہ شادی کے بعد بیوی کو چھوڑ کر غائب ہو جاتے ہیں اور تمام عمر یہ غریب اپنی زندگی کو عسرت و پریشانی میں بسر کرتی ہے۔ بد اخلاقی، اور از کتاب جرائم میں مبتلا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ سرکار عالیہ نے اس مسئلہ پر غور فرمایا اور علماء سے مشورہ حاصل کرنے کے بعد ایسی زنانہ فاقہ الازواج کے نکاح ثانی کے لئے قواعد مرتب ہوئے اور محکمہ قضا کے ذریعے سے ان غریبوں کی اس مصیبت کو دور کرنے کا انتظام فرمایا۔

اسی طرح نفقہ اعزاء کو ملانی حقوق کی ذیل میں داخل کیا گیا۔ اکثر سخت دل اشخاص اپنے والدین تک کی امداد سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔ یہ قانون ان کو عدالتی چارہ جوئی کا حق عطا کرتا ہے۔ یہ اصلاحی قوانین محض سرکار عالیہ کی توجہ ذاتی کا اثر و نتیجہ ہیں۔

قوانین کے ساتھ عدالتوں اور وکیلوں کے معیار اور ان کی تہذیب و اصلاح پر بھی توجہ فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بھوپال کی عدالتوں کا وقار خاص طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ابتداً خود حضورِ مہروہ بنفس نفیس بطور آخری عدالت اپیل اپیلوں کی سماعت فرماتی تھیں۔ غالباً سرکار عالیہ ہی وہ

پہلی خاتون تھیں جنہوں نے ایک بیج اور عدالت کے مرکز اعلیٰ کی صورت میں اپنے آپ کو نمایاں کیا اور پھر اس کے فرائض کمال لیاقت کے ساتھ انجام دیئے اور فیصلے بطور نظائر ریاست کی عدالتوں کی رہنمائی کے لئے شائع ہوتے رہے۔

پولیس اور جیل | سرکار عالیہ نے پولیس کی تنظیم پر بھی خاص توجہ کی آبادی کے لحاظ سے اس کی جمعیت میں اضافہ کیا یہی پولیس کو باقاعدہ بنایا گیا تعلیم و امتحان کے متعلق خاص انتظامات کئے گئے اسلحہ و وردی اور دیگر لوازم کے لئے فیاضانہ منظوریوں میں ٹریننگ کے لئے صدر میں ایک اسکول قائم کیا گیا۔

سرکار عالیہ کا ابتداء سے مطلع نظریہ تھا کہ ریاست بھوپال کی پولیس بہ لحاظ تعلیم و تربیت اور پابندی قواعد و ضوابط، اور بہ لحاظ حسن کارگزاری برطانوی علاقہ کی پولیس کے مساوی ہو جائے چنانچہ وقتاً فوقتاً جو اصلاحات عمل میں آئیں اور بطرح فیاضی کے ساتھ اس پر روپیہ صرف کیا گیا اس کے نتیجے میں بھوپال کی پولیس دیگر ترقی یافتہ ریاست ہائے ہند اور برطانوی علاقہ کی پولیس سے کسی اعتبار سے کم ثابت نہیں ہوئی جس کا اعتراف برطانوی پولیس کے اعلیٰ افسروں نے متعدد مواقع پر کیا ہے۔

سلسلہ اصلاحات میں جیل کی بھی اصلاح ہوئی قیدیوں کو کام سکھانے کے لئے متعدد کارخانے جاری کئے گئے جہاں قایلین، دریاں، تولیے، نہایت عمدہ تیار ہوتے ہیں۔ دستی کرگھوں پر مختلف وضعوں کے ریشمی کپڑے، موزے، بنیائیں بنے جاتے ہیں، باغبانی کا کام سکھایا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی اخلاقی اصلاح کا انتظام بھی ہے۔

صنعتی و حرفتی تدابیر | ملک کی صنعتی حالت پر بھی توجہ کی، علاوہ ان کثیر التعداد وظائف کے جو صنعتی کارخانے قائم کر لئے جو کچھ عرصہ بعد شکست کر دیئے گئے لیکن ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوجوانوں میں صنعتی کاروبار کا شوق پیدا ہو گیا اور انہوں نے پرائیوٹ کارخانے قائم کرنا شروع کر دیئے چند مختلف کارخانے مشترکہ سرمایہ سے بھی قائم کر لئے متعدد جیننگ فیکٹریاں کھولی گئیں۔

پیداوار ملک کے استحقاق کی کمیادی اور دباغت چرم کیلئے ایک معمل کیمیائی (لیبارٹری)

اور ایک وسیع کارخانہ قائم فرمایا تجارت کی رونق کے لئے جا بجا قصبات میں اور اسٹیشنوں پر پڑیاں قائم کی گئیں۔

اصلاح معیار ملازمت | سرکار عالیہ کے سلسلہ اصلاحات میں ملازمت کے معیار کی بلند کی بھی ایک بنیادی اصلاح تھی جس پر ابتدائے حکمرانی سے توجہ مبذول رہی اور ریاست کی مالی حالت کے لحاظ سے سول اور فوج میں تعلیم ٹریننگ اور مشاہرت کا معیار فیاضانہ طریقہ سے بلند فرمائی نہیں اور پنشن و انعام کے قواعد جاری فرمائے۔

سال گروہ صدر نشینی کی تقریب کو سال سوم جلوس سے نہایت مفید قالب میں ڈھال دیا۔ تاریخ سال گروہ سے قبل ہر صیغہ کی رپورٹیں ملاحظہ اقدس میں پیش ہوتیں ان پر تنقید و تبصرہ کیا جاتا اور سال گروہ کے دن بذریعہ پروانہ جات خوشنودی یا انعامات و اضافہ مشاہرت قابل و جفاکش عہدہ داروں کی خدمات کا اعتراف فرمایا جاتا کبھی کبھی دربار عام منعقد فرما کر اس اعتراف و تحسین کو بذریعہ تقریر اظہار فرماتیں۔

سول و فوج کے عہدہ داروں میں سماجی اور مجلسی تعلقات قائم کرنے کے لئے یونائیٹڈ سروس کلب کا افتتاح فرما کر چھ ہزار روپیہ سالانہ کی گرانٹ منظور فرمائی جو بھوپال میں ترقیات تمدنی و معاشرتی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

ہر ریاست میں منصب داروں اور ارکان خاندان کا طبقہ عموماً بیکاری یا تفریحی مشاغل میں اوقات گزاری کرتا ہے اور منصب و خاندان کے اطمینان پر تعلیم کی طرف توجہ نہیں ہوتی یہی عام حالت بلکہ عام حالت سے کسی قدر زیادہ بھوپال میں رونما تھی جس کی اصلاح نہایت پیچیدہ اور دقت طلب تھی لیکن سرکار عالیہ نے پہلے تمام منصب داروں اور ارکان خاندان کو مجبور فرمایا کہ وہ اپنی اولاد کو تعلیم دلائیں اور پھر ان میں جو نوجوان فوجی یا مالی و عدالتی کام سیکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے ان کو ان ہی کی مناسبت طبع کے مطابق دفاتر وغیرہ میں معین فرمایا۔ چنانچہ جو لوگ پہلے بیکاری میں زندگی بسر کرنے کے عادی اور موجودہ حالت پر قانع تھے ان میں بہت سے اشخاص فوج اور شعبہ ہائے ملکی میں مامور ہو گئے۔

تہذیب و فرائض | ان اصلاحات میں ترقی یافتہ جدید اصول پر دفاتر کی تہذیب بھی ایک نمایاں اصلاح

ہے تمام دفاتر ریاست ایک اصول کے تحت میں لائے گئے دفتر انشا کی جو فرماں روا کا خاص دفتر ہے سکریٹریٹ کے اصول پر تنظیم کی گئی اور مختلف محکمے مختلف سکریٹریوں کے سپرد کئے گئے۔

اصلاحاتِ فوج

مجاہدِ عظیم میں سلطنتِ برطانیہ کی امداد

سرکارِ عالیہ نے فوج کی اعلیٰ تربیت اور زمانہ حال کے مطابق اصلاح کرنے میں اپنی توجہ روزِ صدر نشینی ہی سے مبذول فرمائی اول اول چند خفیف تبدیلیاں اور ابتدائی اصلاحات کیں لیکن فوراً ہی کامل اصلاحات کی بنیاد بھی قائم کر دی یعنی اپنے فرزند گرامی میجر جنرل نواب حاجی حافظ محمد عبید اللہ خاں صاحب بہادر سی۔ ایس۔ آئی کو عساکرِ ریاست کے عہدہ داروں میں داخل کیا اور حضورِ ممدوح نے اپنے ذاتی شوق اور اپنی شفقت والدہ کی مرضی کے مطابق چند ہی دنوں میں ایک اولوالعزم سپاہی کی طرح سپاہیانہ محنت کے ساتھ فوجی تعلیم و تربیت حاصل کر لی متعدد مینوورس میں اپنی فوج کے ساتھ شریک ہو کر حصہ لیا اور آغازِ کار میں ہی وہ ہمت و سعی کی کہ بڑش فوجی افسروں نے ان کی محنت و جفاکشی اور جہنٹ اور بریگیڈروں کی قواعد میں دلچسپی لینے کا اعتراف کیا اور اس امر پر حیرت ظاہر کی کہ کیونکر اس قلیل عرصہ میں انھوں نے اتنی تعلیم حاصل کر لی جب نواب ممدوح انشان پوری تعلیم و تربیت حاصل کر چکے تو ان کو سپہ سالارِ ریاست مقرر کیا گیا اور ان کی امداد سے بہت کچھ اصلاحات عمل میں آئیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سپہ سالارِ ریاست کی نگرانی اور سرکارِ عالیہ کی توجہ سے عمدہ نتائج نکلنے لگے جن کا تمام فوجی افسروں اور سپہ سالاران و ولیسرایان ہند نے اعتراف کیا۔

جنگِ عظیم میں امپریل سروس ٹروپس نے گریزن ڈیوٹی کو ایسے عمدہ طریقہ پر انجام دیا کہ ہزار کلسنسی لارڈ چیمفورڈ نے اسٹیٹ ڈنر کی تقریر میں اس کی تعریف کی۔

غرض ہر موقع پر فوج اور سپہ سالار فوج کی تعریف ہوئی، سرکارِ عالیہ خود بھی ایک فوجی ماہر کی طرح کبھی کبھی فوجی پریڈ اور کرتب کا ملاحظہ اور ہر جزیہ فوج کا معائنہ اور تقریر کے ذریعے سے اس کی حوصلہ افزائی فرماتی تھیں۔

۱۹۱۴ء میں جس وقت یورپ میں محاربہ عظیم شروع ہوا تو سرکارِ عالیہ نے سلطنتِ برطانیہ کی حمایت و حفاظت کے لئے قہرَم کی اخلاقی، مالی اور فوجی امداد ہی نہیں بلکہ ذاتی امداد بھی پیش کی۔ رلیف فنڈ کے متعلق ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر فرما کر رعایا کو اس میں چندہ دینے کی تحریک فرمائی۔

امپریل سروس ٹرپس کی خدمات عساکرِ برطانیہ میں منتقل کی گئیں۔ شوفر اور موٹر کار میدانِ فرانس میں بھیجے گئے۔ بھرتی میں خاص سعی و کوشش کی گئی۔ چھ سو آدمیوں کے قریب بھرتی ہوئے۔ بھرتی ہونے والوں کو انعامات اور معافیاں عطا کی گئیں۔ مختلف صورتوں میں ساہن جنگ سے بھی امداد کی گئی، گھوڑے، موٹر کاریں، کشتیاں، خیمے وغیرہ دیئے گئے۔ ایک ہوائی جہاز بھی خرید کر میدانِ کارزار میں بھیجا گیا اور ہنز اسلینسی وایسر لے کی تحریک کے مطابق بھوپال پرنسٹن (عطیہ بھوپال) سے مرسوم کیا گیا۔

ریاست کی درکِ شباب میں توپوں کے گولے تیار کئے گئے گھوڑوں کی تربیت کے لئے خاص انتظام کیا گیا۔

قرضہ جنگ کو کامیاب بنانے کیلئے خاص طور پر توجہ کی گئی اور ہر تحصیل اور گاؤں تک اس کو وسعت دی گئی۔ ملازمین و متوسلین کو قرضہ جنگ کی دستاویزات خریدنے کے لئے ایک ہفتہ کی پیشگی مشاہرہ دیا جانا منظور فرمایا گیا جو بتدریج ایک سال کے اندر ان سے وصول کیا گیا۔ تبادلہ سکہ کی مشکلات رفع کرنے میں بھی امداد کی اور اٹھارہ لاکھ روپے نقد کا سونا خرید گیا۔

سرکارِ عالیہ اور ہنزائی انس ہمارا جہ سیندھیانے والیان ریاست ہائے ہند کی طرف سے برطانوی مجروحین کے لئے ایک ہسپتالی جہاز کی اسکیم بنانی جس میں نہایت کامیابی ہوئی اور لائلپٹ کے نام سے وہ جہاز تیار ہوا جو پورے ساز و سامان اور ضروریاتِ آسائش سے مکمل تھا۔

اسی طرح ریڈ کراس سوسائٹی کے کاموں میں فیاضی کے ساتھ امدادیں عطا کیں اور ان اغراض کے لئے ہندوستان و انگلستان میں جس قدر فنڈ اکھولے گئے، اور انجمنیں قائم ہوئیں ان سب میں امدادیں کیں، برٹش امپائر لیگ کی ممبری اور انجمن خواتین برطانیہ کے برٹش ویمین ہسپتال کی سرپرستی قبول کر کے ان کو امدادیں عطا کیں، امداد مجروحین کے لئے لیڈر کلب میں مینا بازار قائم کرایا۔

لیڈی جمپفورڈ کی تحریک سے مقتولین جنگ کے بچوں کی تعلیم کے لئے ”سکولر جوبلی ویڈنگ فنڈ“ قائم ہوا تھا اس میں نہ صرف ذاتی امداد کی بلکہ وسط ہند کی ہمارا نیوں اور بیگیاں کو توجہ دلا کر اس فنڈ میں ہزاروں روپیہ چندہ دلایا۔

لیڈر کلب کے جلسوں میں جو وقتاً فوقتاً اس قسم کی امداد کے لئے منعقد ہوتے رہتے تھے اور ان تمام کاموں میں جو ہر بانی نس میونسپلٹان منسٹریاؤں کی سرپرستی میں جاری تھے ہمیشہ نہایت سرگرمی اور فیاضی کے ساتھ شریک رہیں اسی سلسلہ کے ایک جلسہ میں جب چند جمع ہوئے تھے تو ایک خاص عطیہ بارہ سو روپیہ کا مرحمت کیا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ روپیہ اپنی چند مصنفہ و مؤلفہ کتابوں کی قیمت کا تھا۔

اس کے علاوہ زنانہ و مردانہ جلسوں میں متعدد تقریریں کیں جن میں سلطنت کی اعانت اور مجروحین و یتیم کی امداد پر ایک کو متوجہ کیا۔

سرکار عالیہ نے کئی مرتبہ تہنیت کیا کہ اس زمانہ میں تشریف لے جا کر وہاں کی مختلف زنانہ ایسوسی ایشنوں میں کچھ کام کریں لیکن اقتضائے حالات نے اجازت نہ دی اور بجائے یورپ کے ریاست ہی میں قیام فرما کر سرکار عالیہ نے علاوہ مالی و فوجی اعانتوں کے ایمپوننس کے کاموں میں مصروفیت رکھی۔ قصر سلطانی میں بیگیاں خاندان اور دیگر ممتاز خواتین کی ایک ورک پارٹی بنائی جس میں سرکار عالیہ بھی بنفس نفیس مشغول ہیں۔

سلہ دیر امپیریل مجسٹریٹ کی شادی کی تقریب جوبلی۔

اور ڈے کے جلسوں کو نہ صرف ریاست میں کامیاب بنانے پر توجہ کی بلکہ ہزار کسٹنس لیڈی
 جمیغورڈ کی درخواست پر سرکار عالیہ نے لیڈیز فائنل اکرڈ کمیٹی کے وائس پریسیڈنٹ کا عہدہ
 منظور فرمایا اور ایک مفصل اور طولانی خط میں کمیٹی کو مشورے دیئے اور فنیسی بازاروں کے قیام جلسوں
 کے انعقاد، جھنڈیوں کی فروخت اور دن روپی فنڈ کھولنے کی تحریک کی۔ لیڈی جمیغورڈ نے اس
 تحریک کا ہنایت تشکر آمیز جواب دیا اور یقین دلایا کہ سرکار عالیہ کی تمام تجاویز پر عمل درآمد ہوگا۔
 اختتام جنگ اور صلح کے بعد فتوحات کے جلسوں کو بھی کامیاب بنانے پر ذاتی طور سے توجہ کی۔
 افواج کی دعوت، مزدوروں کو یوم تعطیل کی مزدوری طلباء کے میچ، فوجی کربت وغیرہ کے
 علاوہ مساکین کی دعوتیں بھی ہوئیں۔

ان مالی امدادوں کے علاوہ سب سے بڑی اخلاقی امداد میں بھی سرکار عالیہ نے عظیم حصہ لیا
 یعنی بڑی کے شریک جنگ ہونے سے بلاشبہ تمام مسلمانان ہند کے دلوں میں ایک خاص
 بے چینی پیدا ہوتی اور مختلف اوبام و شکوک قلوب میں جاگزیں ہو رہے تھے لارڈ ہارڈنگ لیسرے
 دگورنر جنرل اس بے چینی سے متردد تھے انھوں نے سرکار عالیہ سے درخواست کی کہ اس موقع
 پر حضور محمدؐ اپنے اثر سے کام لے کر ان توہمات و شکوک اور اس بے چینی کو جو اس صورت حال
 سے پیدا ہو گئی ہے رفع فرمادیں اُدھر سرکار عالیہ کے نزدیک بھی اپنی قوم اور ملک کی سب سے
 عظیم شان ہمدردی یہی تھی کہ مسلمانوں کو خطرناک غلطیوں اور بے راہ روی سے محفوظ رکھنے میں
 اپنا کامل اثر استعمال فرمائیں۔ بھوپال میں تو سرکار عالیہ کی ذات گرامی پر اعتماد کی وجہ سے اس قسم
 کا کوئی اندیشہ ہی نہ تھا لیکن برٹش انڈیا میں اس کوشش اور استعمال اثر کی ضرورت تھی۔

سرکار عالیہ نے اس موقع پر ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا۔ اور اس میں ایک تقریر ارشاد
 فرمائی جس میں اسباب و وجوہ جنگ، برطانیہ کی ناگزیر شرکت، جرمی کے مظالم، ترکوں کی

۱۹۱۸ء میں دہلی ہند کی اپیل پر طے ہوا کہ ہزار کمپنوں، محبٹی قیصر ہند کی سال گرہ، تخت نشینی پر تمام ہندوستان
 میں اس قسم کے جلسے ترتیب دیئے جائیں جس سے سینٹ جان ایپولنس کو مالی مدد حاصل ہو لیڈی جمیغورڈ نے عورتوں سے
 بھی اپیل کی تھی اور ایک کمیٹی بنائی تھی جس کا نام لیڈیز فائنل اکرڈ کمیٹی تھا۔

شریک جنگ ہونے میں غلطی اور گزشتہ محاربات میں ٹرکی کے ساتھ سلطنتِ برطانیہ کی امداد اور مسلمانانِ ہند کی اعانت وغیرہ کو تفصیل سے بیان فرما کر مذہبی نقطہ نظر سے ممانعتِ فساد، قیامِ امن و سکون، احترامِ معاہدات اور ایفائے عہد کی اہمیت پر رعایائے بھوپال کے ساتھ مسلمانانِ ہند کو بھی مؤثر طریقہ پر متوجہ کیا۔

ہندوستان کی تاریخِ برطانیہ میں دہلی اور کلکتہ وغیرہ میں متعدد مواقع سرکاری طور پر عام اجتماع کے ہوئے ہیں چنانچہ ۱۷۷۷ء، ۱۷۸۰ء، ۱۷۸۱ء کے تین دربار تاریخِ ہند میں یادگار ہیں لیکن اپریل ۱۷۸۱ء میں تمام حصصِ ہند کے چیدہ اور سربراہ اور وہ اصحابِ امپریل کونسل کے ممبروں اور والیانِ ملک کا جو اجتماع ایوانِ کونسل میں ہوا تھا جس میں ہزار کسٹنی وائسراے نے ہزار امپریل مجسٹری ملکہ معظمہ کا وہ مشہور پیغام سنایا جس میں جنگِ عظیم کے متعلق اہل ہند کو امداد کے لئے توجہ دلائی گئی تھی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ سرکارِ عالیہ بھی اس کا فرانس میں مدعو تھیں انھوں نے ایک رزلویشن کی تائید میں جو ہمارا جہ بڑودہ نے پیش کیا تھا ایک مختصر تقریر انگریزی میں ارشاد فرمائی اگرچہ سرکارِ عالیہ انگریزی میں بلا تکلف گفتگو فرماتی تھیں، کتابیں ملاحظہ کرتے اور اپنی تصانیف میں بعض اوقات ان کے ترجموں سے مدد لیتی تھیں لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ ایسے منتخب مجمع میں انگریزی میں تقریر فرمائی۔

یہ تقریر اس لحاظ سے اور بھی اہمیت رکھتی ہے کہ اگرچہ سرکارِ عالیہ بحیثیت ایک والیہ ملک کے اس وقت موجود تھیں مگر اپنی ذاتِ مبارک سے نصف آبادی ہندوستان کی قائم مقام تھیں اور یہ موجودگی ان جذبات کو ظاہر کر رہی تھی جو ہندوستان کی عورتوں کے دلوں میں تاجدارِ برطانیہ کے ساتھ اور حفاظت و حمایتِ سلطنت کے متعلق تھے۔

جس وقت سرکارِ عالیہ تقریر فرما رہی تھیں تمام حاضرین جلسہ انداز تقریر اور پُر جوش اور ہمت پر تھے خصوصاً گیلری میں جس قدر یورپین خواتین موجود تھیں ان کی خوشی اور اظہارِ مسرت کے چیریز سے تمام ایوان گونج اٹھا تھا۔

یوں تو سرکارِ عالیہ نے دربارِ تخت نشینی سے اس وقت تک بھوپال اور بھوپال سے باہر بارہا عورتوں اور مردوں کے متعدد جلسوں میں اور ریاست کے ڈنروں کے موقعوں پر تشریف

فرمانی تھیں اور ہر موقع پر خراج تحسین وصول کیا تھا لیکن یہ موقع جیسا پر جلال تھا اسی طرح سرکارِ عالیہ نے اپنے علو ہمت اور عظمتِ ذات کے لحاظ سے تقریرِ فرمانی، اس کے بعد سرکارِ عالیہ نے ایک اور میٹنگ میں تقریر کی جس میں صرف والیانِ ریاست اور فوج کے اعلیٰ افسر شریک تھے اور جو سپہ سالار افواجِ ہند کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی۔ اس میٹنگ میں جس قدر اہم مسائل پیش ہوئے ان سب میں سرکارِ عالیہ نے فوجی قابلیت و واقفیت کے ساتھ نمایاں حصہ لیا۔ اس جنگِ عظیم کے بعد افغان تان کی جنگ میں بھی سرکارِ عالیہ نے اسی جوش و فیاضی کے ساتھ امداد دی۔

غرض اس محاربہ عظیم میں سرکارِ عالیہ نے ۱۸ لاکھ ۲۵ ہزار روپیہ مختلف صورتوں میں سلطنتِ برطانیہ کی امداد و حمایت میں صرف فرمایا جس کا مختلف موقعوں پر مختلف عنوانوں سے شکریہ ادا کیا گیا۔

۳۰ جون ۱۹۱۹ء کو ہزار کلسنسی لارڈ جیسنفورڈ نے

ہزار کلسنسی ویسٹ رائے کاخریطہ شکریہ | ایک خریطہ شکریہ میں اس طرح پرجوش

اعتراف کیا۔

”جو زبردست اور حکم امداد ریاستِ بھوپال نے دورانِ جنگ میں کی اس کے لئے میں اپنی اور مجسٹی کی جانب سے نہایت پرجوش شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یورپائی نس نے مسلمانانِ ہند کے لئے ایک شاندار مثال قائم کر دی اور فیاضانہ عطیات نقد، ہوائی جہازوں اور گھوڑوں کو پیش کر کے مادی اعانت کی۔ بھوپال لائسنر نے ہندوستان میں گرین ڈیوٹی پر قابلِ قدر خدمات انجام دیں اور تمام ریاست میں بھرتی ہونے کا شوق پیدا کر دیا۔

یورپائی نس نے بشورہ ہمارا جہ سیندھیا آف گوالیار ہسپتال شپ لائٹی کی اسکیم اختراع کی جس نے اعلیٰ درجہ کا کام کیا۔

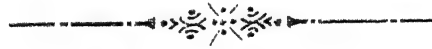
یورپائی نس نے فوج کے لئے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچایا اور مختلف فنڈوں میں جو مجروحین از کارِ فتنہ وغیرہ سپاہیوں کی تکالیف دُور کرنے کے واسطے قائم کئے گئے تھے فیاضانہ چندے مرحمت کئے۔

یورپائی نس نے بنفسِ نفیس اور آپ کے صاحبزادوں نے ہزار پرلی مجسٹی اور سلطنتِ برطانیہ

کے ساتھ اپنی مضبوط وفاداری اور عمیق اعانت کیشی کو ثابت کر دکھایا ہے۔ اور انصاف و آزادی کی اس جنگِ عظیم میں آپ نے حصہ لیا ہے جس میں ہندوستان نے نہایت خوبی سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔“

اس کے علاوہ بھی دیگر مختلف موضوعوں پر مختلف عنوانوں سے سرکارِ عالیہ کی فیاضانہ امدادوں کا شکریہ و اعتراف کیا گیا۔

۱۹۱۷ء کے عہد نامہ کی رو سے ریاست نے اضافات سیہور میں ایک وسیع رقبہ جو کئی دیہات پر مشتمل تھا برطانوی افواج کی چھاؤنی کے لئے دیا تھا اور یہی مقام بھوپال اگنسی کا بھی مستقر تھا لیکن ۱۹۱۷ء میں جب یہ چھاؤنی ٹوٹ گئی تو سرکارِ عالیہ نے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا اور گورنمنٹ آف انڈیا نے اس کو تسلیم کر لیا جس کی کارروائی کی تکمیل ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں ہوئی۔ اس طرح توسیع ملک کے متعلق سرکارِ عالیہ کی شاندار اور مبارک زندگی میں اول برآخر کی نسبت ہو گئی۔



اُمورِ رفاهِ عام

بلدہ میں میونسپلٹی کا قیام اگرچہ میونسپلٹی کے حقوق ایسے قصبوں یا شہروں میں دیئے جاتے ہیں جہاں لوگوں میں تعلیم و قابلیت نے لوکل سیلف گورنمنٹ کی پوری صلاحیت پیدا کر دی ہو لیکن سرکارِ عالیہ نے محض اس لئے کہ یہاں کے باشندوں میں کام کرنے کا شوق پیدا ہو اور ان کو آہستہ آہستہ ایک متحضر شہری بنایا جائے۔ اہل شہر کو حقوقِ بلدہ عطا فرمائے اور پھر بہت درجہ ان حقوق میں اضافہ ہوتا رہا۔

میونسپل کے زیرِ انتظام صیغہ حفظانِ صحت، روشنی، شوارعِ بلدہ، ندی، آبِ رسانی وغیرہ ہے۔ عموماً اس کے اخراجات کا بہت بڑا حصہ خزانہ شاہی سے مرحمت فرمایا جاتا ہی خاص

۱۷ سیہور بھوپال سے ۲۲ میل پر واقع ہے۔

میونسپل آمدنی بہت کم ہے اور ایسے وسیع انتظامات کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

۱۹۰۹ء میں بلدہ میں برقی روشنی کا انتظام کیا گیا جو ابتداً محدود تھا لیکن ۱۹۲۷ء میں زیادہ طاقت کا انجن منگوایا گیا اور تمام شہر میں اس روشنی کی توسیع کی گئی اور یہ صیغہ تحبّاری اصول پر مضبوط کیا گیا۔

حفظانِ صحت کے شعبہ میں تعلیم یافتہ اشخاص ننگراں اور انسر مقرر کئے گئے۔ گھروں کے اندر کی صفائی معائنہ کرنے کے لئے زنانہ اسٹاف مامور ہوا جو عورتوں کو مفید مشورے بھی دیتا ہے۔ اس صیغہ کے متعلق زچاؤں اور نومولود بچوں کی امداد و نگرانی بھی کی گئی اور غربا کے بچوں کے لئے نمازہ اور خالص دودھ کا انتظام کیا گیا۔ لاکھوں روپے سے ڈریجنگ کا سلسلہ قائم ہوا۔ گلی کوچوں میں پختہ کھرنبجہ اور جابجا خوشنما پارک بنائے گئے۔ بعض سڑکیں وسیع کی گئیں اور بعض جدید بنائی گئیں۔ شہر اور بیرون شہر کے قدرتی مناظر کو نہایت دلچسپ بنایا گیا اور حصّہ شاہ جہاں آباد میں تو جہاں درجہ بدرجہ نشیب و فراز ہیں تین سڑکیں اور ان سڑکوں کے درمیان میں جو تالاب ہیں ان میں ایک عجب و لفریبی پیدا کر دی گئی۔

اکثر مساجد کے آس پاس کثیف و گنجان آبادی تھی جہاں صفائی کا کام سخت مشکل تھا وہاں ایسے تمام مکانات معقول معاوضوں سے خریدے گئے اور ان کو صاف کر کے باغیچے لگا دیئے گئے۔

پرائیوٹ تعمیرات کے لئے یہ اصول قرار دیا گیا کہ جو مکان بنایا جائے وہ میونسپل قواعد کے مطابق ہو اور اس کا نقشہ منظور کرالیا جائے۔

عامہ رعایا کی تعمیر مکانات کے لئے قرض اور عطیات سے امداد کی گئی۔

منفصلات میں بھی مقامی حکام کی زیر نگرانی حفظانِ صحت کی کمٹیاں قائم کی گئیں ممبروں کے انتخاب کا حق عطا کیا گیا اور ضروری قواعد جاری کئے گئے۔ اس طرح دیہات تک میونسپل انتظامات کو وسعت دی گئی۔

شفا خانے ریاست بھوپال میں بہ زمانہ سرکار خلد نشیں یونانی شفا خانے اور بہ عہد سرکار خلد مکاں انگریزی شفا خانے قائم ہوئے جن پر ہمیشہ نہایت فیاضی

کے ساتھ روپیہ صرف کیا گیا لیکن زمانہ کی روز افزوں ضرورتوں سے اصلاح و ترقی کی بہت احتیاج تھی۔ ان دونوں صیغوں میں نمایاں اصلاحات اور اضافے ہوئے اور آخر عہد حکومت میں ایک نہایت شاندار عمارت تیار کی گئی جس کے ساتھ مریضوں کے رہنے کے وسیع کمرے اور تمام متعلقہ مکانات ہیں۔

۱۹۶۲ء میں سرکار خلد مکان نے لیڈی لینسڈون ہسپتال قائم فرمایا تھا جس میں دایہ گری کی تعلیم کا بھی کسی قدر انتظام ہوا تھا سرکار عالیہ نے اس ہسپتال کی اصلاح اور ترقی کی طرف خاص توجہ فرمائی۔ اسٹاف کا معیار قابلیت بڑھایا۔ ایک نرسنگ اسکول جاری کیا تعلیم دایہ گری کو بہت دی۔

تعلیم پانے والی عورتوں کے وظائف بھی مقرر فرمائے اور ان دایوں کو جنہوں نے کوئی سند حاصل نہ کی ہو اس پیشہ کی مانعیت کی گئی اور اسی شفاخانہ کے ساتھ ایک انفینٹ ہوم (دارالاطفال) کا بھی اضافہ کیا گیا۔

عابدہ چیلڈرن ہسپتال | سرکار عالیہ کے قلب مبارک میں خداوند تعالیٰ نے جو رافت و رحمت و دیعت کی بھٹی وہ ہر کمزور اور بے کس و بے مددگار کی ہمدردی و امداد میں نمایاں ہوئی۔ عورتیں جو قدرتی طور پر کمزور ہیں اور جن پر بے کسی کا زیادہ اثر ہوتا ہے ہمیشہ سرکار عالیہ کی ہمدردی کا مرجع رہی ہیں۔ اسی رافت و رحمت کے جذبات نے حضورِ مہر و رحمت کو بچوں کے مخصوص ہسپتال کے قیام پر متوجہ کیا۔

۱۹۱۱ء میں یورپ کے سفر میں جب کیننگسٹن کے مشہور شفاخانہ اطفال کا معائنہ کیا تھا تو وہاں کے انتظام بچوں کے نشوونما اور اخلاق و خیالات کی اصلاح کے طریقے اور ان کی تفریح و مشاغل کے اہتمام کا خاص اثر ہوا تھا اور یہ خیال تھا کہ بھوپال میں بھی ایک ایسا شفاخانہ بنایا جائے لیکن کئی اہم مہم جوؤں باوقاہ اب سرکار عالیہ کو اس خیال کے پورا کرنے کا موقع

۱۹۱۱ء عمارت علی حضرت دم اقبالہ کے دوم سہ جلوس میں مکمل ہوئی اور قہریم کا سامان جو بہتر سے بہتر شفاخانہ میں ہو سکتا ہی نہایت فیاضی کے ساتھ فراہم کیا گیا۔ اپریشن اور آکسریز کے بہترین آلات بنیائے گئے اور سرکار عالیہ کے دست مبارک سے افتتاح ہوا۔

ملا اور اعلیٰ حضرت اقدس کی دوئیں سال گرہ جلوس پر نواب گوہر تاج بیگم عابدہ سلطان ولی عہد ریاست کے نام سے موسوم فرما کر اس کا سنگ بنیاد اعلیٰ حضرت کے دست مبارک سے رکھوایا۔
سرکار عالیہ نے اس فونڈیشن کے وقت جو تقریر فرمائی تھی۔ اور اس میں بچوں کے متعلق جو کچھ فرمایا وہ حضور ممدوحہ کے ان خیالات کا مرتع ہے جو اس شفا خانہ کے محرک ہوئے حضور محمدؐ جو نے فرمایا کہ :-

حضرات! یہ کلیہ ہر شخص جانتا ہے کہ قومیں بچوں ہی سے بنتی ہیں اور آج جو بچہ اس فضا میں سانس لیتا ہے وہی کل ایک ایسی ہستی ہو گا جو قومیت اور انسانیت کی تعمیر کرے گا اسی کلیہ کو پیش نظر رکھ کر تمام متمدن اور تعلیم یافتہ ممالک میں بچوں کی تندرستی اور صحت کے متعلق یوم ولادت ہی سے خاص توجہ کی جاتی ہے اور نرسنگ کی تعلیم فرائض مادری میں داخل ہے اور کوئی ماں اس وقت تک ماں کہلانے کے لائق نہیں جب تک کہ وہ اپنے فرائض سے واقف نہ ہو۔

یوں تو بچوں کے ساتھ ماں اور باپ کی محبت ایک فطری جذبہ ہے اور وہ اس کی صحت کے دل سے بنتی ہوتے ہیں مگر وحشی یا نیم تعلیم یافتہ قومیں ان محض واقعات و اتفاقات پر چھوڑ دیتی ہیں اور تعلیم یافتہ قومیں تدبیر کے ساتھ تقدیر پر بھروسہ کرتی ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ متمدن ممالک میں بچے توانا اور قوی ہوتے ہیں اور جن بچوں پر امراض کا حملہ ہوتا ہے ان کے لئے گھروں کے علاوہ اس قسم کے شفا خانے موجود ہیں جیسا کہ میں نے ابتداء تقریر میں بیان کیا ہے۔

اسی بنیاد پر میں نے نرسنگ کی تعلیم کے لئے مختلف ذرائع اختیار کئے اور اب ایک چلڈرن ہسپتال یعنی شفا خانہ اطفال قائم کرنے کا ارادہ کیا ہے جس میں مریض بچے داخل کئے جائیں گے اور وہیں ان کی تیار داری ہوگی۔

شوارع ہر ملک میں سڑکوں اور شاہراہوں کی ترقی ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ بھوپال میں بھی ابتدا سے اس طرف توجہ مبذول رہی لیکن ملک کی جغرافیائی حالت اور کوہستانی سلسلہ کے لحاظ سے جدید سڑکوں کے بنانے میں نہایت کثیر اخراجات کی ضرورت ہے سرکار عالیہ نے بھی جہاں تک فنانشل حالت نے اجازت دی قدیم شوارع کی درستی اور توسیع اور جدید شوارع کی تعمیر پر توجہ مبذول رکھی۔

پہلے ارادہ تھا کہ اگر ہم سوانہ ریاستیں آمادہ ہو جائیں تو لائٹ ریلوے کا اجرا کیا جائے چنانچہ اس کے لئے ماہرین فن سے ایک اسکیم بھی تیار کرانی لیکن اور ریاستیں آمادہ نہ ہوئیں اور چونکہ خزانہ ریاست تہا اس کے صرفہ کا تحمل نہیں ہو سکتا تھا اور صرف اندرون ملک میں اس سے اتنا نفع بھی متوقع نہ تھا جو اخراجات کے لئے محقق ہو تا اس لئے اس اسکیم کو ملتوی کر کے حب رید شوارع پر ہی توجہ مبذول رکھی۔

تعمیرات | سرکارِ عالیہ کی خاص دلچسپی کی چیزوں میں سے صیغہ تعمیرات بھی تھا جس کا ان کو پیشہ سے شوق رہا ہے۔ سرکارِ عالیہ کی طبیعت کا خاصہ تھا کہ جس چیز کی طرف توجہ ہوتی اس میں جب تک ایک صاحب فن کا درجہ حاصل نہیں ہوتا قناعت نہ فرماتیں تعمیرات کے شوق نے انجینئرنگ و گرس کی طرف انھیں توجہ دلائی اور اس میں اس درجہ صحیح واقفیت پیدا ہو گئی کہ ایک اچھے انجینئر کی طرح بڑی بڑی عمارتوں کے نقشوں کو تنقید سے ملاحظہ فرماتیں۔ ان کے حسن و قبح کو محسوس کر کے غلطیوں کی اصلاح کرتیں اور بعض اوقات عمارتوں کے خاکے تک بناتیں۔ فن تعمیر میں خوش مذاقی نہایت نازک اور مشکل چیز ہے اور واقفیت و کمال کے ساتھ مذاق صحیح کا پیدا کرنا بغیر مناسبت طبعی کے ممکن نہیں۔

سرکارِ عالیہ کو تعمیرات میں جو صحیح اور اعلیٰ مذاق حاصل تھا اس کا اندازہ ان رفیع الشان اور دل فریب عمارتوں کی بیرونی و اندرونی تقسیم سے کیا جاسکتا ہے جو ان کے دور حکومت کی یادگار ہیں زمانہ ولی عہدی میں ایوان صدر منزل اور بارغ حیات افزا کی تعمیر ان کی خوش مذاقی اور واقفیت فن کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہے۔

صدر نشین ہونے کے بعد متعدد عمارتیں جدید بنوائیں جن میں احمد آباد تو ایک مستقل آبادی کی تعمیر ہے جو نواب احتشام الملک بہادر (جنت آرام گاہ) کے نام نامی سے موسوم ہے۔ اور جہاں کی اکثر عمارتیں اپنے دلچسپ اور نظر افروز منظر اور موقع کے لحاظ سے بے انظیر ہیں۔ شام کے اُس ٹکھانے وقت میں جب آفتاب اپنی آخری کرنوں کے ساتھ اظہارِ ادب کرتا ہوا گوشہ مغرب میں جاتا ہے یہ عمارتیں ایک نہایت دلکش نظارہ پیدا کرتی ہیں۔

شاہ جہاں آباد اور احمد آباد کے مابین جو ڈیشل کورٹ ریلوئی کورٹ، کتب خانہ حمیدیہ، دفتر

انجیری اور متعدد جنگلوں نے ایک خاص رونق پیدا کر دی۔

اسی سلسلہ میں سڑک کے کنارے تاج المساجد کے احاطہ میں دارالشفقت (یتیم خانہ) اور مدرسہ حفاظ کی بھی آمنے سامنے سنگین و خوشنما عمارتیں ہیں۔

شہر کے مشرقی حصہ میں (جو شہر اور جہانگیر آباد کے درمیان ہے) اسٹیشن کی سڑک پر ایڈورڈ میوزیم کی عمارت سنگِ سُرخ سے بنائی گئی ہے۔ یہ عمارت بھی بھوپال کی قابلِ دید عمارتوں میں سے ہے اور اپنی متعدد خوبوں کے لحاظ سے نہایت شاندار ہے اس کے متعلق ایک وسیع احاطہ اور ایک پارک بھی بنادیا گیا ہے۔ جہاں شام کے وقت نہایت دل فریبی ہوتی ہے۔

۱۵۔ سرکار خلد مکان نے آخر عہد میں تاج المساجد کی تعمیر بڑے شوق اور بڑی ہمت سے شروع کر لی تھی اور اس کی تعمیر میں یہ امر نظر تھا کہ وہ کم از کم ہندوستان کی تمام مساجد سے وسیع اور زیادہ خوبصورت ہو۔ اس کے لئے یورپ میں نہایت دبیز بلور کے ٹھیلے بھی خاص طور پر منوائے گئے تھے۔ مسجد کے شمالی و جنوبی سمتوں میں زنانہ حصے بھی رکھے گئے۔ لیکن وہ اپنی زندگی میں اس کو مکمل نہ کر سکیں اور سرکار عالیہ نے بھی اس کی تکمیل کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ اس نہ تمام مسجد کو دیکھ کر عموماً ہر شخص کو اس بات پر حیرت ہو جاتی ہے کہ کیوں سرکار عالیہ نے اپنی والدہ ماجدہ کی اس یادگار یا خانہ خداداد کو مکمل نہ کیا۔

سرکار عالیہ نے اس وجہ کو جہاں تک ہمارا خیال ہے تقریراً و تحریراً کہیں ظاہر نہیں کیا لیکن جن اشخاص نے کہ حضورِ مہر و حر کی طبیعت و عادت کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ”اخراجات بلحاظ ضرورت“ حضورِ مہر و حر کا اصول رہا ہے اول تو مسجد کا موقع ایسا ہے کہ جس کے آس پاس نہ کوئی آبادی ہے اور نہ آبادی کا امکان ہے اور کچھ دور جہاں آبادی ہے وہاں متعدد مساجد پہلے سے موجود ہیں۔ اب اگر اس کی تکمیل میں لاکھوں روپیہ صرف کر دیا جاتا تو بجز اس کے کچھ مدعا نہ ہوتا کہ بہت سی ضروری عمارتیں اور بہت سے ضروری کام ملتوی کرنے پڑتے اور ایک شاندار عمارت تیار ہو جاتی مگر محل وقوع اور بھوپال میں مساجد کی تعداد کو دیکھتے ہوئے جس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ یا یہ کہ حکماً دوسری مساجد کو ویران کر کے اس مسجد کو آباد کیا جاتا جو پھر بھی آباد نہ ہوتی۔ اگر جمعہ کی نماز کے لئے مسجد جامع قرار دیدی جاتی تو بھی ممکن نہ تھا کہ دور و دراز فاصلہ سے جمعہ کے لئے مسلمان یہاں آتے اور اگر یہاں آتے تو شہر کی جامع مسجد ویران ہو جاتی جس کو وسط شہر اور وسط بازار میں نواب قدس سیگیم نے

پریڈیگراؤنڈ پر پہاڑی کے نیچے میٹری کلب ہے جو نظروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔
قلعہ کھنہ کے نیچے تالاب کے کنارے عہدہ داروں کے لئے آرام دہ بنگلے تعمیر ہوئے ہیں
جو خوش منظری اور موقع کے لحاظ سے بہت دل آویز مقام ہے۔
جہانگیر آباد کے اُس حصہ پر جہاں گیسٹ ہاؤس اور لال کوٹھی ہے ”منٹو ہال“ کی اولیٰ قلعہ فتح گڑھ
کے پاس پرنس آف ویلز ہسپتال کی شاندار عمارات اور جا بجا متعدد بنگلے اپنے بانی کی خوش
مذاقی کی جلوہ گاہ ہیں۔

مفصلات میں بھی ضروری عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ جاری کرایا اور بعض پُرانی عمارتوں کو درست
اور ترمیم کرایا گیا۔ اسلام نگر جو بھوپال کا قدیم دار الحکومت ہے عرصہ سے اس کی عمارتیں خراب
حالت میں تھیں اُن کی درستی کرائی اور جدید باغات نصب کئے اور اس کے مناظر کو دلچسپ بنادیا۔
ہندوستان بھر میں بھوپال کا تالاب اپنی وسعت اور منظر کے لحاظ سے بہت مشہور اور
ضرب المثل ہے اور پھر برسات کے موسم میں تو بھوپال کا چہ چہ ایک عجیب دل کش منظر میں تبدیل
ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ موسم بھی خاص طور پر خوشگوار ہوتا ہے اس بنا پر اس موسم میں اس
منظر سے لطف اٹھانے کے لئے سلاخی میں ایک یاٹ کلب کی بنیاد ڈالی گئی ریگنارڈ کشتیوں
کی ڈوڑ کا سلسلہ قائم کیا گیا اور تالاب کے اندر اس کی خوشنما عمارت بنائی گئی۔

انتظام ڈاک | حد در ریاست میں عرصہ سے ریاست کے ڈاک خانہ تھے اور سرکار خلد مکاں کے
عہد سے ان ڈاکخانوں کا باقاعدہ انتظام تھا اور بعض مقامات پر انگریزی ڈاکخانے
بھی قائم تھے لیکن باوجود گراں بار مصارف ریاست کے ڈاک خانے میں برطانوی ہند کے ڈاک خانوں
کی طرح سہولت نہ تھی اور نہ اس کا امکان تھا اس لئے سرکار عالیہ نے گورنمنٹ ہند سے تحریک کر کے
ریاست کے ڈاکخانے برطانوی ہند کے صیفہ ڈاک خانجات میں ضم کرادیئے، سٹریٹس ٹکٹ اور اختیاء
سماعت جرائم وغیرہ کے متعلق ایک معاہدہ ہو گیا۔

۱۸۵۶ء میں تعمیر کرایا ہے اور جو ہر وقت آباد رہتی ہے تعمیر مساجد کا مسئلہ دراصل نہایت نازک ہے۔ بظاہر تو ایک مسجد
کا بنانا بڑے ثواب کا کام ہے لیکن اگر موقع اور ضرورت کا لحاظ نہ تو یقیناً اس سے مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

تعلیماتِ عامہ | جس وقت عنانِ حکومت سرکارِ عالیہ کے دستِ مبارک میں تفویض ہوئی اُس وقت تعلیمِ جدید کے لحاظ سے بھوپال بالکل مُعزّا تھا اور تعلیمِ قدیم کا نظام فُرسودہ اور اذکارِ رفتہ تھا۔ اس حالت کے متعلق سرکارِ عالیہ تحریر فرماتی ہیں کہ :-

”اُن انتظامات کے ساتھ صغیرہ تعلیم پر بھی میری نظر تھی اور جس طرح کہ ریاست کی مالی مشکلات مجھے پریشان کر رہی تھیں اسی طرح رعایا کی وہ غفلت جو تعلیم سے تھی، پریشان کئے ہوئے تھی۔ اگرچہ میں پہلے سے واقف تھی کہ رعایا بھوپال کو تعلیم کی طرف مطلق دلچسپی نہیں لیکن جس وقت میں نے دورہ کیا اور مضافات و شہر کے مدارس کی کیفیت دیکھی تو مجھے سخت مایوسی ہوئی۔ تمام لوگوں کو مضافات میں کیا شہر میں بھی تعلیمِ جدید سے وحشت تھی اور جو تعلیم کا شوق رکھتے تھے وہ پڑنے اور اذکارِ رفتہ نصاب کے دلدادہ تھے یا وظیفہ کے لالچ سے قرآن مجید اور قدرے عربی، فارسی پڑھ لیتے تھے اور اگر اس سے آگے بڑھتے تھے تو نصابِ مروجہ ہی کے دائرے میں عمر تمام ہو جاتی تھی۔ مشرقی علوم کی تعلیم بھی غنیمت ہوتی۔ اگر پنجاب یونیورسٹی کی اونٹیل فیکلٹی کا نصاب رائج کر دیا جاتا اور اس میں امتحانات ہوتے۔ یا مدرسہ دیوبند ہی کی تعلیم پیش نظر ہوتی۔ حالانکہ سرکارِ خلد مکالماتِ تعلیمی اخراجات فیاضی کے ساتھ کرتی تھیں اور ان اخراجات کو ضروری جانتی تھیں۔ وظائف کی بہت بڑی تعداد تھی جس سے طلباء کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ شہر و مضافات میں متعدد مدارس تھے۔ میں نے یہ حالت دیکھ کر عزمِ صمیم کر لیا کہ جس طرح ممکن ہو گا میرے لئے رعایا کی تعلیمی حالت کا درست کرنا سب سے ضروری اور مقدم امر ہے۔ اگرچہ ان سالوں میں کوئی نمایاں اصلاح نہیں ہوئی لیکن آئندہ کے لئے تدابیر سوچنے اور غور و خوض کرنے کے واسطے اسباب دریافت ہو گئے۔“

میں نے خصوصیت کے ساتھ اس طبقہ پر نظر ڈالی جو جاگیرداران و عمائد کا تھا یا جن کو مناصب سے بے بیش قرار تھا ہیں دی جاتی تھیں لیکن جس طرح رعایا کو تعلیمِ جدید سے نفرت تھی اُسی طرح اس طبقہ میں بھی منافرت موجود تھی اور اس نفرت کے ساتھ تعصباتِ رسم و رواج کی پابندی نمائشی اور فضول اخراجات کی کثرت اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ اُس نے اخلاق و معاشرت پر

ہنایت خراب اثر ڈالنا تھا۔

بالعموم ریاستوں میں برادران ریاست کو از روئے حقوق آبائی جو گزاردہ وغیرہ ملتا ہوا اس میں رفتہ رفتہ جیسی جیسی قرابت دور ہوتی جاتی ہے کمی واقع ہوتی جاتی ہے اور خاندان کے بڑھنے سے اس گزاردہ یا معاش کی تقسیم ہوتے ہوئے نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ جس کے مورث اعلیٰ کی ایک لاکھ کی آمدنی تھی اب اس کی پانچ روپے ماہانہ آمدنی ہے اور کم ہمت لوگ اسی کو نفیث سمجھتے ہیں۔ بعض بعض کی حالت تو اس سے بھی بدتر ہو جاتی ہے اور بھیک مانگنے پر نوبت پہنچتی ہے اور وہ اپنے ان بزرگوں کے نام کو جو ایک مرتبہ والیان ملک اور جاگیرداروں کے لقب سے ملقب تھے اپنا ذریعہ معاش بناتے ہیں۔ فی الحقیقت یہ شرمناک باتیں ہیں مگر حیرت نہیں ہوتی بلکہ مسامحات ہو گئی ہے اور کوئی اس پر نظر نہیں کرتا۔“

سرکار عالیہ نے آغاز عہد حکومت میں ہی ہنایت استقلال و فیاضی کے ساتھ توسیع و اعتدال تعلیم پر اپنی توجہ مبذول کی۔ اور کامیابی کے لئے اپنے ذاتی اثر اور حکمانہ رعب تک کو استعمال فرمایا۔ بلدہ خاص میں متعدد مدارس جاری کئے گئے۔ مفصلات میں کم و بیش ہر پانچ سو کی آبادی میں مدارس جاری ہوئے اور ایسے مقامات میں جو قصبہ کی حیثیت رکھتے ہیں مڈل اسکول قائم کئے گئے غرض ہر ۲۵ مربع میل میں کہیں دو اور کہیں ایک مدرسہ کا اوسط ہو گیا۔

۱۹۱۹ء میں جبر یہ ابتدائی تعلیم کا قانون نافذ کیا گیا اور یہ تجویز کی گئی کہ اس اسکیم کا نفاذ پہلے بلدہ بھوپال میں کیا جائے اور جب یہاں کامیابی ہو تو ملک محروسہ میں وسعت دی جائے۔ بلدہ خاص میں اس اسکیم کے اجرا کا یہ اثر ہوا کہ ایک کے مقابلے میں ساٹھ اور شکر کے درمیان طلباء کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔

ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں یہ امر بھی ملحوظ رکھا گیا کہ صنعتی و حرفتی لچبھی بھی پیدا کی جائے اور اس مقصد کے لئے صنعت و حرفت کے مدرسے قائم کئے گئے جن میں ابتدائی تعلیم کے ساتھ آہنگری، بخاری، خیاطی، بید بانی گوڑ اور رنگ سازی کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔ اگرچہ ملک کی عام زبان اردو ہے تاہم ہندی تعلیم کے لئے بھی انتظام کیا گیا اور استادوں کی تربیت کے لئے ایک ٹریننگ اسکول کا اجرا ہوا۔

مفصلات میں مدارس کے لئے چند جدید عمارتیں تعمیر کرائی گئیں اور بعض قدیم عمارتوں میں ترمیم کر کے مدرسہ کے لئے موزوں بنادی گئیں۔

جو پرائیویٹ مدارس جاری کئے گئے ان کو سرکاری امداد دی گئی اور قواعد سرشتہ تعلیم کے مطابق ان کی نگرانی کا انتظام ہوا۔

وظائف و امدادِ تعلیم | باوجودیکہ ابتدا سے ملک میں طلباء سے برائے نام بھی فیس نہیں لی جاتی تھی اور تعلیمی فیاضی عام تھی بایں ہمہ سرکارِ عالیہ نے ابتدائی تعلیم کی سہولت و آسانی کے لئے غریب اور غیر مستطیع رعایا کو بکثرت وظائف عطا فرمائے۔ اشاعتِ تعلیم میں سرکارِ عالیہ کے شغف و کوشش اور فیاضی کا اس امر سے اندازہ ہوگا کہ ایک موقع پر جبکہ مدرسہ سلیمانہ کی تمام جماعتوں کے طلباء کو انھوں نے بلایا جن کی تعداد کثیر تھی تو ان کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئیں اور ہر طالب علم سے فرداً فرداً تعلیم کے متعلق سوالات کئے مگر جب یہ بات معلوم ہوئی کہ ان میں سے اکثر لڑکے محض ناداری کی وجہ سے انگریزی کلاسوں میں داخل نہیں ہو سکتے تو فی طالب علم پانچ روپے اور تین روپے ماہوار کے حساب سے فوراً وظیفے مقرر فرمادیئے۔

ایک ہزار روپیہ سالانہ غریب طلباء کے لئے صرف کتابوں کی فراہمی کے لئے منظور کیا۔ اس کے علاوہ دیگر مختلف طریقوں سے امدادیں مرحمت فرمائیں۔

مناوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے علیحدہ بجٹ مقرر کیا گیا۔ بیرون بھوپال اور بیرون ہند کی اعلیٰ اور فنی تعلیم کے لئے کثیر وظائف عطا کئے اور یہ فیاضی نہ صرف خزانہ عامرہ ریاست سے کی بلکہ ہر قسم کی تعلیمی فیاضیوں میں ڈیوڑھی خاص اور حبیب خاص کا حصہ بھی بہت کافی رہا۔ جاگیرداران و اخوان ریاست کو تعلیم پر پائل کرنے میں خاص کوششیں اور تدبیریں کیں ان کو ہر موقع پر تعلیم کی نصیحتیں کیں۔ عطیات و انعامات اور عطائے اخراجات کے ذریعے ان کی تالیفِ قلوب کی اور ایسے ذرائع بھی اختیار کئے جن سے ایک حد تک وہ حصولِ تعلیم کے لئے مجبور بھی ہو گئے۔ مستطیع اور منصب داروں کے بچوں کی غیر حاضری پر جرمانہ عائد کیا اور زر جرمانہ کو غریبوں کے وظائف میں خرچ کئے جانے کا حکم دیا۔

مذہبی تعلیم | مذہبی تعلیم کے لئے بھی ایک جداگانہ مدرسہ ہے۔ یہ طلباء بھی وظائف سے بہرہ ور
ہوتے ہیں اس مدرسہ میں دستار بندی کا باقاعدہ جلسہ منعقد ہو کر فارغ التحصیل طالب علموں
کو دستار فضیلت اور سند دی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم کا خاص خیال تھا اور ہمیشہ یہ امر مد نظر رہا کہ ترتیل و صحت کے ساتھ پڑھایا جائے
اس لئے مدرسہ حفاظ قائم فرمایا جس میں صحت و ترتیل کے ساتھ تجوید و قرأت بھی سکھائی
جاتی ہے۔

طبی تعلیم | سرکار عالیہ طب یونانی کی بہت بڑی مرتبی اور حامی تھیں۔ تمام ریاست میں یونانی
شفاف خانے جاری ہیں لیکن ان کی اصلاح پسند طبیعت اس شاخ میں بھی ترقی
کی جانب مائل ہوئی اور ایک مدرسہ طبیہ صاحبزادی آصف جہاں بیگم صاحبہ مرحومہ کے نامہائی
سے موسوم کر کے جاری فرمایا جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سرجری کی تعلیم کے ساتھ علم
نباتات پر بھی باقاعدہ لیکچر دیئے جاتے ہیں اور اس نمایاں نقص کا ایک حد تک علاج کیا گیا جس
نے طب یونانی کو باوجود بہترین علاج ہونے کے جدید فنون طبیہ کے مقابلہ میں کمزور کر دیا ہے۔
عرض سرکار عالیہ کی مختلف تدابیر اور شغف اشاعت تعلیم کی بدولت نہ صرف ابتدائی تعلیم
بلکہ اعلیٰ تعلیم کا شوق و احساس پیدا ہو گیا اور مدارس بھوپال میں ہر طبقہ کے طلباء نظر آنے لگے
۱۹۱۷ء میں جہاں ایک گریجویٹ یا شعبہ تعلیم مشرقی کا ایک بھی سند یافتہ نہ تھا وہاں اب
تناسب آبادی کے لحاظ سے بہت زیادہ تعداد مشرقی اور مغربی تعلیم یافتہ اشخاص کی محض اسی
توجہ خاص اور فیاضی عام کی وجہ سے موجود پائی جاتی ہے جن میں متعدد اشخاص یورپ کے
تعلیم یافتہ بھی ہیں اور ایک نسل جدید تعلیم حاصل کر کے ملک کے مستقبل میں حصہ لینے کے
قابل ہو گئی ہے۔

کتاب خانہ حمید سید | ابتداً سرکار خلد نشین کے زمانہ میں ایک مدرسہ کی شاخ کے طور پر
چھوٹی مٹی لائبریری قائم ہوئی تھی اور پھر اس میں نادر و نایاب کتابیں جمع
ہوتی رہیں لیکن سرکار خلد مکاں کے آخری زمانہ میں کتابوں کی بڑی تعداد مختلف طریقوں سے
تباہ ہو گئی۔

۱۹۱۳ء میں سرکار عالیہ نے اس کو از سر نو مرتب فرما کر ایک مستقل عملہ اور بجٹ معین فرمایا ہر سال مفید اور کارآمد کتابوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کے لئے ایک نہایت شاندار اور وسیع عمارت جداگانہ تیار ہو گئی ہے۔

۱۹۲۹ء میں اُس عمارت میں جو پہلے اسکول کے لئے تعمیر ہوئی تھی ایک میوزیم قائم کیا گیا۔ یہ سنگِ سرخ کی ایک خوبصورت عمارت ہے۔ جو لیڈی لینسڈون ہسپتال کے قریب سڑک پر واقع ہے اس عمارت میں علاوہ اور اشیائے نادرہ شجاعانِ ریاست کے استعمالی اسلحہ بھی رکھے گئے ہیں۔ اس کا باغ بھی بڑا پرہیزگار ہے اور ہفتہ میں دو دن تفریح عام کے لئے بند بجاتا رہتا ہے۔

آثارِ قدیمہ کی حفاظت | حدودِ مملکتِ بھوپال میں سائنچی آثارِ قدیمہ و عجائباتِ عالم میں سے ہے جہاں بدھ مذہب کے زمانہ عروج و انحطاط کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک قدیم خانقاہ ہے جس کی تاریخ سنہ ۱۰۰۰ ق م سے شروع ہوتی ہے، مختلف زمانوں کے صنعتِ تعمیر کے نمونے بھی نظر آتے ہیں اور ہندوستانی صنعتِ تعمیر پر جو بیرونی اثرات پڑے وہ بھی نمایاں ہیں۔ یہ قدیم صنعتِ تعمیر کا بیش بہا نمونہ ایک عرصہ سے ابتر حالت میں تھا سرکار عالیہ نے اس کی درستی و تعمیر کے نہایت گراں قدر اخراجات منظور فرمائے اور اس کو اُس کی قدیم شان کے ساتھ ایک بہترین حالت میں کر دیا ساتھ ہی سیاحانِ عالم کے لئے جو اس خانقاہ کی زیارت و معائنہ کے لئے آتے ہیں اس کے لئے معقول انتظام کیا گیا۔

قدیم ڈاک بنگلہ کے علاوہ ایک اور بنگلہ بھی تعمیر ہوا۔ خانقاہ تک سڑک اور سیڑیاں درست کرائی گئیں، اس کے محاذ میں تالاب اور سبزہ زار بنایا گیا۔ اسٹیشن سے دھن کوہ تک گراویلیا کے دو رویہ درخت لصب کئے گئے۔

۱۹۲۰ء میں اس میوزیم سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوا جس کو اس کے قیام میں ملحوظ رکھا گیا تھا اس لئے اس کا سامان مختلف اسکولوں میں منتقل کر دیا گیا۔

سرکار عالیہ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ بائیس ہزار سے کچھ زیادہ رقم اس کی تاریخ
کہنے کے لئے منظور فرمائی جو نہایت خوش نمائا کوں کے ساتھ اُردو انگریزی میں شائع ہوئی ہو۔
اور اس کے علاوہ متعدد مقامات میں دیگر آثار قدیمہ کی حفاظت کا کام بھی شروع کیا گیا۔



تعلیم نسواں کی ترقی اور زنانہ ادارات کا اجرا

لڑکوں کے انتظام تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ سرکار عالیہ نے لڑکیوں کی تعلیم پر بھی توجہ کی اور
متعدد مدارس جاری کئے لیکن صرف مدارس کا اجرا کافی نہ تھا بلکہ اور بہت سی ضرورتیں اور اصلاحات
بھی مد نظر تھیں اس لئے زنانہ تعلیم اور عورتوں میں ترقی تہذیب و تمدن کی اشاعت کی غرض سے
ایک نظام خاص کے ساتھ توجہ فرمائی۔

ابتداءً باقاعدہ تعلیم کے رواج اور اس کی اشاعت میں چند در چند مشکلات بھی پیش آئیں
یہاں نہ تو تعلیم سے نفرت تھی اور نہ زنانہ تعلیم کوئی اجنبی چیز تھی کیوں کہ سرکار خلد نشین اور سرکار
خلد رکاں کے زمانہ میں تسلیم کا چرچا پھیل چکا تھا، دو مدرسے و کٹوریہ اور بلیقیہ کے نام سے جاری
تھے لیکن حالت یہ تھی کہ گھروں کی تعلیم صرف قرآن مجید کے ناظرہ پڑھانے یا کہیں کہیں معمولی اُردو
پڑھانے تک محدود تھی بعض خاندانوں میں فارسی کا شوق ضرور تھا اور چند فارسی داں خواتین بھی
موجود تھیں۔ سرکاری مدرسوں میں کوئی ترقی یافتہ نظام تعلیم نہ تھا دستکاری پر بے شک زیادہ توجہ
تھی مگر وہ اس قسم کی تھی جو خاص خاص اشخاص کے پسند طبع ہوتی ہے لیکن عام گھروں اور
بازاروں میں اس کی کوئی پُرسش نہیں۔

سرکار عالیہ کو جدید مدارس کا اجرا اور ان دو قدیم مدرسوں کی اصلاح مد نظر تھی۔ چنانچہ

۱۔ تسلسل قائم رکھنے کی غرض سے اس باب میں سرکار عالیہ کی دست برداری حکومت کے بعد کے
ادارات کے قیام و ترقی کا بھی تذکرہ ہے جو حضورِ مجدد ص کی توجہات کا اثر و نتیجہ ہے۔

مسند نشینی کے تیسرے ہی سال سلطانیہ اسکول جاری فرمایا۔ مدرسہ وکٹوریہ اور مدرسہ بلقیسی میں بہت سی اصلاحات کیں اور وقتاً فوقتاً دوسرے مدارس جاری کئے۔

مدرسہ وکٹوریہ میں قرآن مجید، انگریزی (مڈل تک)، اردو، حساب، خانہ داری کے ساتھ دستکاری کی تعلیم جاری کی گئی۔ یہ مدرسہ عموماً غریب لڑکیوں کی تعلیم کا ہے جن کے کم و بیش پورے مصروف مختلف شکلوں میں ریاست کی فیاضی سے منظور ہوئے۔

مدرسہ بلقیسی میں اردو حساب کی تعلیم کے ساتھ عملی طور پر چیزوں کی ترتیب اور صفائی، ترکاری، پھول اور پھل دار درختوں کے بیج بونے، پودوں کی نگرانی وغیرہ کا انتظام کیا گیا علاوہ دوسرے طریقہ اے امداد کے تمام لڑکیوں کے وظیفے مقرر ہوئے۔

مدرسہ سلطانیہ | یہ مدرسہ انٹرنس تک اور الہ آباد کے سررشتہ تعلیم سے ملحق کیا گیا منظور شدہ انصاب کے علاوہ قرآن مجید با ترجمہ کی تعلیم قرأت کے التزام کے ساتھ اور دستکاری کی تعلیم لازمی رکھی گئی۔ ایمبولنس اور فرسٹ ایڈ یعنی زخموں کی تیمارداری اور فوری امداد کی تعلیم کا بھی ایک درجہ کھولا گیا، کامیابی کا اوسط بھی اچھا رہا۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں اس کی چند تعلیم یافتہ لڑکیاں اُستانی کی حیثیت سے کام کرنے لگیں۔ ٹریننگ کی ایک شاخ بھی کھولی گئی تاکہ معمولی نوشت و خواند جاننے والی عورتوں کو بھی مکتبوں اور مدرسوں میں تعلیم دینے کے قابل بنایا جائے اور اس طرح مکتبی تعلیم کے لئے معقول تعداد میں اسٹاف مہیا ہو جائے اور اشاعتِ تعلیم میں آسانی ہو اور جو مشکلیں معلومات کی کمیابی سے ہیں وہ رفع ہوں۔ اس درجہ میں داخل ہونے والی عورتوں کے لئے خاص وظائف بھی مقرر فرمائے گئے دو سال کا انصاب ضروری مضامین کی تعلیم کا اور ایک سال کا معلمی کی اصولی اور عملی تعلیم کا رکھا گیا۔ اس سلسلہ میں سرکار عالیہ کی ایک تقریر کا اقتباس بھی درج کیا جاتا ہے جو اسی مدرسہ میں فرمائی تھی۔ یہ اقتباس ہر جگہ خواتین کے لئے قابلِ غور ہے۔

”مجھے پہلے اس مدرسہ کے قائم کرتے وقت یہی قیاس ہو رہی تھیں اور ابھی تک میری حسبِ مرضی تعلیم کی عام اشاعت نہ ہونے میں بھی مشکلات درپیش ہیں اگر استانیوں کی تعلیم کا انتظام ہوتا اور عمدہ انصاب تیار کر لیا جاتا تو بڑی حد تک یہ مشکلیں رفع ہو جاتیں تاہم بھوپال

میں مدارس شہر کے لئے مندرجہ ذیل نے خود اسی مدرسہ کی لڑکیوں کو ٹرینڈ کیا اور ایک حد تک اس میں دقت نہیں ہوئی۔

خواتین! تمام پیشوں میں جو عورتیں اور مرد کرتے ہیں تعلیمی کا پیشہ سب سے زیادہ شریف اور اعلیٰ ہے کیوں کہ اس میں انسانوں کو بہت سے انسانوں کی سیرت اور عادات و اخلاق اور آئندہ زندگی درست کرنے کا موقع ملتا ہے لیکن انہوں نے اسے کہ استثنائی کا لفظ ہی حقیر سمجھ لیا گیا ہے اور شریف و ذی رتبہ خواتین اس پیشہ کو اپنے مرتبہ اور شرافت کی توہین سمجھتی ہیں حالانکہ اگر وہ خاتین جو زندگی کی ضروریات سے مستغنی ہیں اور ان کو وقت اور فرصت حاصل ہے اس پیشہ اور کام کو اختیار کریں تو وہ بھی اپنی بہنوں اور اپنی صنف کی بہت بڑی خدمت انجام دے سکتی ہیں اور وہ عورتیں جو اپنی مدد آپ کرنے کے لئے مجبور ہیں اس پیشہ کو اختیار کر کے ہم خرم و ہم ثواب کا مصداق ہو سکتی ہیں۔

خواتین! میں سمجھتی ہوں کہ جو نصاب تعلیم عام طور سے زنانہ مدارس میں جاری ہے وہ ہماری قومی و ملکی ضروریات کے لئے ناکافی ہے اور ہم کو ایک ایسا نصاب درکار ہے جو تمام ضرورتوں پر چاٹا ہو لیکن یہ کام ملک کے قابل ترین اصحاب کا ہے اور انہیں ہے کہ باوجود ضرورت سمجھنے کے مسلمانوں نے اس پر مطلق توجہ نہیں کی۔ اب البتہ دس سال کی کوشش کے بعد چند کتابیں تیار ہوئی ہیں جو کچھ غنیمت معلوم ہوتی ہیں مگر جب تک سلسلہ مکمل نہ ہو جائے ضرورت پوری نہیں ہو سکتی تاہم جو کچھ تیار ہو گیا ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔“

- یہی خیالات سرکار عالیہ نے مختلف مواقع کی متعدد تقریروں میں ظاہر فرمائے ہیں اور ہنوز یہی قہر مسلمان عورتوں کی تعلیم میں ہر جگہ رونما ہیں۔
- اس مدرسہ میں ایک بورڈنگ ہاؤس بھی قائم کیا گیا اور اس کے تقریباً کل مصارف صیفیہ تعلیم کے ذمہ رکھے گئے۔

اس مدرسہ کو جب سالانہ میں ایڈمیٹڈ وائر نے معائنہ کیا
مغز و زمیں کا معائنہ تو تحریر کیا کہ :-

”اس مدرسہ میں ہر بائیس کی گہری لچپی انعامے ریاست کے آئندہ نوہنوں کے لئے تعلیم یافتہ اور تیز دماغیادہ بیاں ہمیا کرنے میں بہت مفید ہوگی اور اس اسکول کے افتتاح میں

ہر ہائی ٹس کی آل انڈیائی اس لحاظ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہے کہ ریاست ہائے ہندوستان

میں اس مدرسہ کی کوئی نظیر ملنی مشکل ہے۔“

۱۹۱۸ء میں ہزارکسلیسی لیڈی چیمبر فورڈ نے معائنہ فرمایا تھا اس موقع پر اسکول کی عمارت (جو ایک نہایت عالی شان محل ہے) بڑی خوبصورتی سے آراستہ کی گئی تھی۔ اس کے صحن اور وسیع دالانوں کو پھول پتیوں، جھنڈیوں اور پھریوں سے زنانہ مذاق کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ وسط میں ایک بلند پلیٹ فارم پر سرکارِ عالیہ اور ہزارکسلیسی کی زنگار کرسیاں تھیں۔ اس کے دونوں طرف درجہ بدرجہ بیگمات اور عزیزیڈ کے لئے صوفوں اور کوچوں کی نشست تھی اور ان کے عقب میں تمام طالبات مدرسہ ایک ہی لباس میں بیٹھی تھیں۔ پلیٹ فارم کے قریب دو میزیں انعام کی منتی استیوار سے آراستہ تھیں۔ مسز بخش لیڈی سپرنٹنڈنٹ نے ایک مختصر ایڈریس ہزارکسلیسی کے سامنے پڑھا اور اس امر کا اعلان کیا کہ ”ہزار میمریل محبی کنگ اور ہر امپرل محبی کوئن کی تقریب شادی کی تقریب جو ملی پر لڑکیوں نے ماضیہ کا تحفہ پیش کیا ہے۔“

پھر اردو، انگریزی کی نظمیں سنائی گئیں۔ ریسٹیشن کیا گیا اور اس دلچپ نظارہ کے بعد ہزارکسلیسی نے انعام تقسیم کیا۔ سب سے پہلے ایک جاگیر دار کی لڑکی پیش ہوئی جو مڈل کے امتحان میں عمدہ نمبروں سے کامیاب ہوئی تھی۔ اس کو ایک سند اور مرصع پہنچیاں عطا کی گئیں دوسری لڑکی کو جو اسی سال سکند گریڈ مڈل میں کامیاب ہوئی تھی طلائی پہنچیاں مرحمت کی گئیں اور پھر درجہ بدرجہ دوسری لڑکیوں کو انعام تقسیم ہوا۔

تقسیم انعام کے بعد ہزارکسلیسی نے ایک مختصر تقریر کی جس میں لڑکیوں کے ان کاموں پر جو انھوں نے پروگرام کے مطابق انجام دیئے تھے خوشنودی کا اظہار کر کے ان کے تحفے کو خوشی کے ساتھ قبول کیا اور یہ پُر لطف دُرُٹ گاڈ سیو دی کنگ“ کے پرجوش گیت پر ختم ہوئی۔

اسی طرح سرکارِ عالیہ کی تقریباً تمام نہان خواتین نے معائنہ کیا ہے اور اپنی قیمتی رائیں تحریر کی ہیں۔

برجیسیہ کنیا پاٹ شالا ہنود کی لڑکیوں کا خاص مدرسہ ہے، جس میں ہندی، انگریزی

اور حساب کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس مدرسہ کو سرکار عالیہ نے جن وجوہ سے مختص القوم بنایا ہے وہ اُن ہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں جن سے مذہبی رواداری کے جذبات صحیحہ کا اندازہ ہوگا۔

”ہندو لڑکیوں کے لئے جداگانہ مدرسہ قائم کرنے کی مجھے ایک عرصہ سے فکر تھی کیونکہ میں اپنی رعایا کو بلا امتیاز مذہب عزیز رکھتی ہوں اور فی الواقع کسی فرمانروا کو زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنی رعایا کے مابین مذہبی رواداری یا امتیاز کو جہاں تک ترقی و اصلاح اور انصاف و امن کا واسطہ ہے جائز رکھے بلکہ ہر صورت میں مساوات قائم رکھنا چاہیئے۔ اس لئے جس طرح مسلمان لڑکیوں کی تعلیم میں مجھے شغف ہے اُسی طرح ہندو لڑکیوں کی تعلیم بھی میرا نصب العین ہے اور اگر میں خاص مذہبی ضرورتوں سے مجبور نہ ہوتی تو کبھی جداگانہ مدرسے قائم نہ کرتی۔ اگرچہ تعلیم دونوں کے لئے ایک ہی پیمانہ اور طریقہ پر ہے مگر چونکہ ابتدائی درجوں میں مذہبی تعلیم کا حصہ زیادہ ہے پس لامحالہ دونوں کو ملا کر تعلیم نہیں دی جاسکتی لہذا میں نے اس سال جہیں جہاں بیگم سلہا اللہ تعالیٰ کے عزیز نام سے موسوم کر کے ہندو لڑکیوں کے لئے ایک پاٹ شالا قائم کیا۔“

اور پھر ہندوؤں کے قومی مدرسہ جین شوٹا مبر پاٹ شالا کی غریب لڑکیوں اور لڑکوں کے لئے (۳۳) سالانہ صرف وظائف کے لئے مقرر کئے اور ہندو عورتوں کے جلسہ میں اپنے خیالات اس طرح ظاہر فرمائے :-

”میں اس موقع پر ایک بات کہنا چاہتی ہوں جو شاید آپ کو بھی معلوم ہو کہ اس وقت ہندوستان میں جہاں کہیں ہندو لڑکیوں کے پاٹ شالے مدرسے اور یتیم خانے اچھی طرح چل رہے ہیں اُن کے حالات جہاں تک میں نے دیکھے ہیں یہی معلوم ہوا ہے کہ عورتوں کی ہمت، لیاقت اور کوشش نے ان کو قائم کیا اور ترقی دی ہے۔ اکثر عورتوں نے تو اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں۔ یہ آپ کی بہنوں کی زندہ مثالیں ہیں اور مجھے امید ہے کہ بھوپال کی ہندو عورتیں بھی نیکی کے ان کاموں میں ایسی ہی ہمت اور کوشش کریں گی۔“

..... میں ایسی پرائیوٹ اور قومی پاٹ شالاؤں

وغیرہ کو بڑی عزت کی نظر سے سمجھتی ہوں کیونکہ یہ اپنی قوم کی سہروردی کا ایک ثبوت ہوتا ہے
ادرا اس سے دوسروں کے حوصلے بڑھتے ہیں۔“

مدرسہ اسلامیہ حمید یہ | فلاح اخروی کا خیال بھی ایک لمحہ کو جُدا نہیں تھا اور چونکہ خود
اعمال مذہب کی بے انتہا پابند تھیں اس لئے ہمیشہ عورتوں کی اس پابندی کی کمی کو انفس کے ساتھ
محسوس کیا اور اُس قدیم مذہبی تربیت کو جو ہر مسلمان خاندان کا ایک جوہر تھا ضائع ہوتا دیکھ کر زیادہ
رنج ہوا۔ اس احساس کی بنیاد پر بھوپال کے تمام مدارس میں اتنی مذہبی تعلیم جو ضروری ہوتی ہے
لازمی کردی اور زنانہ مدارس میں قرآن مجید ترجمہ کے ساتھ داخل نصاب فرمایا لیکن اس لزوم کا دائرہ
وسیع نہیں اور صرف بلند بھوپال تک محدود ہے۔ یہ سلسلہ ہمیشہ حضورِ مجدد ص کی توجہ کا جاذب رہا
اس لئے حضورِ مجدد ص نے بھوپال میں غوثیہ وسیع پیمانہ پر مذہبی تعلیم کے لئے ایک زنانہ مدرسہ کی
بنا ڈالنی ضروری تصور فرمائی لیکن سب سے پہلی وقت جو اس مدرسہ کے اجرا میں پیش آئی وہ یہ تھی
کہ باوجود سعی بلیغ کے چند استانیات بھی فراہم نہ ہو سکیں جو عورتوں کو مذہبی تعلیم دے سکیں اور نہ ایسی
کتابیں دستیاب ہوئیں جو بطور کورس کے پڑھائی جاسکیں تاہم ہمت عالی کا تقاضا یہی ہوا کہ ایسا
مدرسہ قائم ہی کر دیا جائے اور جو کتابیں بھی اس وقت میسر آئیں انہی سے تعلیم کا آغاز ہو چنانچہ
۵ فروری ۱۹۲۷ء = ۲ شعبان ۱۳۴۵ھ کو عورتوں کے ایک نہایت عظیم الشان جلسہ میں اس مدرسہ
کی افتتاحی رسم ادا کی گئی۔ اس موقع پر حضورِ مجدد ص نے ایک مرسوم اور پر مغز تقریر فرمائی جس کا اسم
حصہ حسب ذیل ہے:-

خواتین! ہمارا سب کا عقیدہ ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے
اور وہ زندگی ایسی زندگی ہوگی کہ جس کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے اس زندگی کی تمام تر خوشی
صرف ہمارے اُن اعمال پر ہے جن کو ہم اس دنیا میں کرتے رہے ہیں اور جن کو ہم مذہبی اعمال

۱۔ یہ مدرسہ اگرچہ دست برداری حکومت کے بعد جاری ہوا لیکن تسلسل قائم رکھنے کی غرض سے اس کا تذکرہ باب ہذا
میں مناسب نظر آیا اسی طرح مدرسہ صنعت و حرفت کی ترقی کا بیان ہے۔

کہہ سکتے ہیں مگر میں سمجھتی ہوں کہ ہماری پوری قوم مذہبی اعمال سے روگرداں ہوئی جاتی ہے، مردوں پر ایک ایسی حالت طاری ہوگئی ہے کہ جس سے اس بات کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ اگر چند سے وہ قائم رہی تو مذہب بھی خست ہو جائے گا۔ اسی حالت کا اثر عورتوں پر بھی پڑ رہا ہے جس کو میں نے جا بجا افسوس و حسرت کے ساتھ دیکھا ہے۔ بھوپال میں اس اثر کو پورے طور پر محسوس کر رہی ہوں۔ اور یہی وجہ تھی کہ اب سے دس سال پہلے آپ کے کلب کے جلسوں میں میں نے بذات خود مذہبی تقریروں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ میں نے اکثر اس بات کا خیال کیا ہوا اور اس پر غور کیا ہے کہ آج کل نئی تعلیم یافتہ نسل میں مذہب سے بیگانگی کا کیا سبب ہے میرے غور کا یہی نتیجہ ہے کہ اس کی ذمہ داری ہماری ہی صنف پر ہے کیونکہ کنب ماؤں کی زندگی میں مذہب کا احترام ہنوکا اور وہ اعمال مذہب سے بیگانہ ہوں گی تو لامحالہ ان کی اولاد پر بھی یہی رنگ چڑھے گا۔ اب سے چوتھائی صدی پہلے عورتوں میں ایک گونہ مذہبی پابندی موجود تھی اگرچہ ان میں ضعیف الاعتقادی بھی تھی تاہم وہ روزے نماز وغیرہ کی پابند تھیں مگر اب اس میں روز بروز کمی ہو رہی ہے اور بینظرہ صاف نظر آ رہا ہے کہ آئندہ نسل میں برائے نام بھی مذہب کی حرمت باقی نہ رہے گی۔

آج ہندوستان میں کہیں اور کسی جگہ بھی عورتوں کی مذہبی تعلیم پر توجہ نہیں کی جاتی اگرچہ علمائے مشائخ اور صوفیاء کے بڑے بڑے گھرانے موجود ہیں مگر وہاں بھی بے پروائی نظر آتی ہے اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ وہ قدیم تربیت بھی مفقود ہو رہی ہے جو اعمال مذہب کی پابندی کی ضامن تھی یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے اور کسی دلیل کا محتاج نہیں کہ دنیا کی گاڑی ان ہی دو پہیوں سے چلتی ہے جو مرد اور عورت کے نام سے موسوم ہیں اگر ایک پہیہ بیکار ہو گیا تو نامکمل ہے کہ یہ گاڑی چل سکے اس لئے وہ تمام قابلیتیں اور صلاحیتیں جو مردوں میں ہونی چاہئیں عورتوں کے لئے بھی ضروری ہیں۔

اسلام نے مرد و عورت دونوں کو مساوی طور پر اعمال مذہب سے مکلف کیا ہے اور ہمیشہ عورتوں نے ہر موقع پر اور ہر حیثیت سے اسلام کی عظیم الشان خدمتیں انجام دی ہیں انھوں نے اشاعت اسلام میں بھی حصہ لیا ہے اسلام کی حفاظت میں بھی وہ مردوں کے

دوش بدوش ہیں۔ سیاسی خدمتیں بھی کی ہیں اور ان کے علمی کارناموں سے تو تاریخ اسلام کے اوراق مزین ہیں وہ علاوہ علوم کے تفسیر، حدیث و فقہ میں نہایت کامل گزری ہیں جس کا سلسلہ عہد رسالت سے ہی قائم ہو گیا تھا خود کا شانہ نبوی سے اس کی مثال قائم ہوئی تھی۔ ائمہ المؤمنین اور بعض دیگر صحابیات سے بکثرت روایتیں منقول ہیں وہ صاحب فتویٰ تھیں اور فتوے دیا کرتی تھیں۔

بہت سی ایسی خواتین گزری ہیں جن کے درس میں علاوہ عورتوں کے بڑے بڑے ممتاز عالم شریک ہو کرتے تھے اور بعض خاص طور پر بلا کسی معاوضہ اور نفع کے عورتوں کو پڑھایا کرتی تھیں۔

عہد رسالت اور عہد صحابہ کے بعد جب کہ اسلام کا دائرہ وسیع ہوا اور اسلامی فتوحات کا سیلاب مشرق و مغرب تک پہنچا تو اسلام کی تمام خوبیاں بھی ان ممالک میں پہنچیں۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے تلوار کے زور سے اکثر ممالک کو مسخر کیا لیکن اسلام نے اپنی تعلیم، اپنے اخلاق و محاسن سے دلوں پر قبضہ پایا۔ اسلام ہمیشہ تعلیم اور اشاعتِ علوم کا زبردست حامی رہا ہے۔ قرآن مجید کی تمام تر تعلیم ”علم“ پر مبنی ہے۔

عہد رسالت سے لیکر جب تک مسلمان محاسن اسلام سے آراستہ رہے علم کی نشر و اشاعت اُن کا اولین مقصد رہا۔ آج یورپ جو علمی فضل و کمال کا گہرا بدار ہے اُس کی یہ آب و تاب اسلام کی ہی رہین منت ہے۔ جس طرح مسلمانوں کے زمانہ کعبہ میں مردوں میں علم کی گرم بازاری اور رونق تھی اسی طرح عورتیں بھی زیورِ علم سے مزین ہوتی تھیں۔ تمام اسلامی ممالک میں تعلیم عام پائی جاتی اور دونوں صنف اس سے مستمع تھے وہ تمدنی اور معاشرتی ترقیوں میں برابر کی شریک تھیں یہ سلسلہ امر ہے کہ کسی قوم کا تمدن و معاشرت اور کسی قوم کی ترقی اُنسی وقت ممکن ہے جب کہ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شریک ہوں کیوں کہ جب ہم قوم کا لفظ کہتے ہیں تو اس کا اطلاق مردوں ہی پر نہیں ہوتا لیکن جب مسلمانوں کا دُورِ تنزل شروع ہوا اور وہ اپنے محاسن سے عاری ہو چلے تو انھوں نے اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا تو مسلمان عورتوں کے مرتبہ اور وقار میں بھی

فرق آنا شروع ہوا اور علم کا دروازہ بھی ان پر بند کیا جانے لگا یہاں تک کہ یہ نصف حصہ قوم علم سے محروم ہو گیا۔ غیر مالک کی حالت سے قطع نظر کہ صرف ہندوستان پر ہی نظر ڈالئے کہ اس گزشتہ صدی میں عورتوں کی جہالت کس حد تک پہنچ گئی تھی میں اور علوم کا تذکرہ نہیں کروں گی صرف علم مذہب ہی کو لیجئے اس وسیع خطہ ہندوستان میں باوجودیکہ ہر جگہ مذہبی علم کا چرچا رہا۔ بڑے بڑے علمی مرکز قائم ہوئے لیکن عورتوں کی مذہبی تعلیم سے غفلت برتی گئی۔ اور میں کہوں گی کہ جان بوجھ کر اور ارادتاں ان کو مذہبی علم سے محروم کیا گیا کہ آج ہم کو وہ عورتیں جو تفسیر و حدیث سے واقف ہوں اس تعداد میں بھی نہیں مل سکتیں جن کا شمار انگلیوں پر ہو سکے۔ اگر اس طبقہ میں مذہبی تعلیم ہی ہوتی تو جولا مذہبی نظر آ رہی ہے نظریہ آتی شاید ان ہی کی تربیت سے کچھ تو اولاد پابند مذہب ہوتی اور وہ مذہب کی محافظ بن جاتیں۔ کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ ہماری صنف ایسی ضروری تعلیم سے اس قدر بے بہرہ ہو کہ کروڑوں کی آبادی میں چند افراد بھی نظر نہ آئیں اس لئے یہ مدرسہ اسلامیہ اس بڑے نقصان کو کسی نہ کسی حد تک ضرور پورا کرے گا اور ہم کو امید ہے کہ ہماری خواتین مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مختلف طریقوں سے اس کی اشاعت میں کوشش کریں گی اور زیادہ تر مذہبی معلمات کے فرائض انجام دیں گی۔

اس میں شک نہیں کہ اس مدرسہ کے ابتدائی انتظامات میں ضرورتیں ہوں گی اور ابتدائاً ذریعہ تعلیم صرف اردو زبان ہوگی۔ لیکن رفتہ رفتہ فارسی اور عربی میں بھی انتظام ہو جائے گا۔

اس تقریر کے ساتھ مدرسہ حمیدیہ اسلامیہ کا آغاز ہوا اور ایک سال کے اندر امید سے زیادہ لڑکیاں داخل ہو گئیں لیکن یہ ابتدائی تعلیم کا درجہ تھا۔

سرکار عالیہ نے ثانوی تعلیم کا اجرا بھی ضروری تصور فرمایا کیونکہ ابتدائی درجہ کی طالبات کے لئے کئی کئی برس انتظار کی ضرورت تھی کہ وہ اس سطح نظر پہنچیں اس لئے سرکار عالیہ نے ان چند لڑکیوں کا انتخاب کیا۔ جنہوں نے مڈل پاس کر لیا تھا۔ پھر ثانوی تعلیم کے اجراء کے لئے اعلیٰ حضرت اقدس فرمانروائے بھوپال دام اقبال کی سالگرہ کا مبارک موقع

انتخاب کیا گیا جو ۱۰ ربیع الاول ۱۲۳۶ھ = ۸ ستمبر ۱۹۱۷ء کو ایک شاندار جلسہ میں جاری ہوئی۔

ایک شاندار جلسہ افتتاح | ۴ بجے سرکار عالیہ کی صدارت میں جلسہ کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے مدرسہ کی ہئتمنہ نے تقریر کی جس میں سالانہ رپورٹ اور طالبات کی تعداد وغیرہ کے بعد حضور سرکار عالیہ سے درخواست تھی کہ آج تبرکاً لڑکیوں کا پہلا سبق خود حضور پڑھائیں جس کے جواب میں سرکار عالیہ نے ان طالبات کی ہدایت مؤثر طریقہ سے حوصلہ افزائی کی جنہوں نے مڈل پاس کرنے کے بعد بجائے اس کے کہ انٹرنس کی پڑھائی شروع کرتیں یا تعلیم ختم کر کے گھر کے مشاغل اختیار کرتیں علم دین حاصل کرنے کو سب پر ترجیح دی۔ لیکن سب سے زیادہ مؤثر حضور مدوحہ کے یہ حسرت آمیز الفاظ تھے:-

”کاش اس وقت ہماری قوم میں کوئی محدث، مفسر، عالم، فقیہ خاتون ہوتیں کہ وہ اس مبارک تعلیم کا آغاز کرتیں۔“

اس کے بعد مہمانوں کو کچھ سائنس کے تجربے اور کرشمے دکھائے گئے۔

سرکار عالیہ کا درس مذہبی | پھر سرکار عالیہ نے سب لڑکیوں سے قرآن مجید سنا اور سنیل الجناں کا پہلا سبق دے کر انہیں اپنے علم پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی۔ اس سبق میں نواب گوہر تاج بیگم عابدہ سلطان، صاحبزادی صاحبہ سلطان بیگم، رابعہ سلطان بیگم بھی شریک تھیں۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس نے خلفائے راشدین کے زمانہ کی یاد دلوں میں تازہ کر دی۔ جن آنکھوں نے یہ سماں دیکھا وہ کبھی اتنا عمر سے فراموش نہیں کر سکتیں کہ ایک حلیل الشان خاتون جس نے منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوتے ہی ہر قسم کی ثروت و دولت، اقتدار و عظمت کی اس وقت تک نہ ہتر بہاریں دیکھی ہوں اور جس کے سر پر چپس برس کامل چتر شاہی رہ چکا ہو اور جس نے وہ چتر شاہی خود اپنے دست مبارک سے اپنے فرزند دلبند (جس کو فطرت نے روشن ضمیری، بیدار مغزی، حب الوطنی جیسی صفات

۱۷ اقتباس از روڈ اور تہ بلقیس بیگم صاحبہ استانی مدرسہ حمیدیہ -

۱۸ سرکار عالیہ کی مصنفہ کتاب -

کا مجموعہ بنایا ہو) کے سر پر رکھ کر اپنی زندگی ملک و قوم اور مذہب کی خدمت کے لئے وقف کر دی ہو ایک مجمع میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سنت کو اس طرح ادا کرے کہ طالبات کا ایک حلقہ ستاروں کی طرح اس کے گرد ہو اور وہ اُن پر ماہِ کامل کی طرح خورشید ہو خوش نصیب اُن لڑکیوں کے جنہیں سرکارِ عالیہ کی شاگردی اور شہزادیوں کے ہم سبق ہونے کی عزت حاصل ہوئی۔

اس کے بعد چار لڑکیوں نے ایک صف میں کھڑے ہو کر سورۃ النّاس کو قرأت اور خوش الحانی سے تلاوت کیا اور یہ دلچسپ اور مبارک جلسہ ختم ہوا۔

صنعت و حرفت اُناٹ | ان مدارس کے علاوہ عورتوں کے لئے ایک صنعتی مدرسہ بھی جاری کیا گیا جس کے اغراض و مقاصد دوسرے کارِ عالیہ ہی کے الفاظ میں یہ تھے :-

”وہ جاہل اور بے ہنر عورتیں جو وارث اور والی نہ ہونے سے اپنے اور اپنے بچوں کے گذارہ کے لئے محتاج ہو کر اپنی زندگی بے انتہا مصیبتوں میں بسر کرتی ہیں دراصل بہت زیادہ قابلِ رحم ہوتی ہیں اور ایسی عورتیں اس طبقہ میں اکثر پائی جاتی ہیں جن کے مردوں کا دار و مدار محنت و مزدوری یا ملازمت پر ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ مردوں کے مرنے یا ناقابلِ کار ہو جانے کے بعد کثیر العیالی کے سبب کوئی اور ذریعہ روزی کمانے کا باقی نہیں رہتا۔ اس لئے مجبوراً اگر سگی اور فاقہ کشی برداشت کرنی پڑتی ہے جس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کی ایک تعداد کثیر یا تو جراثیمِ پیشہ ہو جاتی ہے یا فاقہ کشی کی مصیبتیں اس کو موت کے کنارے کھینچ کر ڈال دیتی ہیں۔

بھوپال میں بھی اس قسم کی بے ہنر عورتوں کی کمی نہ تھی لیکن ان پر وہ صعوبتیں نہ تھیں جو عام طور پر دوسری جگہ پائی جاتی ہیں اور اس کی وجہ صرف زنانہ حکومت کی فیاضی اور بااختصاص نوابِ قدسیہ بیگم اور والدہ کرمہ سرکارِ خلد مکاں کی وہ اعلیٰ اور شہسور فیاضی و رحمدلی تھی جس کی یاد ہمیشہ باقی رہے گی مگر فقر و فاقہ کو کسی فیاض کی فیاضی نہیں روک سکتی اور نہ داد و دہش۔ وہ اصلی مصیبتیں جو افلاس کا نتیجہ ہیں دُور کر سکتی ہیں کیونکہ اس قسم کی فیاضی اور داد و دہش

سے لوگ اپنے آپ کو خود نکلتا اور اپنا ہیج بنا لیتے ہیں اور معاش کا بار خزانہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اور یہی سبب تھا کہ میں نے ریاست میں ایک بڑا گروہ اس قسم کی عورتوں کا پایا اس لئے مجھے سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ میں اور اصلاحات کے ساتھ اس طبقہ کی بھی اصلاح کروں تاکہ آئے دن کی مصیبتوں میں کچھ تو کمی ہو میں نے بھوپال کی ایسی عورتوں کے لئے ایک ایسا مدرسہ جس میں ضروریات روزمرہ میں کام آنے والی چیزوں کی صنعتی تعلیم دی جائے قائم کرنا تجویز کیا تاکہ وہ اس میں صنعت و حرفت سیکھ کر کچھ نہ کچھ اپنی مدد کر سکیں۔

یہ مبارک و اعلیٰ جذبات ہندو دی و راصل حمیت خداوندی ہیں جن سے خوش قسمت مخلوق ہی بہرہ مند ہوتی ہے۔ وقتاً فوقتاً اس اسکول کو ترقی دی گئی اور ۱۹۲۶ء میں اعلیٰ حضرت فرمانروائے بھوپال کی سالگرہ مبارک کی تقریب سعید پر جدید اسکیم نافذ ہوئی جس میں دستکاری کے سلسلہ کو وسیع کیا گیا، فٹاشنی، مصوری، چینی و جاپانی نقش و نگار، چمڑے کے کام، صابون عطرسازی تک وسعت دی گئی۔ سائیکل طریتیہ سے اجار، چٹنیاں، مٹھانی بنانے کے لئے ایک خاص شعبہ کھولا گیا مختلف مدارس کی طالبات کے لئے حفظانِ صحت، بچوں کی خبرگیری، خانگی تیمارداری، عام تندرستی، گرل گائیڈ، اور ایم بولنس کا اضافہ ہوا۔ یہ اسکیم قیام لندن کے زمانہ میں سرکار عالیہ کے پیش نظر تھی۔

یہ اسکول اور یہ اسکیم سرکار عالیہ کے اُن جذبات عالیہ کے مظہر ہیں جن کو حضورِ محمد و ص نے بایں الفاظ اس موقع پر ظاہر فرمایا تھا:-

کون انکار کر سکتا ہے کہ انسانی مصائب میں سب سے زیادہ مصیبت افلاس ہے اور افلاس بھی اس صنف کا جو بے کس و بے یار و مددگار ہو اس لئے یہ سب سے بڑی نیکی ہے کہ ان کی مصیبتوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

۱۹۲۷ء اگرچہ سرکار عالیہ نے اپنے زمانہ حکومت میں اس انسٹی ٹیوشن کے لئے گراں قدر امداد منظور فرمائی تھی لیکن اس کی توسیع کے لحاظ سے اعلیٰ حضرت فرمانروائے بھوپال نے اس موقع پر چھ ہزار روپیہ سالانہ کا اور اضافہ فرمایا۔

ان مدارس نے کافی طور پر ترقی کی۔ اسٹاف کی عمرگی کی نسبت تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کیوں کہ سرکار عالیہ کا انتخاب والطاف اور بیش قرار شاہرات اس عمرگی کے ضامن رہے طالبات کی تعداد بھی کافی طور پر ترقی کر گئی۔ دستکاری میں یہاں کے مدارس نے مختلف نمائشوں سے تمغے اور سندیں حاصل کیں۔ وقتاً فوقتاً زنانہ فینسی بازاروں میں جو یہاں قائم کئے گئے ان لڑکیوں کی دستکاری کی چیزیں بھی لگیں جو قبولیت عام کے ساتھ فروخت ہوئیں اور اس طرح اس دستکاری سے عملی فائدہ بھی حاصل ہوا۔ چنانچہ سالہ ۱۹۱۷ء میں زنجیوں کی امداد کے لئے اور سالہ ۱۹۱۸ء میں اور ڈسے کے موقع پر صرف مدرسہ سلطانہ ہی کی لڑکیوں کے بنائے ہوئے سامان سے تیرہ سو روپے چندہ میں دیئے گئے۔

ان مدرسوں کو ہمیشہ ریاست کی معزز ہمان خواتین جو تقریباً ہر قوم و ملت کی ممبر ہوتی ہیں ایسے سادہ طریقوں پر معائنہ کرتی رہتی تھیں جس سے معائنہ کا مشا بخوبی حاصل ہوتا ہے اور کبھی ان ہمانوں کے ہاتھ سے انعام بھی تقسیم کرائے جاتے ہیں۔ اکثر خاص ہمانوں کی آمد کے موقع پر خاص اہتمام بھی ہوتا ہے۔ اسکول کی بڑے تکلف سے آرائش ہوتی ہے۔ ایڈریس پیش ہوتے ہیں۔ تقریریں کی جاتی ہیں۔ لڑکیاں ایک ہی قسم کے لباس میں ہوتی ہیں۔ ریسٹیشن ہوتے ہیں۔ اردو، انگریزی کی نظمیں سنائی جاتی ہیں۔ غرض ان تمام باتوں میں مدرسہ کی تربیت و تہذیب کا ایک خاص اثر معائنہ کرنے والوں کے دل پر ہوتا ہے۔ ان مدرسوں کو اور خصوصاً سلطانہ اسکول کو معزز وزیٹروں کے استقبال کے متعدد مواقع مل چکے ہیں جن میں لیڈی ہنڈو، لیڈی ہارڈنگ، لیڈی چیپفورڈ، لیڈی ریڈنگ، لیڈی اردن، بیگم صاحبہ ججیرہ، ہمدانی صاحبہ، پدوکوٹ، لیڈی مسٹن، لیڈی اوڈوائر، لیڈی ڈین اور سرنالڈو کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان خواتین نے ہمیشہ اسکول کی تعریف اور لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ سرکار عالیہ کی اس فیاضانہ ہمدردی کا اعتراف کیا ہے جو ان سب نتائج حسنہ کا سرچشمہ ہے۔

سرکار عالیہ کو ان مدرسوں کے ساتھ ایک عجیب قسم کا شوق و شغف تھا اور جب موقع ہوتا تو سرکاری تقریبات میں ان طالبات کو شریک کرتیں۔ اور کبھی خود بھی دعوت قبول فرماتیں اور لڑکیاں اپنی عقیدت و محبت کا جہاں تک ممکن ہوتا پرجوش استقبال کی صورت میں ایک پُر لطف

نظارہ دکھلاتیں۔ سرکار عالیہ تمام طالبات سے ذاتی طور پر تعارف رکھتی اور شفقت و عطف و مہذول فرماتی رہتی تھیں اور نہ صرف موجودہ حالت بلکہ آئندہ زندگی کے سود و بہبود کا بھی خیال رکھتیں اور اس میں اگر ضرورت ہوتی تو اپنے اثر کو بھی کام میں لاتیں۔

در بار اور پارٹی | جس زمانہ میں کہ سرکار عالیہ زنانہ اشاعتِ تعلیم اور مدارس میں لڑکیوں کے زیادہ داخل ہونے کی کوشش فرما رہی تھیں اور ہر گونہ ترغیب و تحریص سے کام لے رہی تھیں تو ایک مرتبہ بنفس نفیس سلطانینہ اسکول کی طالبات کا امتحان لیا اور پھر مخصوص طور پر ان کی حوصلہ افزائی کے لئے ایک زنانہ دربار منعقد فرمایا۔ تقریباً ہر ملک میں درباروں کو مردوں ہی کے ساتھ خصوصیت ہے لیکن سرکار عالیہ نے اپنے ملک کی عورتوں کو بھی اس خصوصیت میں شریک کر لیا اور اس کو اپنے مقاصدِ تعلیم کا ایک ذریعہ بنایا۔

اپنی نوعیت و عظمت اور مقصد کی عمدگی و اہمیت کے لحاظ سے اس دربار کی مثال صرف سرکار عالیہ ہی کی ذاتِ اقدس سے اُن ہی کے دورِ حکومت میں قائم ہوئی۔

ایوانِ صدر و منزل اگرچہ ہمیشہ آراستہ رہتا ہے لیکن اس روز خاص طور پر آراستگی کی گئی تھی۔ شہ نشین اور وسیع دالالوں میں کارچوبی فرش اور بیش بہا قالین بچھے ہوئے تھے شہ نشین میں سرکار عالیہ کی طلائی کرسی تھی اور اس کے برابر دونوں طرف بیگاتِ خاندان شاہی کی نشست تھی۔

برابر والی شہ نشین کی محرابوں میں یورپین لیڈیز کے لئے اور دالالوں میں دیگر معزز خواتین کے لئے بہ لحاظ مراتب اور گیرائی میں مدرسہ کی لڑکیوں کے واسطے نہایت قرینہ سے کرسیاں بچھائی گئی تھیں شہ نشین اور صدر دالالوں میں اور مدرسہ درویوں کی کرسی پر مٹھی سنہری کام کے غلشنے پڑے ہوئے جگمگا رہے تھے۔ مشرقی جانب دالالوں میں نہایت تکلف کے ساتھ رلیفر شمنٹ کا انتظام کیا گیا تھا اور انواع و اقسام کے تازہ فواکہ اور ہندوستانی و انگریزی مٹھائیاں میزوں پر چھنی گئی تھیں۔ مدرسہ کی جہتسمہ کی طرف سے پانچ سو انوٹیشن کارڈ اراکین و معززین عہدہ داروں کی خواتین اور یورپین لیڈیز کے نام جاری کئے گئے تھے۔

وقتِ معینہ پر چار بجے سرکارِ عالیہ شاہانہ لباس اور جی، سی، آئی، ای کی روب اور منغہ سے مزین ہو کر نہایت عظمت و شان سے تشریف فرما ہوئیں اور بینڈ نے (جو صدر دروازہ کی بیرونی گیلری میں قائم کیا گیا تھا) سلامی ادا کی۔

سرکارِ عالیہ جب اپنی کرسی پر ٹکٹن ہو گئیں تو ہتھمہ مدرسہ نے اجازت حاصل کر کے مدرسہ کی سالانہ رپورٹ سنائی۔ رپورٹ ختم ہونے کے بعد سرکارِ عالیہ نے کرسی سے ایتادہ ہو کر ایک نہایت مختصر تقریر فرمائی مگر اس موقع کے لئے ایک اور فصیح تقریر بھی مُرتب تھی جس میں نتیجہ امتحان پر مسرت ظاہر کی گئی تھی اور پند و نصائح اور ترغیب و ضرورتِ تعلیم نسواں پر زور دیا گیا تھا چونکہ اُس دن طبع مبارک ناساز تھی اس تقریر کو ایک خاتون نے سنایا۔

تقریر ختم ہونے کے بعد ہتھمہ مدرسہ نے ترتیب سے انعام پانے والی لڑکیوں کو سرکارِ عالیہ کے حضور میں پیش کیا اور سرکارِ عالیہ نے اپنے دستِ مبارک سے انعام مرحمت فرمایا۔ تقسیم انعام کے بعد سرکارِ عالیہ محل کے دوسرے حصہ میں تشریف لے گئیں اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے معمولی اور سادہ لباس میں ہمانوں کے ساتھ شریک ہوئیں اور ہر ایک ہمان سے عذوفت شاہانہ اور الطاف خسروانہ کا اظہار کیا اور نہایت شگفتہ دلی اور اخلاق کے ساتھ اُن سے تعلیم وغیرہ کے متعلق باتیں کرتیں رہیں۔

بھوپال میں سرکارِ خلد مکاں نے ۱۹۹۲ء میں عورتوں کو طبی امداد دینے کی طبی تعلیم و امداد اور لیڈی لینڈون کی یادگارِ محبت قائم کرنے کے لئے ایک شفاخانہ جاری کیا جو کامیابی کے ساتھ قائم ہے لیکن عورتوں اور بچوں کی طبی امداد کے متعلق سرکارِ عالیہ کی نظرِ بڑی وسیع تھی ان مسائل پر صد ہا کتابیں مطالعہ اقدس سے گزریں ڈاکٹر اور اطیباء سے اکثر ان کے امراض پر گفتگوئیں ہوئیں۔ بہت سے ایسے حادثات کا علم ہوا جو محض عورتوں کی غفلت و جہالت اور اصولِ تیمارداری سے ناواقفیت کا نتیجہ تھے اس لئے کیونکر ممکن تھا کہ وہ دل جس کو اپنی صنف کی ہمدردی سے فطرت نے ملو کر دیا ہو ان حالات سے مضطرب نہ ہو۔

سرکار عالیہ نے ان ضرورتوں کو محسوس کر کے نہایت فیاضی و توجہ کے ساتھ ایسے مختلف انتظامات کئے کہ عورتیں اور بچے ان تکالیف سے محفوظ رہیں۔ سب سے پہلے ایک نرسنگ اسکول کا اضافہ کیا۔ اس تعلیم کی اہمیت کی نسبت اختراقبال میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

”مریضوں کے لئے جس طرح قابل طبیب و ڈاکٹر اور بہتر ادویات کی ضرورت ہے اسی طرح باقاعدہ اور عمدہ تیمارداری ضروری چیز ہے لیکن ہندوستان میں اس ضروری چیز پر بہت کم توجہ ہوتی ہے اور عموماً دیکھا جاتا ہے کہ تیمارداری نہایت بے فائدہ اور خراب طریقہ سے کی جاتی ہے۔“

میں نے جہاں تک غور کیا اس کی وجہ طریقہ تیمارداری سے عدم واقفیت ہوتی تھی اور کو یورپ نے بجائے خود ایک مستقل فن بنادیا ہے جس کو عورتیں باقاعدہ طور پر چال کرتی ہیں اور وہ اُمر اور خوش حال آدمیوں کے گھروں میں نرس کی خدمت بجالاتی ہیں اور چون کہ وہ اسی کے ساتھ اور دوسرے زنانہ فنون میں دستگاہ کھتی ہیں اس لئے اکثر بچوں کی پرورش و تربیت بھی اُن ہی کے سپرد کی جاتی ہے اس کے علاوہ تمام یورپین عورتیں خواہ وہ کسی درجہ کی ہوں اس کام سے کچھ نہ کچھ واقف ہوتی ہیں اور یہ واقفیت زیادہ تر ان کی تعلیم کا نتیجہ ہوتی ہے اور اعلیٰ مرتبہ کی لیڈیاں اس کو نہایت شوق سے سیکھتی ہیں لیکن ہندوستان میں یہ قابلیت مفقود ہے۔ نہ یہاں نرسنگ اسکول ہیں اور نہ عورتوں کی تعلیم اس درجہ عام اور ترقی پر ہے کہ وہ بطور خود واقفیت پیدا کر لیں اس لئے تیمارداری کی خرابی کا آخری نام ”موت“ ہے۔

یہ مدرسہ لیڈی منٹو کے نام سے موسوم ہوا۔ پانچ برس سے زیادہ عمر کی لڑکیاں داخل کی گئیں اور عموماً سب کو وظیفہ عطا کیا گیا۔

تعلیم دایہ گری | اسی اسکول کے ساتھ دایوں کی تعلیم کا انتظام کیا اور ایک درجہ و کٹوریہ میوریل اسکالرشپ کلاس کے نام سے قائم فرمایا۔ اس انتظام میں بہت مشکلات پیش آئیں۔ انتظام کی تو فوری ضرورت تھی کیوں کہ ولادت تو روز ہی ہوتی ہے اور تعلیم کے لئے ایک عرصہ درکار تھا لہذا یہ انتظام کیا گیا کہ وہ دایاں جو موروثی طور پر پیشہ کرتی ہیں

روزانہ لیڈی ڈاکٹر کے پاس حاضر ہو کر کچھ زبانی تعلیم حاصل کریں اور اپنی لڑکیوں کو ابتدا سے کلاس میں داخل کریں۔ پانچ سال میں بہت سی پیشہ ور دایوں نے اس اسکول میں تعلیم حاصل کی اور پچھتر سلسلہ قائم ہو گیا۔ یہ انتظام نہ صرف شہر کے لئے کیا گیا بلکہ مضافات سے بھی پیشہ ور دایوں کو طلبہ کر کے داخل کیا گیا۔ تعلیم کے بعد دایوں کو سند بھی دی جانے لگی اور غیر سند یافتہ دایوں کو کام کرنے کی قطعی ممانعت کر دی گئی۔ اس طرح تھوڑے عرصہ میں دایوں نے اپنی خاصی تعلیم حاصل کر لی جن کو ماہانہ وظائف بھی دیئے گئے۔

دایوں کے امتحان میں ریاست کی لیڈی ڈاکٹر کے علاوہ اچینی سرجن کو بھی شریک کیا گیا۔ ہر ضلع میں اور ہر بڑے مقام میں گشتی لیڈی ڈاکٹروں کا انتظام ہوا جو عام حفظانِ صحت علاج معالجہ اور دایوں کی نگرانی ہیں۔

دایوں کے انتظام سے جس قدر فائدہ عورتوں کو ہوا ہوگا اس کا اندازہ وہی کر سکتی ہیں لیکن مردوں نے بھی اس انتشار سے نجات حاصل کی جو جاہل دایوں کے باعث ہر گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ سرکار عالیہ اس تذکرہ میں فرماتی ہیں :-

”مستورات ہند کو فی الواقع جاہل دایوں کے ہاتھ سے بھی کچھ کم نقصان نہیں پہنچتا اکثر مملکت

امراض بخوٹی سی بے احتیاطی سے پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر تمام عمر ان کا ازالہ مشکل ہوتا ہے

عموماً ولادت کے وقت اور نسائی امراض کے معالجہ میں ہوشیار دایوں کی سخت ضرورت

رہتی ہے۔“

غریب بچوں کی پرورش اور ان کی صحت کی نگرانی کے لئے سلاسلہ میں الغینٹ ہوم |
الغینٹ ہوم قائم فرمایا جو زنانہ ہسپتال کے ہی سلسلہ میں ہے۔ لیڈی ہارڈنگ نے اس کا سنگ بنیاد رکھا اور وہ ان ہی کی یادگار میں بنایا گیا۔

سینٹ جان ایمبولنس کے نصاب تعلیم | ان انتظامات میں وقتاً فوقتاً اضافے ہوتے رہے علاوہ بریں مدارس انانٹ میں سینٹ جان ایمبولنس کے نصاب کے مطابق لیکچروں کو لازمی قرار دیا۔ اور لیڈیز کلب میں ایک مڈرس اسکول قائم کیا جس میں عورتوں اور بچوں کی بہبودی کے کاموں میں فرسٹ ایڈ واکچر، فرسٹ ایڈ ٹرینین ۛ

ہوم سٹینک، ہوم ہائی جین، ہوم سٹیشن، مدرس ٹریننگ اور میٹرنٹی کی تعلیم جاری کی گئی اور تقریباً وہی نصاب رکھا گیا جو سینٹ جان ایمبولنس ایسوسی ایشن کی انڈین برانچ شملہ نے مقرر کیا ہے پھر اس کے امتحانات کا باقاعدہ سلسلہ قائم ہوا اور پچھنسی سرجن متحن مقرر کئے گئے ان کلاسوں میں عمائدین و عمدہ داران ریاست اور شرفائے شہر کی خواتین ہنایت شوق کے ساتھ داخل ہوئیں اور ان کی قابل ٹیچر کو سلسلہ ۱۹۲۳ء میں سینٹ جان ایمبولنس کی کونسل نے انڈین برانچ میں آمریری لائف ممبر منتخب کیا اور اسے نے بطور اظہار خوشنودی اپنا دستخطی سرٹیفکیٹ عنایت کیا۔

۱۹۲۶ء میں ان کامیاب خواتین کی تعداد ۷۷ تھی ان میں سے فرسٹ ایڈوائس اور ٹریننگ کی کامیاب طالبات کو سینٹ جان ایمبولنس سے تمنے اور سرٹیفکیٹ دیئے گئے۔

گرل گائڈز جب اختتام جنگ عظیم کے بعد انگلستان میں عورتوں کی حربی خدمات کی قابلیت اور استعداد کی وجہ سے جو انھوں نے اس جنگ عظیم میں نمایاں کی تھی۔

گرل گائڈز کا نظام قائم ہوا تو اسی نظام کے ماتحت چند سال ہوئے کہ ہندوستان میں بھی یہ تحریک شروع ہوئی۔ سرکار عالیہ نے بھی اس کو مفید سمجھ کر بھوپال میں رائج کیا۔ ایک کمیٹی قائم ہوئی جس میں حضور مدد صاحب نے ایک لچسپ تقریر ارشاد کی جس کے اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ ان اقتباسات سے اس تحریک کے افادہ اور سرکار عالیہ کی وسیع النظری اور تحریک کی کامیابی کے متعلق بلند اور زبردست مشوروں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ سرکار عالیہ نے فرمایا کہ :-

میں نے گرل گائڈز کی تحریک کو جب سے کہ پہلی ہی مرتبہ اس کا نام زبان پر آیا ہے ہنایت نوجوان اور لچسپی کے ساتھ دیکھا ہے یہ تحریک حقیقت میں ایک ایسی ضروری چیز ہے کہ جو کوئی لڑکی کی صحت کو عزیز رکھتا ہوگا اور جس کی یہ خواہش ہوگی کہ ان میں ایک صحیح اصول پر حیرت و ہمت۔ باہمی ہمدردی و اتحاد و ارتباط پیدا ہو اور ان صفات کو ایک صحیح نظام کے تحت میں لایا جائے تو یقیناً وہ اس تحریک کا خیر مقدم کرے گا۔ میں نے بقدر امکان اپنے صنعتی مسائل پر ہمیشہ غور کیا ہے اور میں اپنے اوقات فرصت میں تاریخ اسلام کا بھی مطالعہ کرتی رہی ہوں میں کہہ سکتی ہوں کہ مسلمانوں کے زمانہ عروج و اقبال میں اور خود اسلام کے دورِ آغاز

میں مسلمان عورتوں اور ہماری صحابیہ کرم نے یعنی جن عورتوں نے ہمارے رسول مقبول صلیم کا زمانہ دیکھا اور اسلام کی ترقی میں کوششیں کیں اس جرأت و ہمت، بہادری و ہمدردی اور ارتباط و اتحاد باہمی کی برکثرت مثالیں پیش کی ہیں۔

خود بھوپال کی تاریخ عورتوں کی ان صفات سے مزین ہے۔ ایران میں بھی ایک زمانہ گزرا ہے کہ مسلمان عورتوں کی سب سے بڑی تعریف یہی تھی کہ ان میں اس قسم کے اوصاف موجود ہوں۔ بغداد میں خلفائے عباسیہ کی تمام کنیزیں اسلحہ سے آراستہ رہتی تھیں شاہان تیموریہ کے یہاں شاہی محلات کی پاسبانی کا کام مسلح عورتوں سے متعلق تھا اور اس زمانہ میں بھی یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ سلطنتِ ٹوکی کی حفاظت اور اُس کی نئی زندگی میں عورتوں کا ہی زبردست حصہ ہے جہاں کہ انھوں نے میدانِ جنگ میں سپاہیوں اور قلیوں کے کاہلوں کو فوجی ترتیب اور ڈسپلن کے ساتھ انجام دیا۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کے لئے یہ کوئی اجنبی چیز نہیں ہے بلکہ میں تو یہ کہتی ہوں کہ نہ صرف اسلام بلکہ ہر زمانہ کی قوموں کی ترقی میں عورتوں کی انہیں صفات کا جلوہ نظر آتا ہے لیکن جس طرح کہ دنیا کے تمام کام ایک ضابطہ اور نظام کے ساتھ ترقی پا رہے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کے ان اوصاف کو نشوونما اور بچلے اور منضبط کرنے کے لئے چند اصول و قواعد کی ضرورت ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ اسی ترقی کو ہم گول گاڈ کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ میں نے بسا اوقات غور کیا ہے اور اسی غور کا یہ نتیجہ نکلا کہ مدارس بھوپال میں بوائے اسکاؤٹ کے ساتھ میں نے اپنے محل میں گول گاڈ کو خود اپنی رائے سے اور اپنے طریقوں کے مطابق جاری کیا اور اس سے کسی قدر وسیع معیار پر نواب گوہر تاج بیگم اور اُن کی دونوں چھوٹی بہنوں ساجدہ سلطان اور رابعہ سلطان کی تربیت جاری کی ہے۔ ہمارے چھوٹے سے اسکول کی لڑکیوں کو یہ تربیت مس کوہن نے دی اور حسب اپنی قابل دوست مس رچرڈ سے اس تحریک کے متعلق تبادلہ خیال ہوا تو مجھے اور زیادہ توجہ ہوئی۔ میں نے بڑودہ میں بھی علی شکل میں اس تحریک کو دیکھا ہے اور مجھے مسرت ہے کہ ہزبائی انس ہمارا جگہ لیکو اڑکی توجہ اور دلچسپی سے وہاں کامیابی ہو رہی ہے۔

جہاں تک میری معلومات ہیں غالباً ہندوستانی ریاستوں میں بڑودہ کے سوا بھی

اوپر یہ تحریک جاری نہیں ہوئی اور اس لحاظ سے بھوپال کو ہم دوسرے درجہ پر کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ایک ایسے موقع پر جب میں آپ کی خواہش کے مطابق آپ کی کمیٹی کا پریسیڈنٹ بننا منظور کر رہی ہوں چند باتیں آزادی اور صفائی سے کہنا اور خاص طور پر رچرڈ اور مس ٹیکل کی توجہ ان پر مبذول کرانا چاہتی ہوں یہ تحریک جو ہندوستان میں شروع کی جا رہی ہے اس وقت تک عام قبولیت اور کامیابی حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ ملک کے رسم و رواج کے مطابق نہ ہو اور یہ امر ظاہر ہے کہ اس ملک کے رسم و رواج
یورپ سے بہت مختلف ہیں اسلئے جو طریقے کہ وہاں موزوں ہو سکتے ہیں۔ وہ مجنبہ یہاں رائج نہیں ہو سکتے اور ان میں ترمیمات ناگزیر ہیں۔

یہاں کے راسخ الخیال اور قدیم خیالات کے لوگ جو پورے قواعد اور رسم و رواج کے پابند ہیں وہ یقیناً ان اصولوں کو علیٰ حالہ جاری کرنے سے بھڑکیں گے۔ آپ دیکھیں کہ تعلیم ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا لیکن اگر ہندوستان کی جدید تاریخ تعلیم پر آپ نظر کریں تو وہ بھی مشکلات سے معمور نظر آئے گی۔
اس کے بعد حضورِ مجددِ ص نے تعلیم نسواں کی ابتدائی مشکلات اور پھر ان کے حل کا تذکرہ کر کے ارشاد فرمایا کہ :-

”اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس تحریک کے اجرا میں کس قدر مشکلات ہوں گی اگرچہ وہ مشکلات ایسی نہیں کہ ان پر غلبہ حاصل نہ کیا جاسکے۔ تاہم یقینی ہے کہ یورپ کی کلینہ نقل نہیں ہو سکتی۔ ہم کو اپنے ملکی حالات کے لحاظ سے ضروری تغیر و ترمیم کرنی ہوگی اور اس طرح ہم ایک ترمیمی شکل میں کامیابی حاصل کر لیتے۔ اس کے علاوہ ایک اور بڑی وقت زبان کی ہے اس تحریک کے تمام اصول و قواعد انگریزی زبان میں ہیں اور یہ زبان ہندو اس وسعت کے ساتھ رائج نہیں ہوئی کہ مثل مادری زبان کے فائدہ حاصل کیا جاسکے اس لئے ہم کو الاحالہ وہ تمام اصول و قواعد ہندوستانی زبان میں لانے ہونگے۔

اسی طرح اب ہم دیکھتے ہیں کہ انڈین ریڈ کراس سوسائٹی اور میٹرنٹی اینڈ چائلڈ ویلفیئر لیگ نے بھی اپنے دائرہ فیض کو ان ترجموں کے ذریعہ سے وسیع کرنا شروع کیا ہے۔

اور ان ترجموں کی بکثرت اشاعت ہے۔

میں اس تحریک کے بار آور ہونے سے مایوس نہیں ہوں۔ اس میں خود قبولیت کا مادہ موجود ہے۔ کیونکہ وہ فی نفسہ مفید ہے۔ یہ مسئلہ ہے کہ اگرچہ عورت اور مرد کی جنس علیحدہ ہے مگر قدرت نے دونوں کو ایک ہی نفس یا جوہر سے پیدا کیا ہے اور دونوں کے لئے اشتراکِ عمل لازمی ہے۔ دنیا کا کوئی کام بغیر ان دونوں کے اتحاد کے انجام نہیں پاسکتا گویا دنیا کی گاڑی کے یہ دو پہیے ہیں اور جب تک دونوں گردش نہ کریں گے گاڑی نہیں چل سکتی اس لئے لائحہ عمل و قوتوں کو اس قسم کی تحریکات میں حصہ لینا اور اپنے آپ کو تیار کرنا ملکی بہبودی اور قومی ترقی کے لئے لازمی و ضروری ہے۔ بلاشبہ ہندوستان کی تاریکی میں بڑھتے قوم کی توجہات اور بالخصوص زنانہ کاموں میں انگلش لیڈر کی پُر جوش ہمدردی و سرگرمی سے امید کی روشنی چمک رہی ہے لیکن میں ہندوستان کی ان بھی خواہ لیڈرز سے اصرار کے ساتھ کہوں گی کہ ہر تحریک کی کامیابی کے لئے عام خیالات ملکی رسم و رواج اور آسان ذرائع کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔“

سرکارِ عالیہ نے اس تحریک کے متعلق متعدد کتابوں کا بہ صرف کثیر ترجمہ کرایا اور ہمیشہ اس پر توجہ مبذول رکھی۔

عالی منزل کے پُر فضا اور وسیع باغ میں طریننگ دی جاتی ہے اور نہایت کامیابی کے ساتھ یہ تحریک بار آور ہو رہی ہے۔

پرس آف ویلز لیڈر کلب

یوں تو بھوپال میں سرکارِ عالیہ کی زنانہ ہمدردیوں اور عنایتوں کی بہت سی یادگاریں ہیں لیکن تمام یادگاریں میں پرس آف ویلز لیڈر کلب، ایک ماہ الامتیاز یادگار ہے۔ یہ یادگار ہماری ہر دلعزیز ملکہ میری شہنشاہِ بیکم کی ادین سیاحتِ ہندوستان کی یاد تازہ کرتی ہے جب کہ

وہ سترہویں صدی میں علیحضرت ملک معظم کے ہمراہ زمانہ دلی عہدی ہندوستان میں تشریف لائیں
تھیں حضور سرکار عالیہ نے اس کلب کو عورتوں کے لئے ایک بہترین زمانہ سوسائٹی کے نمونہ
پر قائم فرمایا۔

سرکار عالیہ عرصہ سے ایک ایسی سوسائٹی کی ضرورت محسوس فرماتی تھیں۔ جیسا کہ
خود فرماتی ہیں :-

”یہ امر مسلمہ ہے کہ بنی نوع انسان کی ترقی و شائستگی کا بہت کچھ انحصار عمدہ صحبت اور
شایستہ سوسائٹی پر ہے جس قدر سوسائٹی بہتر ہوگی اسی قدر وسیع الخیالی پیدا ہوگی اور
یہی وسیع الخیالی ترقی و شائستگی کی بنیاد ہے انگلستان میں بھی تھوڑے عرصہ سے عورتوں
کی سوسائٹیاں قائم ہو گئی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ان سے وہاں کی خواتین کو نہایت
گراں قدر فوائد حاصل ہوئے ہیں نسبتی سے ہندوستانی عورتیں چونکہ تعلیم سے بے بہرہ
ہیں اسلئے سوسائٹی کے فوائد سے بھی محروم ہیں۔ میں نے سوسائٹی نہ ہونے کا نقصان
یوں اور بھی محسوس کیا کہ عموماً جاہل اور لکھی پڑھی عورتیں یکساں فضول مراسم اور لغو
رد اجات کی گرویدہ ہیں اور ان کی نسلوں پر بطور ورثہ کے اس کا خراب نتیجہ مرتب
ہو رہا ہے۔“

پھر جب سترہویں صدی میں حضور مجدد و پارس موصوف سے اندو میں ملیں تو یہ خیال اور بھی نچھ
ہو گیا اور ان کے نام سے اس سوسائٹی کو منسوب فرمایا تاکہ اس سے عورتوں کے تمدن و معاشر
میں جو ترقی ہو اس میں اس نام کی برکت شامل ہو اور ہمیشہ خواتین بھوپال کے دلوں پر ان کا
نام نامی عزت و محبت کے ساتھ منقوش رہے۔

سرکار عالیہ نے اس کلب کو عالی منزل میں قائم کیا جو دو طبقوں میں منقسم ہے اور جن
میں چھوٹی چھوٹی اور بھی بہت سی عمارتیں ہیں جنہوں نے مجموعی طور پر عمارت کو شاندار بنا دیا ہے۔
صحن میں ٹینس، کروکے، ہیڈمنٹن کے لان اور خوش منظر قطعات ہیں جن کی جن بستی
کی گئی ہے۔ نیچے کے طبقہ میں اونچے اونچے درخت ہیں۔ چلنے پھرنے اور مختلف قسم کے کھیلوں
کے لئے وسیع میدان ہیں اوپر کے طبقہ میں ایک بڑی فراخ بارہ دری قہرسم کے سامان سے

آراستہ ہے۔ پردہ کے لئے اونچی اونچی دیواریں ہیں۔

اگرچہ کلب ۱۹۵۷ء میں قائم ہو گیا تھا لیکن اس کے افتتاح کی باضابطہ رسم ۱۹۵۸ء میں لیڈی منٹو کے دست مبارک سے ادا ہوئی۔ اس موقع پر کلب خاص طور سے آراستہ کیا گیا تھا اور مشرقی و مغربی آرائش کی ترکیب نے ایک عجیب نظارہ پیدا کر دیا تھا۔

لیڈی منٹو کے لئے باغ کے ایک گوشہ میں ایک زلفتی شامیانہ چار سونے کے مستول پر نصب کیا گیا تھا اور اس شامیانہ میں لیڈی موصوف اور سرکار عالیہ کے لئے چاندی کی کرسیاں تھیں اور مہمانوں کی کرسیوں پر زلفتی غاشیے پڑے ہوئے تھے۔ جا بجا روشوں پر چھنڈیاں نشان اور پھر ریے ہوئیں اڑ رہے تھے۔ پھانک پر خیر مقدم کے سنہری کتبے آویزاں تھے۔ وکٹوریہ گرلس اسکول کی لڑکیاں فیروزہ لباس پہنے قطار باندھے کھڑی تھیں تاکہ لیڈی صاحبہ کی تشریف آوری پر ترانہ خوش آمدید اور دوسری چیزیں گائیں۔

پہلے لیڈی منٹو صاحبہ مدرسہ سلطانیہ میں تشریف لے گئیں۔ وہاں سے فارغ ہو کر اپنی صاحبزادی لیڈی ایلریٹ اور ہمشیرہ کاؤنٹس آف انٹریم کے ساتھ کلب تشریف لائیں۔ بینڈ نے بھوپال انٹرم (بھوپال کا قومی گیت) بجانا شروع کیا۔ معزز مہمان زمین بان دروازہ پر بیٹھے اور کرمصنوعی محراب کھڑکیں چہاں سبکیات خیر مقدم کے لئے جمع تھیں۔ ان سبھوں سے تعارف اور ایک دو باتوں کے بعد آگے بڑھیں اور ایک مقام پر عطیہ سکیم صاحبہ کھڑی تھیں جنہوں نے پروگرام پیش کیا۔ یہاں سے آہستہ آہستہ شامیانہ تنگ آئیں۔ سکریٹری اور مہمانوں سے تعارف کے بعد اپنی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ وکٹوریہ اسکول کی لڑکیوں نے ترانہ اور خیر مقدم کا گیت گایا۔ اور بعد ازاں سلمہ ستارہ کے خوبصورت پھول ٹکے ہوئے زین ہار پہنائے۔ پھر سکریٹری کلب نے نہایت خوبی اور شائستگی سے ایڈریس پڑھا اور لیڈی منٹو نے جوابی تقریر کی جس کا ترجمہ عطیہ سکیم صاحبہ نے سنایا۔

اس کے بعد رسم افتتاح ادا کی گئی اور کلب کے کمرہ میں سب جمع ہوئے۔ خواتین کا ہر کلسنی سے تعارف کرایا گیا۔ عطیہ گلاب، الاچی سے تواضع کی گئی۔ سکریٹری صاحبہ نے ہر کلسنی اور سرکار عالیہ کو گوٹے کے ہار پہنائے اور پھر سب مہمانوں کو تقسیم کئے سرکار عالیہ نے ملکہ وکٹوریہ

آنجنہانی کا موقع اپنی مرحومہ والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ کی تصویریں دکھائیں جو اس کمرہ میں آویزاں تھیں۔ ہر میز پر کچھ نہ کچھ سامان تفریح رکھا ہوا تھا کہیں رسالے کہیں اخبار، کہیں بینک پانک کہیں دو سکر کھیل۔ غرض کہ آدھا کمرہ انھیں چیزوں سے بھرا ہوا تھا جس سے کلب کی حیثیت ظاہر ہوتی تھی بقیہ نصف میں نشست گاہ رکھی گئی تھی پھرتے پھرتے سرکار عالیہ ایک میز کے قریب آئیں اور (ہربانی کس) میہو نہ سلطان شاہ بالو بگیم صاحبہ اور جیس جہاں بگیم صاحبہ (مرحومہ) سے فرمائش کر کے انگریزی میں نظمیں پڑھوائیں۔ ان دونوں نے ایسی خوبی سے پڑھا کہ ہر اسیلنی متحجب ہو گئیں۔ روانگی کے وقت اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی نقشی تصویر لیڈی ایلین کو دی اور دوسری دستکاری کے نمونے بھی تحفہ دے گئے۔

در اصل یہ کلب صرف خواتین بھوپال کی لکچرپیوں کا ہی مرکز نہیں ہے بلکہ وہ خواتین جو سرکار عالیہ کی مہمان ہوتی ہیں خواہ کسی قوم اور مذہب سے تعلق رکھتی ہوں ان کو بھی یہاں لکچر کا بڑا سامان ملتا ہے اور ممتاز خواتین تو خصوصیت سے اس کلب میں مدعو ہوتی ہیں تمام وسیلہ لائبریری کی بیکات جو بھوپال میں مہمان ہوئیں اس کلب میں بھی تشریف لاکھتی ہیں۔ کل زمانہ جلسہ پچترتھس تقریبات کے سب یہاں ہوتے ہیں۔

سرکار عالیہ کی سال گرہ کے دن تو خاص دھوم دھام ہوتی تھی۔ خاندان شاہی کی بیکات اور دیگر ممتاز خواتین کی طرف سے اسی کلب میں پارٹیاں بھی ہوتی ہیں۔

قومی بلکی جلسے | قومی جلسوں میں سب سے پہلے اس کلب میں مسلم یونیورسٹی کا جلسہ ہوا اور غالباً ہندوستان بھر میں اس شریف مقصد کے لئے یہی پہلا زمانہ جلسہ تھا پھر لیڈی ہارڈنگ نے ترکی بیتیوں اور بیواؤں کی امداد کے لئے جو تحریک کی تھی اس کی تائید میں جلسہ کیا گیا۔ اور کافی مقدار میں چندے جمع ہوئے۔ جنگ عظیم شروع ہونے کے وقت بھی سرکار عالیہ نے کلب میں ایک تقریر فرمائی تھی جس میں اس جنگ کے وجہ و اسباب پر بحث اور مختلف امور کے بیان کرنے کے بعد ہندوستانی سپاہیوں کی ہمدردی و اعانت کے جذبات پیدا کئے چنانچہ ان کی امداد میں اس کلب نے معقول حصہ لیا۔

جنوری ۱۹۱۷ء کے آخری ہفتہ میں اس مقصد کے لئے ایک مینا بازار قائم کیا گیا تھا جس میں

زنانه مدارس بھوپال کی دستکاری کی چیزیں کچی گئی تھیں ہر مدرسہ کی دوکان کے لئے جدا جدا شامیانے لگائے گئے تھے بالائی حصہ میں چوٹی دوکانیں ہنایت آراستہ کی گئیں تھیں بائیں ریاست کے پھل پھول اور ترکاریوں کی بھی ایک دوکان تھی۔ یہ بازار صبح سے رات کے دن بجے تک کھلا رہتا تھا اور شب کو بجلی کی روشنی عمارت کو بقیعہ نور بناتی تھی سرسبز درختوں کی شاخوں اور پتوں میں رنگ برنگ کے پھولے ٹھہرے برقی قمقمے آویزاں تھے جن سے روشنی کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر دُغریب منظر سامنے کر دیتی تھیں اس موقع پر حسن اتفاق سے لیڈی سٹن بھی سرکار عالیہ کی مہمان تھیں کلب میں تشریف لائیں اور مینا بازار کی محویت کے ساتھ سیر کی اس وقت خواتین بھوپال کا بڑا مجمع تھا اور مینا بازار کی رونق اپنے کمال پر تھی مصنوعات کی ترتیب و نفاست خواتین بھوپال کا مجمع، ان کی تہذیب اور پردہ کا انتظام دیکھ کر لیڈی سٹن نے بے ساختہ فرمایا کہ:-

”میں نے اس سے پہلے اس قدر شایستہ و تہذیب زنا بی جلسہ ہندوستان میں کہیں نہیں دیکھا۔“

ہر اسلیسی لیڈی جیسے فوڈ کی اس دلچسپ و مقبول عام تحریک میں جو دیرامیر مل مجسٹریٹنگ حلاج و کوئن میری کی سلور جوبلی دیا رنگ کی تقریب میں بطور یادگار کی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ جہاں مثلاً ان ہندوستان کے بچوں کے لئے ایک تعلیمی فنڈ قائم کیا جائے کلب نے پانچ ہزار دس روپیہ کا چندہ پیش کیا۔

زنانه مصنوعات کی متعدد نمائشیں اسی کلب میں منعقد ہوئیں یہ فہرۃ اطفال (بے بی ویک) کے جلسے بھی یہیں ہوتے ہیں گویا ہر قسم کے زنانه جلسوں کا مرکز اسی کلب کو بنا دیا گیا۔

ان مشاغل اور جلسوں کے علاوہ وقتاً فوقتاً مختلف مضامین پر تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ سرکار عالیہ تو عموماً مقاصد و مسائل نسواں پر یہاں معرکتہ الآرا تقریریں فرماتی تھیں۔ مذہب کے متعلق تو چند مہینوں تک برابر ایک سلسلہ قائم رہا۔ ہر بانی نس جناب میوہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ کی بھی اکثر تقریریں ہوتی ہیں جو ہر لحاظ سے طبقہ انماث کے لئے مفید و موزوں ہیں۔ مشہور مقررہ مسر سروجنی نائیڈو اور دیگر ممتاز خواتین نے بھی یہاں تقریریں کیں۔ عام خواتین میں شوق پیدا کرنے

۱۔ ان تقریروں کا مجموعہ سبیل الجنان کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔

کے لئے کئی مرتبہ تقریروں اور مضمونوں کے مقابلے بھی ہوئے اور کامیاب خواتین کو انعامات عطا کئے گئے۔

حفظانِ صحت، پرورشِ اولاد، اور دوسری ضروریات کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے لیڈی ڈاکٹر وقتاً فوقتاً لیکچر دیتی ہیں اور ایسے لیکچر میں ممبر خواتین کی شرکت لازمی قرار دی گئی۔

سرکارِ عالیہ نے براہِ شفقت کلب میں مدرس ٹریننگ کلاس بھی جاری فرمایا جس کی وقعت و ضرورت خود اس کے نام سے ظاہر ہے۔

اس کلب کی ممبر خواتین کے لئے خواہ وہ بلحاظ امارت و ثروت کسی درجہ کی کیوں نہ ہوں لازم کر دیا گیا ہے کہ مجلسوں میں ان کا لباس سادہ رہے خود بیگیاں محترم سادہ وضع رکھتی ہیں اور بے تکلفانہ برتاؤ رہتا ہے۔

سرکارِ عالیہ نے اس کلب کو صرف تفریح و دلچسپی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ علمائے عورتوں کی ایک مفید سوسائٹی بنائی اور ہمیشہ اس خیال کو ظاہر فرمایا۔

جنوری ۱۹۷۱ء میں جب اٹھارہویں سال گرہ جلوس کے موقع پر خواتین کلب نے ایڈریس پیش کیا ہے تو اس کے جواب میں حضورِ مہر و حصہ نے اپنی تقریر میں ایسی سوسائٹیوں اور کلب کا اصل مقصد خواتین کے ذہن نشین کیا تھا کہ :-

خواتین! عمدہ سوسائٹی ہمیشہ انسانی اخلاق کو جلا دیتی ہے اور اگر اسی کے ساتھ تعلیم بھی ہو تو نور علی نور ہو جاتی ہے میں خود محسوس کرتی ہوں کہ اس کلب نے آپ کے گردہ میں ایک عظیم تغیر پیدا کر دیا ہے اور مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ خواہ رفتار ترقی تیز نہ ہو لیکن اس سے ایک حد تک تو وہ اغراض پورے ہو رہے ہیں جو اس کے قائم کرتے وقت قرار دیئے گئے تھے اس بات کو بھی کبھی بھولنا نہیں چاہیئے کہ کلب اور سوسائٹیاں عموماً کسی اصلاح یا ترقی یا کسی اور عمدہ مقصد کے لئے قائم کی جاتی ہیں اور وہ عموماً شریفانہ مقصد ہوتے ہیں لیکن اگر اس کو نمود و نمائش فیشن و خود بینی کا مرکز بنالیا جائے تو وہ مقاصد پورے نہیں ہوتے بلکہ برعکس نتائج نکلتے ہیں یا اگر صرف سیر و تفریح کا ہی مقام قرار دے لیا جائے اور اس میں ہمدردی و ملنساروں کے

متعلق تبادلہ خیالات نہ کیا جائے یا کوئی اور مقصد پیش نظر نہ رکھا جائے تو وہ تضرع اوقات کی جگہ ہو جاتی ہے۔“

حقیقت میں کلب کی یہ دلچسپ زندگی بجائے خود ایک تاریخ رکھتی ہے اور سرکار عالیہ کی مساعی جیلہ کی بہترین یادگار ہے۔

نمائش مصنوعات خواتین ہند

مارچ سلاطین میں سرکار عالیہ نے خواتین ہند کی نمائش مصنوعات قائم فرمائی جس کو تعلیم و تربیت خواتین کے بہترین نتائج میں شمار کیا جاتا ہے اور خواتین کو اپنی ہنرمندیوں اور دستکاریوں کو خوش سلیقگی اور وقت کے ساتھ پبلک میں لانے اور نہ صرف اپنی مفید محنت کی داد لینے بلکہ معقول قیمت یا انعام حاصل کرنے کا بہترین موقع حاصل ہوتا ہے۔

اگرچہ اس سے پہلے بھی مختلف صوبوں میں جو نمائشیں منعقد ہوئیں ان میں زمانہ مصنوعات کو بھی جگہ دی گئی اور چند سال تک آل انڈیا محمدن انگیلو اوٹریل ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ ہی زمانہ نمائش لازمی رہی مگر وہ نمائش مسلمان خواتین کی مصنوعات تک محدود تھی لیکن یہ تمام اقوام ہند کی زمانہ مصنوعات کی پہلی بین الاقوامی نمائش تھی جس کی بنیاد بھوپال میں سرکار عالیہ کے دستِ کرم نے قائم کی۔

اگرچہ نمائش کا اعلان دسبہما صرف چند ماہ قبل دیا گیا تھا اور یہ مدت ایک عظیم الشان نمائش کے لئے بالکل ناکافی تھی لیکن پھر بھی جو کامیابی ہوئی اس پر جس قدر حیرت کی جائے کم ہے اصل وجہ سرکار عالیہ کی امداد و اعانت اور ہر ہائی انس میونسپلٹان شاہ بانوبیکم صاحبہ کی توجہ تھی جو منتظمہ کمیٹی کی پریسڈنٹ منتخب ہوئی تھیں۔

جماعت منتظمہ میں مختلف قوموں کی خواتین شامل تھیں اور ب نے پوری دلچسپی اور محنت و کوشش کے ساتھ کام کیا۔

نمائش عالی منزل کی شاندار عمارت میں منعقد ہوئی تھی جو اپنی چھوٹی عمارتوں، چمن بندوں اور آرائش سے مکمل ہے۔ اس پر روشنوں کے گرد رنگارنگ کی جھنڈیاں ہوا میں لہراتی ہوئی اور مصنوعی کاغذ کے پھولوں کی سبلیں منظر کو بہت ہی دلچسپ بنا رہی تھیں۔ عمارت اور اس کی آرائش بجائے خود نظر اور دماغ کے لئے فرحت افزا تھی۔ اس چرس سلیقہ و نفاست سے اشیاء نمائش کو آراستہ کیا گیا تھا وہ اور بھی دلفریب نظارہ تھا۔

اشیاء نمائش کی تعداد (۱۶۲۴) تھی اور یہ تعداد (۲۹۶) مقامات سے موصول ہوئی تھی اس تعداد میں ۲۱ مدارس تھے جس میں تین مدرسے بلوچ بھوپال کے تھے۔

ان چیزوں میں خود سرکار عالیہ اور نیکیات کرام کے علاوہ ہربانی انس ہمارانی گوالبیار جناب نازلی فحیمہ بیگم صاحبہ (جنجیرہ) رانی صاحبہ دہرہ (سلطان پور) ہمارانی صاحبہ زسنک لٹھ ہمارانی صاحبہ ہار، اور رانی اندر کنور صاحبہ گلبرگہ کی چیزیں امتیازی حیثیت رکھتی تھیں۔

مصنوعات کے ساتھ ایسی ترکاریاں اور پھول بھی رکھے گئے تھے جو خاص باغات بھوپال کی پیداوار تھے تاکہ عورتوں کو اپنے خانہ باغوں، پائیں باغوں اور گھر کے اندر کی آرائش کی ترغیب حاصل ہو۔

باہر سے بھی چند معزز خواتین تشریف لائی تھیں۔ تقریباً ایک ہفتہ تک یہ نمائش قائم رہی جس میں کچھ دن مردوں کے لئے بھی معین تھے۔ سرکار عالیہ اور نیکیات کرام نے اکثر چیزوں کو خرید فرما کر بنانے والیوں کی حوصلہ افزائی کی، اور سات طلائی، اکیس نقرئی اور ۳۴ برنجی متغے اور ۱۸ سٹیفکٹ عطا کئے گئے۔

اس نمائش کے علاوہ متعدد متبہ خواتین و مدارس بھوپال کی مصنوعات کی مقامی نمائشیں | نمائشیں منعقد ہوئیں۔ آخر مرتبہ ۱۹۱۷ء میں ایک شاندار مقامی نمائش ہوئی تھی جس میں شہر و مضافات سے بہ کثرت اشیاء داخل ہوئیں سرکار عالیہ نے اس نمائش میں بجائے تمغوں کے نہایت فیاضی کے ساتھ نقد انعام عطا فرمائے۔

اسی سلسلے میں مضامین کا امتحان مفت ابلہ بھی ہوا اور کامیاب خواتین کو معقول انعام دیا گیا۔

جدید نظامِ حکومت

سرکارِ عالیہ نے سالِ ہشتم جلسہ میں معظّماتِ امور پر غور و بحث فرمانے کے لئے ایک مجلس بنام اسٹیٹ کونسل قائم فرمادی تھی جس میں دونوں صاحبزادے اور اعلیٰ عہدہ دارانِ ریاست شریک تھے تاہم تمام تر ذمہ داری ذاتِ اقدس ہی پر تھی اور اگرچہ وسیع طریقہ پر مشورہ کی اہمیت کا زبردست احساس اور میلان طبعِ جمہوریت کی طرف تھا مگر اس احساس و میلان کے مطابق آغاز ہی میں حالات ملک کے لحاظ سے نظامِ حکومت قائم کرنا بہت سی پیچیدگیوں اور مشکلوں کا باعث ہوتا اس لئے تبدیلِ حالت اور وقت کا انتظار تھا چنانچہ ۲۲ سال تک بے نقض محنت و انہماک کے بعد جب وقت آگیا تو ۱۹۲۲ء میں سرکارِ عالیہ نے نظامِ حکومت میں تبدیلی فرمادی۔ ایک مجلس اسٹیٹ کونسل کے نام سے قائم کی گئی جس میں پانچ ممبروں کو مختلف محکمات تفویض فرمائے اور خود اس مجلس کی صدر رہیں۔

وضع قوانین کے لئے مجلسِ واضع قوانین قائم کی جس میں سرکاری عہدہ داروں کے ساتھ پبلک کو بذریعہ انتخاب نمایندگی کا حق عطا کیا گیا۔ اگرچہ سرکارِ عالیہ کے عہدِ حکومت میں مجلسِ واضع قوانین کا افتتاح نہ ہو سکا لیکن مئی ۱۹۲۲ء میں اسٹیٹ کونسل کا افتتاح کیا گیا۔ اس کونسل کے افتتاح کے وقت ایک مختصر تقریر میں فرمایا:-

”مجھے ہمیشہ شاہِ احمد خاں علی گڑھی اور دلی عقیدہ اور دلی یقین رہا اور یہی وجہ تھی کہ میں نے حکومت کے دوسرے ہی سال باوجودیکہ بہت سی مشکلات کا احتمال تھا اصول وزارت کو بدل دیا اور اپنے نظامِ حکومت میں مشورہ کو ایک ضروری اور اہم جزو کی حیثیت سے شامل رکھا۔ اور ہمیشہ مختلف شکلوں میں عامۃً ذمہ دار عہدہ داروں اور ضرورت کے لحاظ سے رعایا کے با اثر افراد سے مشورے حاصل کئے لیکن اب اس مشورہ کو ایک وسیع اور آئینی صورت میں اسٹیٹ کونسل کے نام سے اختیار کیا گیا ہے جس کا اعلان ہزار اہل ہائیئس

پرنس آف ولز کی تشریف آوری کے موقع پر ہوجکا ہے اور آج اس کونسل کا باضابطہ افتتاح کرتی ہوں مجھے قومی امید ہے کہ یہ کونسل کامل صداقت ضمیر کے ساتھ میری امیدوں اور عامہ رعایا کی توقعات کے مطابق اپنے فرائض کو پورا کرے گی۔

ہائی کورٹ اور جوڈیشل کونسل کا قیام | اگرچہ نظام عدالت کی عہدگی پر ابتداء سے ہی توجہ تھی لیکن جدید اصلاحات کے سلسلہ

میں سرکار عالیہ نے ہائی کورٹ اور جوڈیشل کونسل کو بھی فرمان شاہی کے ذریعہ سے قائم کیا۔

ہائی کورٹ کے افتتاح کی تقریب | ۱۹۲۳ء میں ہزار کیلینی لارڈ ریڈنگ نے افتتاح کیا جو اپنے عدالتی دقانونی اوصاف

میں اپنے پیشروں پر فضیلت رکھتے ہیں اور جہیزیت مقتن کے تمام دنیا میں مشہور ہیں۔ افتتاح کے وقت ہزار کیلینی نے ایک بلیغ ایڈریس ارشاد کیا جس میں سرکار عالیہ انصاف و نظام معدلت کے متعلق کہا کہ :-

لارڈ ریڈنگ کی تقریر کا اقتباس | آپ نے جو ہندوستان اور انگلستان کے نظام و طریقہ انصاف کو پسند فرما کر

ان ہی اصول پر بھوپال ہائی کورٹ کو قائم کیا۔ یہ حقیقتاً اس طریقہ عدل و نظام انصاف کی خوبیوں کا اعتراف ہے جس کی میں نہایت قدر کرتا ہوں یہ وہ نظام ہے جو صدیوں کے تجربات اور تدوین ارتقا کا نتیجہ ہے۔

یورپائی انس کی بیدار مغزی کی یہ نہایت روشن دلیل ہے کہ آپ نے مشرقی زمین میں عہد مغربی پھلوں کی کاشت کی اور مغربی خصوصیات کاشت کے لحاظ سے زمین کو تیار کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپائی انس انصاف و معدلت کو نظم و نسق کی بنیاد اہلی سمجھتی ہیں۔

یہ معلوم کر کے میرا دل بے حد مسرور ہوتا ہے اور میرے دماغ میں ایک امید افزا کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ یورپائی انس نے اپنے ہائی کورٹ کا نظام اس طرح پر قائم کیا ہے جس سے کج آزادی کے ساتھ اپنے فیصلے کریں گے اور بغیر کسی کے خوف اور خیال

خوشنودی کے اپنی رائے کا اظہار کریں گے..... میں
یورہائیٹنس کو اس ہائی کورٹ کے قیام کی مبارکباد دیتا ہوں جو ان اصلاحی کاموں میں سے
ایک ہے جو یورہائیٹنس کے زمانہ حکومت کو خاص امتیاز بخشتے ہیں۔
مجھے یقین ہے کہ بھوپال کا یہ ہائی کورٹ ایک محکمہ کی طرح یورہائیٹنس کی حکومت
کے عدل و انصاف نیک نیتی اور تدبیر کا منظر ہوگا۔

فنانشل حالت آمدنی کے بالمقابل ضروری مصارف اور خزانہ کی حالت ہمیشہ
قابل لحاظ ہوتی ہے سرکار عالیہ نے خزانہ کو تقریباً بالکل خالی پایا
تھا اور اس وقت جو پریشانی تھی اُس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ہر وقت اُن کے تردد
کو دیکھ کر بے چین رہتے تھے اور اس کی نسبت تو کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ جب ریاست بے
انتہا اصلاحات کی محتاج تھی، تھوڑے سالوں کا مقابلہ ہو چکا تھا تو خزانہ میں روپیہ کی کس قدر
اور کیسی ضرورت تھی۔

ہر زمانہ اور ہر ملک میں کسی ریاست کے انتظامات کی درستی اور اصلاحات اور اس
کی ترقی و بہبودی کے لئے اور خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ تمدن غیر معمولی طور پر بڑھ رہا ہو پچھلے
کی اسی قدر ضرورت ہے جس قدر جسم انسان کے لئے خون کی۔ بغیر روپے کے حقیقت یہ ہے
کہ پُرانے نظامات کو قائم رکھنا بھی سخت دشوار ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ جدید نظام مرتب کیا جائے۔
سرکار عالیہ ایسے نازک زمانہ میں اگرچہ متردد تھیں لیکن انھوں نے بے مثل ہمت اور
ما فوق العادت استقلال سے کام لیا اور خزانہ کی حالت درست کرنے کی طرف توجہ فرمائی
اور اس توجہ کا بہت جلد کامیاب نتیجہ بھی نکلا۔ مختصراً اس ربع صدی کی مدت حکومت میں کبھی دوبارہ
مالی مشکلات کا سوال نہیں آیا۔ لاکھوں روپیہ اصلاح ملک اور رفاه عامہ پر صرف ہوا۔ صدور و
مفصلات میں بڑی بڑی عالی شان اور ضروری عمارتیں تعمیر کرائیں۔ متعدد ضروری محکمے قائم کئے۔
شہنشاہی درباروں میں شرکت کی۔ شاہی ہمانوں کی دارالریاست میں میزبانی ہوئی۔ محاربہ
عظیم میں لاکھوں روپیہ مختلف صورتوں میں سلطنتِ برطانیہ کی امداد میں دیا۔
اقطاع ہند کے متعدد سفر کئے، حج بیت اللہ و زیارتِ روضہ رسول کا شرف

حاصل کیا دو مرتبہ یورپ کی سیاحت فرمائی۔ قوم اور ملک کی رفاه عام میں لاکھوں کے عطیہ
محنت فرمائے۔ سروں کا معیار مشاہرات بلند کر کے باقاعدہ پنشن و انعام کو جاری کیا۔ ساتھ
ہی متعدد ٹیکس جو قدیم سے قائم تھے اور سنین ماضیہ کے واجب الوصول بقایا کو معاف فرمایا۔
غرض ۱۹۲۵ء کے بجٹ کی رو سے جو سرکار عالیہ کے دور فرماں روائی کا آخری بجٹ
تھا، باسٹھ لاکھ اکانوے ہزار پانسو چوہتر روپیہ چودہ آنہ ڈیڑھ پائی (۸۷ لکھ ۸۵ روپیہ ۱۴ آنہ ۶ پائی) آمدنی
اور اٹھاون لاکھ پینتیس ہزار دوسو دس روپیہ پندرہ آنہ سات پائی (۸۷ لکھ ۸۵ روپیہ ۱۴ آنہ ۶ پائی) خرچ تھا۔

طریق کار سرمائی

دفتر انشا کی تہذیب سے قبل زمانہ قدیم کے طریقہ پر تمام کاغذات میز نشی کے ذریعہ سے
پیش ہوتے تھے اور سماعت کے بعد جو حکم دیا جاتا اس کو نوٹ کر لیا جاتا اور پھر وہ نوٹ حکم
کی شکل میں دستخطوں کے لئے رو بکاری میں پیش ہوتا جس پر (۴) بنا دیا جاتا۔
لیکن سرکار عالیہ نے جو تنظیم کی اس کے لحاظ سے ہر سرکاری کے شعبے میں متعلقہ
دفاتر سے کاغذات آتے ان کاغذات کا احتیاط کے ساتھ خلاصہ تیار کیا جاتا۔ اور اس
طرح ہر روز ایک بڑی تعداد کاغذات کی رو بکاری میں پیش ہوتی۔ عموماً صبح کا وقت ان
کاغذات کے ملاحظہ کا ہوتا۔ سرکار عالیہ ان کاغذات کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اپنے قلم سے
احکام تحریر فرماتیں۔ ایسے احکام اکثر اوقات ایک مختصر توجیع کی شکل میں ہوتے اور بعض وقت
طوالانی بھی ہو جاتے مگر تمام جزئیات پر حاوی ہوتے ملاحظہ طلب کاغذات پر فلگ (نشان)
لگا دیا جاتا اور سرکار عالیہ جب ضرورت سمجھتیں تو ان ہی کاغذات کو نہیں بلکہ مثل کے ہر ایک
کاغذ کو ملاحظہ فرمالتیں۔

سرکار عالیہ کی توقعات ہدایت دلچسپ اور اخلاقی و ادبی حیثیت سے کامل ہوتی تھیں
اگر کسی معاملہ میں کوئی امر دریافت طلب ہوتا تو اس کو بالمشافہ پیش کرنے کا حکم دیا جاتا۔

خاص خاص معاملات جو اہم ہوتے ان پر اراکین ریاست سے تبادلوہ خیالات ہوتا اس کے بعد احکام صادر کئے جاتے۔ پھر تمام احکام ایک مقررہ شکل میں سکرٹریٹ سے جاری ہوتے تبادلوہ خیالات میں اقتدار شاہانہ ہی نہیں بلکہ دلائل و براہین کی بناء پر عموماً سرکار عالیہ کی رائے غالب رہتی اور جب کبھی سرکار عالیہ کے دلائل و براہین بمقابلہ اراکین ریاست کی رائے کے ضعیف ثابت ہوتے تو اس کے اعتراف اور اپنی رائے کی واپسی میں مطلق تامل نہ ہوتا مگر ایسے اتفاقات شاذ و نادر ہی ہوتے۔

سرکار عالیہ جب کسی معاملہ پر تبادلوہ خیالات اور بحث فرماتیں تو اس وقت عورت اور مرد کی دماغی قابلیتوں کے توازن کا نہایت نادر موقع حاصل ہوتا ایسے اوقات میں مباحثہ کا لہجہ اس قدر متین و سنجیدہ اور دوسرے کے لئے حوصلہ افزا ہوتا کہ آزادی بحث میں مطلق فرق نہیں آتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ خود کسی اصلاح کے متعلق اپنا نوٹ تحریر فرما کر بھیج دیتیں اور تبادلوہ خیالات کے لئے ایسی معاملہ کی تفصیلات سمجھنے کے لئے عہدہ دار متعلقہ یا چند اراکین کو طلب فرمالیتیں۔

ایک واحد ذات کے لئے گونا گوں اور نوز بہ نوز کاموں کا ہجوم اور یکے بعد دیگرے ان کی پیشی جس قدر دلچسپ نظارہ تھا وہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ سرکار عالیہ کی سیاست ملکی کے متعلق صرف اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ ہمیشہ جذبات و ترجم سیاست پر غالب آجاتے مگر اسی حد تک جہاں تک کہ اشخاص اور دربار کا تعلق ہوتا اور اصول انصاف و تلافی حقوق العباد پر اس کا اثر نہ پڑتا۔

عدالتی فیصلوں کا آخری اپیل نفس نفیس سماعت فرماتیں اشلہ مقدمات کے مال و مال علیہ پر برائے العین واقفیت حاصل کرتیں اور پھر آخری فیصلہ کے متعلق نوٹ تحریر فرمادیں۔ جو فیصلہ کی شکل میں مرتب ہو کر پھر ملاحظہ اقدس میں پیش ہوتا۔ اور امضائے شاہی سے مرتب ہونے کے بعد صادر کیا جاتا۔

سرکار عالیہ نے آخری فیصلہ کی ذمہ داری جن وجوہ سے اپنی ذات گرامی پر عائد کی ان کو خود ہی ظاہر فرما دیا ہے۔

”میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ریاست میں مقابلتہاً صیفہ جوڈیشل کسی قدر قابل اطمینان تھتا لیکن اس میں پھر بھی بہت سی اصلاحات کی ضرورت نظر آتی تھی اور رعایا کو وہ کامل اطمینان جو عدالت ہائے انصاف پر ہونا چاہیئے حاصل نہ تھا اور مجھے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ میں خود عدالت ہائے انصاف کی کارروائیوں کی جانچ کروں اس کے علاوہ بعد فیصلہ وزارت میری روبرو کاری میں فریق ناکامیاب کی طرف سے اپیل کے طور پر بہ کثرت درخواستیں پیش ہوتی تھیں اور نیز بلحاظ تقسیم ان اختیارات کے جو میں نے وزارت شکست کرنے کے بعد معین المہام و نصیر المہام ریاست کو دیئے تھے یہ ضروری اور مناسب سمجھا کہ ان ہر دو محکمہ کا اپیل میسرور و روبرو پیش ہو تاکہ جو رعایا محکمت ماتحت کے فیصلہ سے ناراض ہو اس کا اطمینان بھی ہو جائے اور مجھے ان کی کارروائیوں کی جانچ کا بخوبی موقع ملے اور نیز عدالت ماتحت عدل و انصاف کا پورا خیال رکھیں۔

اگرچہ کبھی کوئی شخص یہ نہیں کر سکتا کہ مدعی و مدعا علیہ کو راضی رکھ سکے مگر جب دلی الامر اس پر خاص توجہ کرتا ہے اور اپنا فرض منصبی جس سے عدل مراد ہے کامل طور پر ادا کرتا ہے تو اس کی رعایا کا ہر تنفس خوش رہتا ہے۔

میں ہمیشہ اس امر کی کوشش کرتی ہوں اور ہر وقت اُس سب سے بڑے حکم الحاکمین سے دُعا رہتی ہے کہ وہ مجھے اپنے اس حکم اِن اللہ یَاھُمْ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ دَانِیَا ذِی الْقُرْبٰی دَنِیْہِی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ ط کی تعمیل میں کامیاب بنائے۔ ساتھ ہی اپنے فیصلہ میں چند قانون داں عہدہ داروں سے قانونی مشورے حاصل کرنے کے لئے ایک اجلاس کامل بھی قائم فرما دیا تھا۔

اگرچہ عدالت ہائے انصاف پر ذاتی نگرانی تھی تاہم پبلک و پرائیوٹ دونوں طریقوں سے حکام عدالت کو ہمیشہ عدل و انصاف کی طرف متوجہ رکھتی تھیں اور ایک لمحہ بھی قلب مبارک انصاف کی ذمہ داری کے خیال سے خالی نہیں ہوا۔

جوڈیشل کورٹ کے افتتاح کی تقریب میں جوڈیشل افسروں کی جانب سے ایک ایڈریس پیش کیا گیا تھا اس موقع پر سرکار عالیہ نے انتہا متاثر تھیں۔ ایڈریس کے جواب میں وہی خیال اثر

کار فرما تھا۔ انھوں نے نہایت مؤثر طریقہ میں خطاب کیا کہ :-

”اے حکام عدالت! میں انصاف و عدل کے فلسفہ پر یہاں کچھ کہنا نہیں چاہتی لیکن جب کہ ہم ایسی عمارت کے افتتاح کے لئے جمع ہیں جہاں میری رعایا کی قسمت کے فیصلے ہوں گے جن کا اثر اس کی جان، مال اور آبرو پر ہوگا تو میرا دل کسی طرح یہ گوارا نہیں کرتا کہ میں اس مسئلہ قطعی خاموشی اختیار کروں۔ میں آپ سے صرف چند جملوں میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ دنیا میں یہی ایک ایسا فرض ہے جس کی بجا آوری میں کوئی قوت و طاقت حائل نہیں ہو سکتی اور کوئی اثر حاکم کے ضمیر کو مغلوب نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا نصب العین اور مقصد صرف انصاف ہوتا ہے۔

انصاف خدا اور بندے کے درمیان ایک معاہدہ ہے جس کو وہ سورہ انعام میں اس طرح یاد دلانا اور نصیحت کرتا ہے کہ **وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدُوا ۚ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۚ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ**۔ اس نصیحت پر عمل کرنے والے کو اپنے دوستوں کے زمرہ میں داخل کرتا ہے جیسا کہ سورہ مائدہ میں ارشاد فرمایا ہے **وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ**۔ سورہ نساء میں حکم صادر کرنے والوں کو ہدیہ کی حکم ہے کہ **وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ اٰیٰتِیْ كُوْنِیْنَ لَیْسَ كُنتُمْ خَٰلِفُوْا فِیْ اٰیٰتِیْ كُنتُمْ خَٰلِفُوْا فِیْ اٰیٰتِیْ كُنتُمْ خَٰلِفُوْا فِیْ اٰیٰتِیْ كُنتُمْ خَٰلِفُوْا**۔ کورٹ کے نشان عدالت پر رقم کیا ہے تاکہ ہر وقت آپ سب انصاف کے دلوں میں اس حکم خدا کے ذوالجلال کی تعمیل کا خیال رہے اور اس حکم انکائین کے خوف کو پیش نظر رکھ کر

۱۰ یعنی اور جب بات کہو (یعنی گو اہی وینی ہو یا فیصلہ کرنا پڑے) تو گو (فریق مقدمہ) اپنا قرابت مندی کیوں نہ ہو انصاف (کا پاس) کرو اور اللہ کے (ساتھ جو) عہد (کر چکے ہو اس) کو پورا کرو یہ ہیں وہ باتیں جن کا تم کو خدا نے حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت کچھو۔

۱۱ یعنی اگر فیصلہ کرو تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
۱۲ یعنی (اور جب حکم کرو تم درمیان لوگوں کے یہ کہ حکم کرو ساتھ انصاف کے۔

رہایا کے انصاف میں سرگرم رہیں۔“

تنظیم جدید کے بعد چونکہ کام تقسیم ہو گیا اور مشیر المہاموں کے اقتدارات و اختیارات بڑھادیئے گئے تھے اور اسٹیٹ کونسل میں مہمات امور پیش ہونے لگے۔ ہائی کورٹ قائم ہو گیا اس لئے کام کی وہ کثرت بھی نہ رہی جو اس سے پہلے تھی تاہم معظمت امور سرکار عالیہ کی رو بکاری سے طے ہوتے تھے مشیر المہاموں اور کونسل کی کارروائیوں عہدیت توجہ رکھتی تھیں اور احکام اخیر صادر فرماتی تھیں۔ بعض اوقات بحث و تبادلہ خیالات کے لئے مشیر المہام یا سکرٹری رو بکاری میں طلب کئے جاتے یا وہ خود کسی معاملہ میں استصواب کے لئے حاضر ہوتے۔ صیغہ سیاسیات کا تعلق بالکلیہ ذات خاص سے تھا اور بعض دیگر شعبے بھی خاص نگرانی میں تھے۔ تمام کاغذات غور کے ساتھ ملاحظہ فرما کر علی العموم کل احکام قلم خاص سے تحریر فرماتیں۔

دربار | صدر مندرجہ کے وسیع اور رفیع الشان ایوان میں دربار بھی منعقد فرماتی تھیں۔ ہر طبقہ کے معززین و اعیان جمع ہوتے تھے اور اپنے اثر و عظمت کے لحاظ سے یہ دربار ریاست بھوپال کا ایک قابل یادگار نظر ہوتا تھا اگرچہ اس کی عظمت و جلال کی تصویر لفظوں میں نہیں کھینچ سکتی تاہم مؤلف سوانح کی کوشش ہے کہ ناظرین کسی طرح ایک دربار کی ہلکی سی جھلک دیکھ سکیں اور شاید اس طرح ناظرین کی آنکھوں میں دربار سلطانی کی تصویر بچھ جائے۔

اب ذرا آنکھیں بند کر کے سب سے پہلے چشم تصور کو دیکھئے اور دیکھئے کہ ایوان میں دو وسیع و بلند دالان ہیں جن کے ستونوں، محرابوں، اور چھتوں پر سنہرا کام بنا ہوا ہے۔ بدرجہ غایت آراستہ و پیراستہ کئے گئے ہیں اور تمام آرائش میں مذاق صحیح کی جلوہ گری ہے شرکار دربار کے لئے خوبصورت اور نفیس کرسیوں کی قطاریں اس ترتیب سے مرتب ہیں کہ ان پر بیٹھنے والوں کے چہرے تخت کی طرف رہتے ہیں اور جن کی یکساں وضع اور مسلسل سلسلہ کو سرسری نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہایت باقاعدہ اور منظم فوج کے دستے دو رویہ کھڑے ہیں اب ذرا آگے بڑھئے تو دالان کے سرے پر ایک خوش نما تخت ہے اور تخت پر ایک مُرُصَّع طلائی کُرسی رکھی ہے۔

جبوترہ پر مع بینڈ کے گارڈ آف آرمز صف بستہ کھڑا ہے اندر تمام سول عہدہ دار درباری لباس اور برٹری آفیسر اپنی اپنی دیدہ زیب درویاں پہنے ہوئے موکب سلطانی کے لئے چشم براہ ہیں اور سامنے گیلری میں ہائی اسکول کی اعلیٰ جماعتوں کے طلباء کی صف مؤدب بیٹھی ہے دربار کے کل حصوں میں ہر چیز پر سادگی برسر ہے باوجود اس سادگی کے یہ ایوان وقار و عظمت اور جاہ و جلال کی تصویر ہے اور چاروں طرف ایک پُر اثر خاموشی چھائی ہوئی ہے اور آخر اس پر عظمت خاموشی اور سکون کا خاتمہ سرکار عالیہ کی یکایک تشریف آوری پر ہوتا ہے جو ٹھیک وقت پر بایں جاہ و جلال جلوہ افروز ہوتی ہیں کہ فرق مبارک پر ایک تاج نانا ٹوپی ہے، روئے انور پر نقاب ہے جس میں جمال شاہی مستور ہے۔ جسم اقدس پر خطابات کی گون ہے جس پر متحدہ متحفظہ فوجیں ہیں۔ سرکار عالیہ کے جلوہ افروز ہوتے ہی تمام مجمع سر و قد تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے سلامی کے لئے گارڈ آف آرمز میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور بینڈ بھوپال انیمم شروع کر دیتا ہے۔

سرکار عالیہ چند لمحہ کے لئے رکتی ہیں اور فوجی انداز سے دست ہمالیونی پیشانی اقدس پر جاتا ہو گویا ان کی سلامی کو قبول فرماتی ہیں پھر آہستہ آہستہ تخت شاہی کی طرف حاضرین کا سلام لیتی ہوئی بڑھتی ہیں اور اپنی طلالی کرسی پر رونق افروز ہوتی ہیں۔

چند منٹ تک ایک پُر اثر خاموشی پھر طاری ہو جاتی ہے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد سرکار عالیہ کھڑی ہوتی ہیں اور اپنی دلاویز وقار اثر تقریر شروع کرتی ہیں۔ سرکار عالیہ کے انداز تقریر کی متانت و سنجیدگی اور لطافت ایک ایسی ناممکن التبعیر کیفیت ہے کہ اس کا نقشہ کھینچنا ممکنات سے نہیں۔ بہر حال یہ تقریر جب اثر و محویت کے ہجوم میں ختم ہو گئی تو اعیان و ارکان ریاست کے مجمع میں نذر پیش کرنے کے لئے حرکت ہوئی۔ سب سے پہلے سرکار عالیہ کے دالامرتبہ نورعین بڑھے ان کے بعد اعیان خاص اور پھر علی الترتیب سول و فوجی عہدہ دار اور وابستگان دولت نے نذریں پیش کیں۔ جب نذریں پیش ہو چکیں تو جس طرح سرکار عالیہ تشریف لائیں بھٹیں اسی طرح تشریف لے گئیں اور یہ شاندار منظر ختم ہو گیا۔

اگرچہ فرماں روایان بھوپال اپنے ملکی و فوجی عہدہ داروں اور ارکان خانانہ عطا خطابات دیتے تھے لیکن سرکار عالیہ نے عہدہ داروں کی خدمات کے

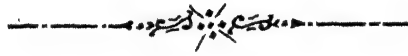
اعتراف کے ساتھ پبلک کام کرنے والوں کی اعتراف خدمات اور حوصلہ افزائی و اعزاز کے لئے بھی خطابات کا سلسلہ قائم فرمایا۔

سرکار عالیہ کے خطابات | سرکار عالیہ کی ممتاز قابلیتوں اور اعلیٰ اوصاف کے اعتراف میں سلسلہ میں ہزارہا پر مل محبتی کنگ ایڈورڈ ہفتم نے خطاب جی، سی، آئی، ای سے ممتاز فرمایا اور اس خطاب کا تمغہ ہزار اہل ہائٹنس پرنس آف ویلز (شہنشاہ جارج پنجم قیصر ہند) نے اندور میں اپنے دست مبارک سے عطا کیا۔

جنوری سلسلہ میں جی، ایس، آئی پھر سلسلہ میں دربار کارونیشن کے موقع پر سی، آئی (تاج ہند) اور سلسلہ میں جی، بی، ای کے خطابات حاصل ہوئے۔

آخر الذکر خطاب فوجی اعزاز کا ہے جو ملک معظم قیصر ہند کی جانب سے فوجی امدادوں کے اعتراف کی نشانی ہے۔

دنیا کے حصہ میں ان تمام اعزازات و خطابات کے لحاظ سے شاید ہی کوئی خاتون سرکار عالیہ کی ہمہ سہ کا دعویٰ کر سکے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح حضور مہروہ اپنے کمالات و فضائل کے لحاظ سے فرد فرید ہیں اسی طرح اپنی شہرت و عظمت اور اعزاز و احترام کے اعتبار سے یگانہ روزگار ہیں۔



شاہی مہمان اور شاہانہ مہمان نوازی

سرکار عالیہ کے عہد حکومت میں وائسرائے اور سالار ان افواج ہند اور شہزادہ ولی عہد سلطنت و گورنر ان صوبجات اور اکثر ممتاز یورپین لیڈرز اور جنٹلمین اور ہندوستانی روساء اور ہیرند مہمان ہوئے اور سرکار عالیہ نے نہایت اولوالعزمی، اخلاق اور فیاضی کے ساتھ ہمیشہ مہمان نوازی فرمائی اور اپنے معزز مہمانوں کے قیام کو مختلف قسم کے مشاغل و تفریحات سے دلچسپ بنایا۔ ریاستوں کے مہمانوں میں وائسرائے ہند اور سپہ سالار ان اعظم کی میزبانی ایک خاص

اہمیت رکھتی ہے اور جہان و مہمان کے مذاق طبعیت کے لحاظ سے اس موقع پر مختلف قسم کی تقریبات انجام دی جاتی ہیں اور جہانوں کے قیام کو خوشگوار بنانے کے لئے انتظام ہوتا ہے ریاست کی طرف سے اسٹیشن آرمسٹہ کیا جاتا ہے گاڑڈ آف آنر سلامی کے لئے صف بستہ ہوتا ہے اور جلوس کے لئے فوجی دستے حاضر رہتے ہیں ارکان و عہدہ داران ریاست مدعو ہوتے ہیں اسٹیشن سے وائس رائل کمپ تک (جو نہایت شاندار اور خوشنما بنایا جاتا ہے) دو روزہ فوج و پولیس انتظام کے لئے استادہ ہوتی ہے ان انتظامات کے ساتھ فرمانروا اپنے جہان گرامی کا استقبال کرتا ہے۔

جس وقت وائس رائل کی اسپیشل ٹرین نکلتی ہے اسے ضرب ٹوپ خانہ سے سلامی سر کی جاتی ہے جب وائس رائل اپنے سیلون سے برآمد ہوتا ہے تو پولیٹیکل ایجنٹ اور ریڈیٹ جو اس موقع پر حاضر رہتے ہیں فرمانروا اور عہدہ داروں کا رسمی تعارف کراتے ہیں۔ یہی رسمی تعارف ہر اسٹیشن کے برآمد ہونے پر بھی ہوتا ہے۔ وائس رائل گاڑڈ آف آنر کا معائنہ کرتا ہے اس کے بعد وائس رائل اور فرماں روا ایک گاڑی میں وائس رائل کمپ روانہ ہوتے ہیں اور ان کے عقب میں ہر اسٹیشن کی سواری ہوتی ہے اور اس گاڑی میں ایجنٹ گورنر جنرل اور ایک سردار ریاست ہوتا ہے پھر اور مہمانوں کی سواریاں ہوتی ہیں یہ جلوس کمپ تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور فرماں روا اپنے محل کو واپس آ جاتا ہے اس کے بعد کچھ معینہ مراسم ادا ہوتے ہیں اور وائس رائل کی قیام گاہ پر فرماں روا کی ملاقات ضابطہ ہوتی ہے جس کے لئے باقاعدہ درباری انتظام ہوتا ہے اور برطانوی فوج کا گاڑڈ آف آنر سلامی کے لئے حاضر رہتا ہے۔ فرماں روا کو سکریٹری اور وائس رائل کے معین تک رسد کرتے ہیں کچھ اخلاقی گفتگو اور سرداران ریاست کی ندریں پیش ہونے کے بعد وائس رائل اپنے ہاتھ سے عطر و پان کی تواضع کرتا اور ہار پہناتا ہے اور دو سکرافس اسی طرح سرداران ریاست کی تواضع کرتے ہیں پھر ایوان فرمانروا میں ایک دربار منعقد ہوتا ہے جس میں ارکان و عہدہ داران ریاست اور جہانان شاہی شریک ہوتے ہیں۔ سرداران ریاست جن کو بلحاظ مرتبہ استحقاق ہوتا ہے وائس رائل کے سامنے ندریں پیش کرتے ہیں۔ اور فرماں روا بذات خاص وائس رائل اور پولیٹیکل ایجنٹ کے اعلیٰ عہدہ داروں کی عطر و پان افشانی ہاروں سے مدارات کرتا ہے اور باقی حاضرین کی مدارات

..... دوسرے افسروں کے سپرد ہوتی ہے اس رسم پر یہ دربار ختم ہو جاتا ہے۔

سرکار عالیہ کے عہد مبارک میں دیراگلنیز لارڈ منٹو، لارڈ ہارڈنگ، لارڈ چیمفورڈ، اور لارڈ ریڈنگ اپنے اپنے عہدہ وائسرائے کی ریاست کے تھان ہوئے اور آخر عہد سلطنت میں ہزار اہل ہائوس پرنس آف ویلز نے اپنے ورور و مسعود سے اعزاز و افتخار بخشا۔

سرکار عالیہ نے ہمیشہ اپنے تھان گرامی کے استقبال اور تھان داری میں کامل جذبات احترام کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اسلامی شان میزبانی کے ساتھ جہاں ایک حد تک مغربی طریقہ تھان نوازی اختیار کیا وہاں شرقی دستور و آئین کو بھی ملحوظ رکھا۔

ہزار اہل ہائوس کی آمد کے موقع پر جب مراسم دربار کے سلسلہ میں تحائف پیش ہوئے تو سرکار عالیہ نے ان تحائف میں ایک نہایت بیش قیمت تلووار بھی پیش کی تھی جس کے قبضہ مرصع پر اس شعر کی بھی ترصیح تھی کہ

مبارکباد شمشیرت کہ داری بر ملا در کف بقا اندر فنا در کف فنا اندر بقا در کف

ان مواقع پر دن کے دربار ضابطہ کے علاوہ شب کا اسٹیٹ ڈنر بھی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ڈنر کے بعد پہلے ملک معظم قیصر ہند کے اور تھان و میزبان اپنی اپنی تقریروں میں ایک دوسرے کے جام صحت کی تجویز کرتے ہیں اور یہ تحریک پہلے میزبان کی اور پھر تھان کی تقریر میں ہو کرتی ہے۔ ان تقریروں میں ریاستوں کے متعلق مسائل اہمہ اور نظم و نسق ملکی پر بھی اظہار خیالات ہوتا ہے۔ سرکار خلد مکان کا طریقہ تھا کہ ڈنر ہونے تک وہ ایک علیحدہ کمرے میں تشریف فرما رہتے تھے پھر پس چلین اپنی تقریر سنایا کرتے تھے۔

سرکار عالیہ نے یہ طریقہ رکھا تھا کہ جیسے ہی ڈنر ختم ہوتا وہ اپنے کمرے سے تھانوں کے حلقے میں تشریف لے آتے اس وقت برقع و نقاب میں ہوتے لیکن برقع کے اوپر اسٹار آف انڈیا کی گون پہنتی تھیں اور گون پر جگمگاتے ہوئے تختے آویزاں ہوتے سر مبارک پر ایک تاج نا لٹپتی ہوتی تھی جس کے نیچے چہرہ پر نقاب ہوتا تھا ملک معظم قیصر ہند کے جام صحت کی تحریک کے بعد اردو میں اپنی تقریر شروع فرماتی تھیں۔

ان تقریروں میں سرکارِ عالیہ کی وہ تقریر جو ہر آکسلنسی لارڈ ہارڈنگ کے ڈنر پر ہوئی تھی اپنی فصاحت و بلاغت اور دوسری خوبیوں کے لحاظ سے نہایت ہی ممتاز ہے اور اس میں اپنی جذبات و فدا داری تاج، جہان محترم کی شخصیت، قدیم تعلقات اور ان کی حکومت کی پالیسی وغیرہ کے بیان میں تمام اوصافِ خطابت نمایاں ہیں۔

یورپین لیڈیز کو سرکارِ عالیہ کے جہان بننے میں ایک خاص دلچسپی اور لطف حاصل ہوتا تھا کیونکہ وہ یہاں مشرقی تہذیب کو بلا جملہ کھیتی تھیں پھر ان کو ایک مسلمان خاتون کے طرز معاشرت دیکھنے کا موقع ملتا تھا جو ان کے لئے بالکل ایک نئی چیز ہوتی تھی پھر کلب کے جلسے اور مدارس نسوان کے معائنے تو ان کے لئے نہ صرف ایک ناقابلِ فراموش نظارہ ہو جاتا بلکہ وہ ایک عجیب یاد اپنے ساتھ لے جاتیں۔

ضابطہ کے درباروں میں از روئے ضابطہ لیڈیز شریک نہیں ہوتیں۔ لیکن جب بھوپال میں لارڈ منٹو تشریف لائے اور یہ دربار الیوان صدر منزل میں منعقد ہوا تو ہر آکسلنسی لیڈی منٹو کو اس کے دیکھنے کا کمال اشتیاق تھا کیونکہ درحقیقت مشرق و مغرب میں یہ بالکل نئی قسم کا سماں تھا کہ ایک ملکِ معظم کے قائم مقام کے ساتھ ایک فرمانروا بیکم کی شاہی ضوابطِ دربار کے ساتھ ملاقات ہوتی ہے۔

اُن کا یہ اشتیاق اس طرح پورا کیا گیا کہ محل پر ویسرے کی آمد کے قبل وہ مع چند اور یورپین لیڈیز کے تشریف لائیں اور گیلری میں ان کی نشست کا انتظام کیا گیا جس وقت یہ دربار ہوا تو ہر آکسلنسی اور تمام لیڈیز محو نظارہ و حیرت تھیں کہ کیسی شائستگی و متانت سے ایک مشرقی حکمران بیکم نے مغربی مراسم دربار کو ادا کیا۔

والیان ملک کے ساتھ مراسم

سرکارِ عالیہ نے ایک موقع پر سلطنتِ برطانیہ کی برکات کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:-

۱۔ ملاحظہ ہوا خیر اقبال

”اس وسیع خطہ ہند کو برٹش اقتدار و حکومت سے جس قدر گراں قدر فوائد حاصل ہوئے ہیں ان میں سب سے زیادہ حصہ ہندوستانی ریاستوں کو ملا ہے اور ان کے لئے ایک ایسا حصار امن قائم ہو گیا ہے کہ جس میں اور کسی بیرونی خطرہ کا گزرنے کا اندیشہ ہی نہیں ہو سکتا اور ہر وقت کے اندیشے جو مفسد جماعتوں اور طاقتور مہایوں سے رہتے تھے گویا صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئے۔“

سرکارِ عالیہ کا یہ اعتراف ایک حقیقتِ کامل پر مبنی ہے اور کوئی شک نہیں کہ برطانوی عہد میں فرماں روا یا ان ریاست ہنایت امن و آزادی کے ساتھ رہتے اور سیر و سیاحت کرتے تھے۔ اور بجائے اس کے کہ ایک دوسرے کے اقتدار سے اندیشناک ہوں اور اس کو مشتبہ نظروں سے دیکھا جائے آپس میں ملتے جلتے اور ارتباط رکھتے ہیں۔

عذر کے بعد الہ آباد اور آگرہ میں جو دربار ہوئے ان میں روساء اور والیان ہند کو پہلی مرتبہ سکون و اطمینانِ قلب کے ساتھ آپس میں ملاقاتوں کا موقع ملا۔ نواب سکندر بیگم خلدیشیں بھی ان درباروں میں بڑے اعزاز و افتخار اور ترک و احتشام کے ساتھ شریک ہوئیں اور مختلف اوقات میں ہمعصر روساء سے ملاقاتیں کیں، آمد و رفت میں بے پور، گوالیار، ریواں، دتیا وغیرہ میں بھی گزرتا ہوا اور وہاں کے روساء نے اپنی اپنی ریاستوں میں ان کا بہت احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ خصوصاً ہمارا جگان بے پور و گوالیار نے تو خاص عزیزانہ انتظامات کئے تھے۔

نواب شاہجہاں بیگم خلدیشیں سے اور بھی والیان ملک سے درباروں کے موقعوں پر ملاقاتیں ہوئیں خاص کر روساء بھوپال اور ہمارا جگان بے پور، گوالیار اور پٹیا لہ کے درمیان خاص عزیزانہ مراسم قائم ہو گئے۔

سرکارِ عالیہ کے زمانہ میں ان تعلقات نے بہت وسعت اختیار کر لی، درباروں کا نفرینوں وغیرہ کے باعث بارہا بغیر تکلفات کے سب سے ملنے کا اتفاق اور مختلف معاملات پر خیالات کا تبادلہ ہوتا رہا۔ یوں تو سب ہی سے ایسے مراسم تھے لیکن ہمارا جگان پٹیا لہ، گوالیار، بیکانیر، جام نگر، کپور تھلہ اور بڑودہ نواب صاحبانِ جاوہر مالیر کوٹلہ، ہزار گز الٹیڈ ہائینس نظام سی بہت زیادہ مراسم ہو گئے۔ تقریباً سب ہمارا انیوں اور بیگمات سے بھی عزیزانہ تہ تکلفی کے ساتھ ملاقات و مراسم تھے۔ متعدد موقعے ایسے آئے کہ سرکارِ عالیہ ان ریاستوں میں بطورِ جہان تشریف لے گئیں اور اپنی ریاست

دولیعہدی ریاست

سرکار عالیہ نے ۱۹۱۷ء میں اپنے فرزند اکبر عالی جاہ نواب سر محمد نصر اللہ خاں صاحب بہادر کے بی۔ ایس۔ آئی (جنت آفیاں) کو دولیعہدی ریاست کیا تھا لیکن ۱۹۲۵ء میں اُن کی حلیت کے بعد جب کہ سرکار عالیہ کے آئین بھی خشک نہ ہونے پائے تھے کہ نواب صاحب کے فرزند اکبر نواب زادہ جمیب اللہ خاں صاحب نے بروئے قانون انگلستان اپنا استحقاق دولیعہدی پیش کیا اور تکمیل کارروائی ضابطہ کی درخواست کی۔ حالانکہ شرعاً و قانوناً عرفاً و واجاً جس کی تائید اُس معاہدہ سے بھی ہوتی ہے جو ۱۸۵۷ء میں حکومت برطانیہ اور ریاست بھوپال کے مابین ہوا تھا اب یہ استحقاق صرف سرکار عالیہ کے واحد فرزند (اعلیٰ حضرت اقدس) کا تھا اسی بنا پر ٹیکہ فوراً ہی توجہ طلب بن گیا اور سرکار عالیہ نے ہر پہلو پر کامل غور اور اطمینان کے بعد ان ہی (یعنی اعلیٰ حضرت) کے حق میں فیصلہ کر کے دولیعہدی کو گورنمنٹ آف انڈیا اور وزیر سہد نے بھی تسلیم کیا اور اس طرح ریاستوں میں جانشینی دولیعہدی کا مسئلہ اور زیادہ صاف ہو گیا۔

نواب زادہ موصوف نے اپنے غیر کمال اندیش مشیروں کے مشورہ سے اس غلط ادعا میں کامیاب ہونے کے لئے بعض ایسی کارروائیاں کیں جن سے سرکار عالیہ کو بہت تکلیف پہنچی۔ لیکن انھوں نے اُن سب کو معاف کر دیا اور اُن کے مراتب و اعزاز اور جائگہ کو بدستور قائم رکھا۔

دست برداری و تفویض حکومت

۱۹۲۶ء میں جبکہ سرکارِ عالیہ گلستان ہی مقیم تھیں کہ اعلیٰ حضرت اقدس کی دلیہ ہدی تسلیم کئے جانے کی جو تحریک گورنمنٹ آف انڈیا میں پیش کی تھی اس کی منظوری کی اطلاع ملی۔ اسکے بعد فوراً ہی سرکارِ عالیہ نے ولی عہدِ حکومت اور چند خاص ارکانِ دولت کے سامنے حکومت سے دست برداری کے ارادہ کا اظہار فرمایا تو سب متحیر ہو گئے اور ہنوز اس حیرت میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہونے پائی تھی کہ تکمیلِ ارادہ کی کارروائی کا آغاز ہو گیا اعلیٰ حضرت اقدس جن کے فریقِ مبارک پر تاجِ فرمانروائی رکھا جانے والا تھا اس امر پر راضی نہ تھے کہ سرکارِ عالیہ کی زندگی میں تختِ حکومت پر متمکن ہوں مگر شفیقِ ماں کے اس عزم و اصرار اور عجلانہ تکمیل کے مقابلہ میں امتثالِ امر کے طور پر تسلیمِ خم کرنے پر مجبور ہو گئے۔

سرکارِ عالیہ کی یہ فطری خصوصیت تھی کہ جب وہ کسی مسئلہ پر کامل غور کے بعد رائے قائم اور عزمِ صمیم فرمالیتی تھیں تو اُس پر فوراً عمل پیرا ہو جاتی تھیں چنانچہ یہ مسئلہ بھی اسی قسم کا تھا۔ ہر چند انڈیا آفس کے عہدہ داروں نے بھی اس کے متعلق بہت پس و پیش کیا لیکن سرکارِ عالیہ اپنی رائے اور عزم پر قائم رہیں۔ اور خود انڈیا آفس تشریف لے جا کر بدلائل ان کو اس عزم کے فوائد و مصالح سمجھائے۔ آخر یہ مسئلہ مرضیِ مبارک کے مطابق طے ہو گیا۔ اور اس کی منظوری بھی حاصل ہو گئی اور ۱۹۲۶ء کو سرکارِ عالیہ نے ایک اعلان سے جو لندن سے بذریعہ تار کے بھوپال میں شائع کیا گیا تخت و تاجِ حکومت اعلیٰ حضرت اقدس کو تفویض فرما دیا جس وقت گلستان و ہندوستان کے اخبارات میں یہ خبر مشہور ہوئی تو ہر شخص ایک حیرت و تعجب میں پھٹا۔

دربارِ تفویضِ حکومت

انگلستان کی واپسی پر ۲۶- ذی قعدہ ۱۲۲۷ھ مطابق ۹- جون ۱۹۰۶ء کو ایوانِ صدر منزل میں تفویضِ حکومت اور ہزائیٹس کی تخت نشینی کا دربار منعقد کیا گیا۔

یہ دربار جس طرح کہ اپنے مقصد انعقاد کے لحاظ سے تاریخِ عالم کا ایک بے نظیر واقعہ ہے اسی طرح اس کے انعقاد و ادا سے عہدِ ماضی کا طریقہ بھی بے مثال تھا، ادب جس کی تمام تر ترتیب خود سرکار عالیہ نے فرمائی تھی۔

نہ صرف اپنے متعلق بلکہ بڑے سے بڑے ادیب اور واقعہ نگار کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ اس دربار کے تاثرات اور عظمت و جلال کی ایک ہلکی سی جھلک بھی دکھلانا ناممکن ہے تاہم ^{مصلحت} جو کچھ کہ مؤلف نے کوشش کی ہے اسی کو ان صفحات میں بھی نقل کیا جاتا ہے:-

دربار کی شان | ۹ جون ۱۹۰۶ء کو باضابطہ صدر نشینی کی رسم ادا کی گئی اور یہی تاریخ بہ حساب شہزادہ قری یعنی ۲۶ ذی قعدہ ۱۲۲۷ھ علیا حضرت سرکار عالیہ دہم ظہاد و اجلاہا کی سالگرہ ولادت کی تھی۔ تمام شہر جھنڈیوں اور بیروں سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ ایوانِ صدر منزل جس میں بالعموم شاہی تقریبات ہوتی ہیں غیر معمولی طور پر سجایا گیا تھا۔ صدر دروازہ کے سامنے ماہی مراتب اور گارڈ آف آرمز بینڈ کے متعین تھا۔ اندر کے حصے میں ہتائی پر ریاست کا فتح نشان جو بانی ریاست کی بیگم کے نام سے موسوم ہے اور نشانِ قیصری جو ۱۸۵۷ء کے دربارِ قیصری میں کوئن و کٹور قیصر ہند کی طرف سے نواب شاہجہاں بیگم خلدکھان کو عنایت ہوا تھا استادہ تھا صدر منزل کے رفیع الشان اور رنگار دالائوں میں درباریوں کی نشست تھی اور وسط میں تخت کے اوپر تین گنگا جہنی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں تخت کے نیچے جانبِ راست ایک اور گنگا جہنی کرسی رکھی گئی تھی گیلریوں میں خواہن

۱۱۳ مؤلف نے اعلیٰ حضرت اقدس کی تخت نشینی اور دیگر تقریبات کے متعلق ایک مصور کتاب شائع کی ہے۔

کی نشست کا انتظام تھا جن میں پرورشینوں کے لئے چکیں پڑی ہوئی تھیں۔

تمام ملکی دفویٰ عمدہ دار، اخوان ریاست و جاگیر دار اور علماء کرام درباری کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے آٹھ بج کر ۱۰ منٹ پر ہزبانئ نس اور علیا حضرت سرکار عالیہ مع پرنس عابدہ سلطان (نواب گوہر تاج بیگم، جو ہزبانئ نس کی بڑی صاحبزادی ہیں) شاہانہ ترک و احتشام کے ساتھ رونق افزہ ہوئے قلعہ فتح گڑھ سے سلامی سر ہوئی۔ حاضرین دربار نے استادہ ہر تعظیم و ادائیگی جب ہزبانئ نس اور علیا حضرت سرکار عالیہ نے تخت کی چپ دراست کرسیوں پر جلوس فرمایا۔ اور نواب گوہر تاج بیگم نے نیچے والی کرسی پر جلوس فرمایا تو عالی قدر قاضی علی حیدر عباسی پولیسکل سکرٹری نے افتتاح دربار کی اجازت مانگی اس کے بعد جو عظمت منظر پیش ہوا وہ حقیقتاً تاریخ بھوپال ہی کا نہیں بلکہ تاریخ اسلام کا ایک عجیب و غریب مرقع اور علیا حضرت کے جذبات و احساسات مذہبی اور اپنے نور نظر کی حکومت کو کامیاب بنانے کی تمناؤں کا ایک جلوہ گاہ تھا۔

تلاوت قرآن سے جلسہ کا افتتاح | مسلمانوں میں جب کوئی جلسہ شروع ہوتا ہے تو حصول خیر و برکت کے لئے اس کا افتتاح قرآن مجید کے کسی رکوع سے کیا جاتا ہے اور حقیقتاً یہ وہ مبارک طریقہ ہے جو ہر اسلامی جلسہ کا طغرائے امتیاز ہونا چاہیے لیکن ابھی تک یہ طریقہ عام قسم کے جلسوں میں استعمال کیا جاتا تھا مگر علیا حضرت نے اس پر عظمت تقریب کو بھی اس اصلی عظمت و شان کے ساتھ شروع کیا جس سے زیادہ ایک مسلمان کے لئے کوئی عظمت و شان نہیں ہو سکتی تاکہ ایسے درباروں کے لئے ایک مثال قائم ہو اور جب کوئی جدید فرمانروا تخت حکومت پر متمکن ہو تو سب سے پہلے اس کو اپنی عبیدیت اور اپنے محبوب اور مالک الملک کا تصور بھی پیدا ہو۔

اس موقع و محل کے لحاظ سے علیا حضرت نے آیتوں کا انتخاب فرمایا تھا چنانچہ سوڈا یوسف کے گیارہویں رکوع..... اور سورہ الضحیٰ کی تلاوت سے دربار کا آغاز ہوا۔

حضرت یوسفؑ کا قصہ تو ریت میں بھی موجود ہے اور قرآن مجید میں ہنایت حکیمانہ طور پر ہر درجہ اور رتبہ کے انسان کے لئے ایک عبرت و بصیرت کی صورت میں بیان کیا گیا ہے اس میں وہ قصہ انتخاب کیا گیا جس میں حضرت یوسفؑ نے تمام مراحل زندگی کے بعد تخت مصر پر جلوہ گر ہوتے ہوئے خداوند کریم کا شکریہ ادا کیا ہے۔

سورہ و النبی میں ہمارے نبی کریم ﷺ مخاطب ہیں خداوند تعالیٰ نے اپنے انعام و احسان کی یاد دلا کر امتیہوں اور سالکوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کی نصیحت اور اپنی نعمت کے تشکر کی ہدایت کی ہے اور کیا حسن اتفاق ہے کہ ہمارے اہل حضرت بھی دولتِ مہدی سے مالا مال رہے اور اہل ملک نے اعلیٰ حضرت پر بھی ویسے ہی انعام فرمائے۔

غرض ایک خوش لہجہ قاری نے تختِ شاہی کے سامنے تلاوت کی۔ تلاوت شروع ہوتے ہی ہر بائیس علیا حضرت اور تمام حضار دربارِ کلام پاک کی تعظیم و تکریم کے اظہار میں نہایت ادب کے ساتھ استادہ ہو گئے۔

جب تلاوت ختم ہوئی تو علیا حضرت نے حسب ذیل شاندار تقریر فرمائی :-

علیا حضرت کی تقریر | آج جس غرض سے یہ دربار منعقد کیا گیا ہے اس کا اظہار انگلستان سے بذریعہ مار کوٹھی ہوں اور اس کے مطابق کینیڈا سے جریدہ میں اعلانِ شہادت ہو چکے ہیں۔

مجھے یہ معلوم ہو کر دلی مسرت و اطمینان ہے کہ ان اعلانات سے جس دورِ جدید کا آغاز ہوا ہے اس کا تمام طبقاتِ غلیا اور اکبرین دولت نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اپنے نئے فرماؤ کے ساتھ اُن جذباتِ عقیدت کو جو رعایا کے بھوپال کا متغائے امتیاز ہے پر جوشِ طریقہ سے نمایاں کر کے اپنی وفاداری اور عقیدتِ کشنی کا بہترین ثبوت دیا۔

آج ۲۵ سال سے کچھ زیادہ عرصہ گزرا کہ جب مالکِ حقیقی نے ملکِ محروسہ بھوپال کی زمامِ حکومت میرے سپرد کی آپ سب کو اس کا علم ہے کہ میں نے اپنی حیثیت مثل ایک امین کے بجائے اور اُس کی دعویتِ کبریٰ کے اہم فرائض کا احساس کر کے فوراً ضروری اصلاحات کی طرف توجہ کی۔ ریاست کے مفاد اور رعایا کی فلاح کو اپنا مالِ زندگی بنایا اور مسلسل ۲۵ سال تک اس مقصدِ عظیم کے حصول میں سعی و محنت کو اپنا اولین فرض تصور کیا اور جو ذرائع و وسائل ممکن ہوئے ان کی بہترین میں کوئی دقیقہ فرغ نہ گذاشت نہیں کیا۔

میں اپنے احکامِ الحاکمین کا شکر کرتی ہوں کہ اُس نے ہر موقع پر اور ہر تدبیر میں میری اعانت کی اور اس امر کا اندازہ کہ میری کوششیں ریاستِ بھوپال اور میری رعایا کی بہبودی اور فلاح میں کتنی کامیاب ہوئیں آپ لوگ خود کر سکتے ہیں۔

حاضرین دربار!

میرے عہد حکومت کے ابتدائی سال نہایت سخت اور صبر آزما تھے لیکن ارحم الراحمین ذاب غم فی الدنیا خاں اور نواب محمد عبید اللہ خاں کو جو ارجحیت میں جگہ دے ان دونوں نے اس سختی اور تردد کو اپنی معاونت اور ہمت و قابلیت سے بڑی حد تک کم کر دیا اور جب تک داعی اجل کو لبیک نہ کہا میں سرگرم معاون و مددگار رہے میں رعایا کی بھی شکر گزار ہوں کہ وہ ہمیشہ میرے احکام و تدابیر پر بخلوص دل اور کامل اطاعت مندی کے ساتھ عمل پیرا رہی۔ اور مختلف اوقات میں میری تختوں اور ان کے نتائج کا قابل احترام جذبات کے ساتھ اعتراف کر کے مجھے مطمئن کیا تاہم یہ امکان باقی رہتا ہے کہ حکومت کی اہم ذمہ داریوں میں مجھ سے کوئی ایسی فروگزاشت ہوئی ہو جس سے کسی کے قلب کو کچھ تکلیف پہنچی ہو اس کے لئے میں آج اس موقع پر ان لوگوں سے معافی چاہتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اس امکان کی صورت میں وہ مجھے معاف کر کے عند اللہ جاجر ہوں گے۔

میں ان تمام سابق و حال اراکین دولت کا بھی جھنوں نے اپنے فرائض و خدمات کو دیانت و قابلیت سے انجام دے کر ترقی ملک میں مجھے مدد دی شکر یہ ادا کرنا ان کا حق اور اپنا فرض سمجھتی ہوں۔

اس تمام عہد حکومت میں ترقی ملک اور فلاح رعایا کی تدابیر میں مجھے جو مصروفیت رہی وہ خلق اللہ کی ایک خدمت تھی اور اس سے جو اطمینان قلبی مجھ کو حاصل ہوتا تھا اس کو میں اپنی محنت کا اجر سمجھتی تھی۔ لیکن گزشتہ ۲ سال کے عرصہ میں جو متصل و پیہم خدمات مجھے برداشت کرنے پڑے اگرچہ میں نے ان کو امتحان خداوندی اور شہادت الہی سمجھ کر انتہائی صبر و سکون سے کام لیا مگر آخر کار جیسا کہ میرے خدمات اور عمر کا تقاضا تھا میرے قلب پر ایک خاص حالت پیدا ہو گئی جس سے مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور مہجارت امور حکومت پر پڑے گا اس لئے میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حکومت کے بارگراں سے سبکدوشی حاصل کروں اور یہ بار امانت اور عنان حکومت اپنے وارث اور جانشین کو تفویض کر کے بقیہ حصہ عمر یاد الہی اور بہت در امکان مخلوق خداوندی کے رفاہ اور بالخصوص صنف ضعیف کی خدمت میں بسر کروں۔

حاضرین دربار! اس دلیعت عظمیٰ کا بار امانت اب ہزبانئیں نواب محمد حمید اللہ خان

کے قومی بازوؤں پر ہے جن کو میں نے سکندریہ صولت کے خطاب سے مخاطب کیا ہے تاکہ میری جدہ محترمہ ذاب سکندر یکم کے نام کی نسبت سے اُن کے اعلیٰ ترین اصول حکمرانی ذاب سکندریہ صولت کے پیش نظر رہیں وہ اس وقت نہ صرف میری بلکہ تمام رعایائے بھوپال کی امیدوں کا مرکز ہیں اور مجھے یہ اطمینان کھلی ہے کہ اُن کا دل رعایا کے فلاح و بہبود کے جذبات سے سمود ہے کیونکہ مسلسل ۱۰ سال تک انھیں جذبات کے ساتھ انھوں نے میرے رفیق کار کی حیثیت سے نہایت بیدار مہم اور اعلیٰ قابلیت سے کام کیا ہے جس کی وجہ سے نظم و نسق ملکی اور حکمرانی و رعایا پروری کا پورا تجربہ حاصل ہو گیا ہے مجھے اُن کے تحت فرمان ہر طرح سے ملک کا مستقبل و خشاں اور تاباں نظر آتا ہے اور میں بہر جہت مطمئن ہوں کہ انشاء اللہ العزیز ان کے عہد حکومت میں ملک کی حالت روز بروز بہتر اور ترقی پذیر ہوگی اور رعایائے بھوپال اس فیصلہ پر مجھ کو ہمیشہ دعا کے خیر سے یاد کرے گی۔

میں اُس مالک الملک کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اُس نے اپنے فضل و کرم سے میرے اس منشار اور فیصلے کے متعلق ہر ایک معاملہ میں میری مدد فرمائی اس موقع پر میرا یہ بھی فرض ہے کہ میں لارڈ ریڈنگ اور اُن کی گورنمنٹ کی شکر گزاری کا اظہار کروں کہ انھوں نے سکندریہ صولت ذاب انجیل الملک کے حق وراثت کے متعلق جو کہ شریعت اسلام اور راج ملک پر مبنی تھا میری رائے سے اتفاق کیا میں ہنر کیلنسی لارڈ اردون دیس رائے ہند کی دلی احسان مند ہوں کہ جب میں نے عنان حکومت ذاب سکندریہ صولت کے ہاتھ میں دے کر اس فیصلہ کی نسبت ان سے مراسلت کی تو انھوں نے نہایت لطف و کرم کے ساتھ میری دست کشی پر اظہار تأسف کرتے ہوئے ذاب مدد و روح الشان کو گورنمنٹ آف انڈیا کی ہمدردی و امداد کلی کا یقین دلایا مجھے یہ خبر ہے کہ ہمیشہ دیس رائے ہند اور فرمانروایان بھوپال کے تعلقات ایسے سنگین رہے ہیں جو ایک مضبوط دوستی اور دائمی ارتباط کے درجہ پر پہنچ گئے ہیں خصوصاً گزشتہ ۲۵ سال میں اس دوستی و ارتباط و تعلقات میں یو مانیو ما اضافہ ہی ہوتا رہا ہے۔

حاضرین دربار !

میں یاد دلانا چاہتی ہوں کہ فرمانروایان بھوپال اور سلطنت برطانیہ کے اتحاد کی مخلصانہ بنیاد ۱۸۵۷ء میں قائم ہوئی جس نے مصلحت میں ایک قابل احترام معاہدہ کی صورت اختیار کی اور ہمارے اسلاف کرام نے ہمیشہ اس کو پیش از پیش مضبوط و مستحکم کیا اس ڈیڑھ صدی میں اگرچہ بہت سے نازک دور گزرے

لیکن فرمانروایانِ بھوپال کی تلج برطانیہ کے ساتھ عقیدت اور وفاداری بنیانِ مرموص کی طرح ثابت ہوئی۔

نیز فرمانروایانِ بھوپال کے لئے وفاداری کی یہ روایات ایک بیش قیمت اور گراں قدر تہذیب اور مجھے کامل یقین ہے کہ نواب سکندر صولت اور ان کی اولاد ان روایات کا ہمیشہ احترام کریں گے اور ان کو قائم و دائم رکھیں گے۔ یہ امر مخفی نہیں ہے کہ فرمانروایانِ بھوپال کی وفاداری کا تا حیدر سلطنتِ برطانیہ اور ذی مرتبت قائم مقامانِ حکومت نے ہر موقع پر عظیم الشان اعتراف کیا ہے اور ہر امپریلٹک و کٹور قبضہ ہند کے عہدِ رافت ہند سے اب تک مسلسل طور پر فرمانرواؤں پر نوازش و الطاف خسروانہ مبذول ہوئے ہیں بالخصوص میں ان عنایاتِ اکرامِ ہنشاہی کے شکر یہ کہ کسی طرح عہدِ برا نہیں ہو سکتی جو دیر امپریلٹک و کٹور ملکِ معظم اور ملکِ معظمہ اور ہنراکل ہائسنس پرنس آف ویلزن نے ابتدا سے مجھ پر بری رکھے ہیں اور خصوصاً اس زمانہ قیامِ گلستان میں جو الطاف و عنایات مجھ پر اور میرے خاندان پر فرمائے ہیں ناممکن ہے کہ ان کی شکر گزاری الفاظ میں ادا ہو سکے ان کا نقش ہمارے قلوب پر ہے جو جذباتِ شکر گزاری کے ساتھ ہماری منلوں کے دلوں پر شعلہ ہو رہا ہے گا۔

میں لارڈ برکن ہیڈ وزیر ہند کے اخلاق و ہمدردی کو ہمیشہ شکر گزاری کے ساتھ یاد رکھوں گی ان کی ملاقاتوں سے میرے دل میں ڈیوک آف ارگائل کے ان خیالاتِ احترام و اعزاز کی یاد تازہ ہو گئی جو ڈیوک محدود کے دل میں سرکارِ خلد نشین اور سرکارِ خلد کاں کی نسبت تھے۔

حاضرینِ دربار!

اب میں آپ سے بحیثیتِ فرمانروائے بھوپال نصرت ہوتی ہوں اور مجھے اس بات سے بے انتہا مسرت ہے اور میں اس امر پر فخر کرتی ہوں اور رب العالمین کا شکر یہ بجا لاتی ہوں کہ آج اپنے ہاتھ سے اپنے نور چشم اور عزیز فرزند کو سریرِ اسے حکومت کر رہی ہوں۔ میں اس وقت ان کو رعایا و برابائے بھوپال کا محافظ بناتی ہوں اور تمام اخوان و اربابِ دولت اور رعایا کا شکر یہ ادا کرتی ہوں کہ ان سب نے اپنی وفاداری اور مطیع الامری سے میرے عہدِ حکومت کو کامیاب بنانے میں ہمہ تن کوشش کی اور میری ہر منشا کی تعمیل کو اپنی زندگی کا ایک اہم فرض سمجھا کوئی حکومت اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ رعایا بھی اپنے فرائض کا احساس کر کے مستعدی و

خوشدلی کے ساتھ اپنے حکمران کے احکام کی تعمیل نہ کرے۔ مجھ کو کامل یقین ہے کہ آپ اس جدید دور میں بھی اپنی روایات سابقہ کے مطابق اس کلیہ کو پیش نظر رکھیں گے اور اپنے فرماں روا کے سچے جاں نثار اور فرمانبردار رہیں گے۔

تین سال تک اس ملک کی قسمت صنفِ ضعیف کے ہاتھوں میں رہنے کے بعد اب صنفِ قوی کے ہاتھوں میں سپرد ہوئی ہے جس میں مردانہ اولوالعزمی، بیدار مغربی، بلند صیقلی، اور شجاعت کے ساتھ فیاضی و رحمہلی اور شفقت و رافت بھی بدرجہ اتم موجود ہے اس لئے یہ یقین کامل ہے کہ ملک اور رعایا کی رفتار ترقی میں تیزی پیدا ہو جائے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ ملک میں مزید ترقیات کا دور دورہ ہوگا۔ اب میں آخر تقریر میں اُس مالک الملک سے جس کے قبضہ قدرت میں سارا عالم ہے اور جس کی ذات کے ساتھ بحیثیتِ ظل اللہ ہر فرمانروا کو ایک نسبت خاص ہے دعا کرتی ہوں کہ ذاب سکندر صولت کی عمر و اقبال میں ہمیشہ ترقی ہو اُن کی رعایا اُن سے خوش رہے اُن کا ملک ہمیشہ سبز اور آباد رہے اُن کا نام چار دانگ عالم میں داگستری اور رعایا پردہری کے لئے مشہور ہو اور اُن کی ضعیف والدہ کی اُن سے جو توقعات ہیں وہ تمام و کمال پوری ہوں۔

نواب سکندر صولت افتخار الملک بہادر! اب میں نہایت مسرت کے ساتھ آپ کو صدر نشین رتی ہوں اور امید رکھتی ہوں کہ یوں تو آپ انشاء اللہ کلام مجید کے تمام احکام و نصاب پر کار بند ہوں گے لیکن بالخصوص اس آیت شریف کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں گے جو میں آپ کی سنائی ہوں اس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی دونوں جہاں میں سرخروئی اور سرفرازی ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ
الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ٥

ثناء تقریریں حضارِ دربار پر ایک عجیب قسم کا اثر پڑ رہا تھا کبھی خوشی کے آنسو آنکھوں سے بہتے تھے اور کبھی غم کے۔ کبھی چہرہ پر بے نشاشت چھا جاتی تھی اور کبھی انفرادی طاری ہو جاتی تھی تقریباً امانت یہی کشمکش جذبات رہی۔

اعلیٰ حضرت کی تقریر ختم ہوتے ہی قلعہ فتح گڑھ اور توپخانہ آپسی سے بیک وقت ہراسم دربار لشکرِ سلامی سے ہوئیں اور فوراً علما کا ایک جلوس آیا۔ یہ تمام علما، سفید لباس میں

ملبوس تھے اور سفید شاوول کی عبائیں ان کے شاوول پر تھیں۔ قاضی صاحب ریاست کے آگے ایک فوجی افسر کے ہاتھوں میں ایک شان سفید کتابی شکل کا تھا جس پر زرنگا طفرے میں اِنّ الحقّ لَہِ جَمیعاً (یعنی تمام عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں) تحریر تھا جس کو قاضی ریاست نے ہر پانچ کے سامنے پیش کیا اور انھوں نے اپنے دست مبارک میں لے کر نشان بر دل کو سپرد فرمایا اور نشان مذکورہ الصدر نشانوں کے بیچ میں کھڑا کیا گیا۔ پھر شاہی خلعت کی کشتیاں سلنے آئیں علیا حضرت سرکار عالیہ نے ہر ہائیئس کے فرق مبارک پر سر پہنچا دینی لگائی اور قاضی ریاست نے اس کی بندش کی پھر بار بار دیدار اور انگشتی الماس پہنائی گئی اور ارکان مجلس علماء و مشیر المہام افواج ریاست نے بستول، تلوار، پیش قبض، چھری، گرز، کمان، ترکش، زرہ، بکتر آہنی اور آہنی دستاں پیش کئے، قلمدان حکومت اور ہر ریاست پریسیڈنٹ کا بینہ عالیہ نے شاہی ہر علیا حضرت کے پرائیٹ سکریٹری نے خزانہ و توسک خانہ کی طلائی و نقری گنجیاں جو خاص انھیں مواقع کے واسطے ہوتی ہیں، سونچ کر ریاست نے پیش کیں۔ دینار سرخ کی ۱۰ تھیلیاں پیش کی گئیں جو اعلیٰ حضرت کے قدموں کے نزدیک کشتی میں رکھی گئیں اور علیا حضرت نے ایک تھیلی اٹھا کر اپنے تخت جگر کے سر پر بچھا دیا (یعنی تصدق) کر کے دوسری کشتی میں رکھی۔ بچھا دینے کی تھیلی بعد میں فقر کو تقسیم کی گئی۔

ان مراسم کے ادا ہونے کے بعد قاری صاحب جو تخت شاہی کے قریب ہی کرسی پر بیٹھے تھے کھڑے ہوئے اور انھوں نے سورہ لقمان کا دوسرا رکوع اور سورہ الم نشرح کی تلاوت کی اور تمام حاضرین بطریق اَدل تعظیم کے لئے استادہ ہو گئے۔

ختم تلاوت کے بعد ہر ہائیئس نے ایک نہایت پُر اثر تقریر فرمائی جس میں اس عظیم مقام کی احساس، علیا حضرت کے احسانات تربیت و شفقتِ مادرِی کا شکریہ و اعتراف، نصلح و غیرہ کی بابت کی ہیں۔

اس رکوع میں دہ نصائح ہیں جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو شرک سے بچنے اور مال کی اطاعت، نماندگی پابندی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احکام اور مصیبت پر صبر، نخوت سے احتراز، میانہ روی اور نرمی وغیرہ کی بابت کی ہیں۔

۱۰ مرتبہ اور مصیبت کے بعد راحت اور خدا کی طرف رجوع ہونے کی ہدایت ہے۔

انہیں ڈوبی ہوئی تھی جس سے ہر قلب متاثر تھا۔

نصائح خاص اعلیٰ حضرت کی تقریر کے بعد پھر سرکار عالیہ کھڑی ہوئیں اور اعلیٰ حضرت کو مخاطب کر کے پہلے بطور نصائح آیات ذیل تلاوت کیں۔

(۱) إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ

(۲) وَالَّذِي أَمَّا عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ۚ وَالْمُؤْتُونَ

بِعَهْدِهِمْ إِذْ عَاهَدُوا ۚ

(۳) وَأَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا

اور پھر اپنے دست شفقت میں ہر باطنی انس کا پیر شد و سعادت لے کر درمیانی کرسی پر جھکتے شاہی کی کرسی تہی بٹھایا اور ہر باطنی انس کے رخسارہ مبارک کا بوسہ لیتے ہوئے کہا کہ
رَبِّ اَوْزَعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَتِي وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِي فِي دِينِي طَائِفَةً تَنْبِتُ لِيكَ وَاِيَّيَّ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

ترجمہ (۱) (مسلمانو) اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور (لوگوں کے ساتھ) احسان کرنے کا اور قربت والوں کو (مالی امداد) دینے کا اور بے حیائی (کے کاموں) اور ناشائستہ حرکتوں اور (ایک دوسرے پر) زیادتی کرنے سے منع فرماتا ہے۔
(۲) اور مال (عزیز) اللہ کی محبت پر رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا اور غلامی وغیرہ کی قید سے لوگوں کی گردنیں چھوڑا نے میں دیا اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو اور جب کسی بات کا اقرار کر لیا تو اپنے قول کے پورے رہے۔

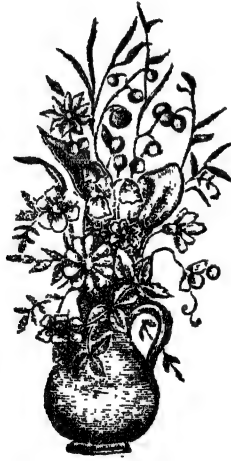
(۳) اور عہد کو پورا کیا کہ کیوں کہ (قیامت کے دن) عہد کی باز پرس ہوگی۔

(۴) اے میرے پروردگار مجھے اس (بات) کی توفیق دے کہ تو نے جو مجھ پر اور میرے ماں باپ پر احسانات کئے ہیں تیرے اُن احسانات کا شکریہ ادا کرتا رہوں اور اس (بات) کی (بھی) توفیق دے کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو راضی ہو اور میری اولاد میں نیک بختی پیدا کر دے کہ میرے لئے موجب راحت ہو) میں (اپنی تمام حاجتوں میں) تیری نظر رجوع لاتا ہوں اور میں تیرے فرماں بردار بندوں میں ہوں۔

نذریں اور اختتامِ دربار | اس پر عظمت اور جلالِ رقت انگیز نصیحت آموز نظارہ کے
بعد نواب گوہر تاج بیگم پرنس عابدہ سلطان نہایت متانت کے

ساتھ اٹھ کر تخت شاہی کے سامنے آئیں اور ہر بانی نس کے سامنے نذر پیش کی، زراں بعد دیگر
ملکی و فوجی افسروں کی نذریں پیش ہوئیں مگر یہ نظر احترام علماء اور سادات نذر سے مستثنیٰ تھے نذروں
کے بعد عطر، پان، ہار پھول وغیرہ تقسیم ہوئے اور دربار ختم کیا گیا جس ترتیب اور جلوس کے ساتھ
داخلہ ہوا تھا اسی طرح دربار ہال سے روانگی ہوئی۔

یہ کل مراسم تقریباً دو گھنٹہ میں انجام پذیر ہوئے اور اس دربار کے ساتھ ہی سرکار عالیہ کا دورِ
حکومت بھی ختم ہو گیا۔





تقریب دربار دست برداری سوکار عالیہ فردوس آشیان
و کار و نیشن زائب سکندر و وارت آففتکار الملک بهادر دام آقبالہ

قائم مقام سلطنتِ برطانیہ کا اعتراف

ہر حکمران اور فرمانروائے ملک کی لائف میں سب سے شاندار حصہ ملک کا بہترین نظم و نسق ہے۔ اور اس کا اندازہ مدبرین ملک کے اعتراف اور رعایا کی شکر گزاری اور خوش حالی سے کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں جو خود مختار روسا ہیں وہ بذریعہ عہد و موثیق برطانیہ کی شاہی گورنمنٹ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ گورنمنٹ ریاستوں کے نظام حکومت کو اپنے قائم مقاموں کے ذریعہ تنقیدی نظر سے دیکھ کر اسے قائم کرتی ہے جو نہایت اہم مانی جاتی ہے۔

پس اسی اہمیت کے لحاظ سے سرکارِ عالیہ کی ان قابلیتوں اور ان کے نتائج کے متعلق سلطنتِ برطانیہ کے ممتاز مدبرین کے خیال سے کیا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

ان اقتباسات سے جہاں سرکارِ عالیہ کی صفت حکمرانی کی اعلیٰ شہادتیں نظر سے گزرتی ہیں وہاں حضورِ محدودہ کے ان نیر و نور اور گوناگوں اوصافِ جمیلہ کا بھی اعتراف پایا جاتا ہے جو نہ صرف خواتینِ اسلام بلکہ کل مشرقی خواتین کے لئے اور دنیا کے مشرقی حصہ کے لئے مایہ ناز ہیں۔

آرل آف منٹو وائس رے ہند
سنہ ۱۹۰۹ء

”آپ کی توجہ فقط انتظامِ فوج کی طرف ہی مبذول نہیں ہے بلکہ آپ کے اعلیٰ منتظم ملک ہونے کی شہرت نہایت

بجا ہے۔

آپ کی ترقی تعلیم، خاص کر دوسرا ہند کی اعلیٰ تعلیم سے دلچسپی، آپ کا تعلیمِ عمومی احساس آپ کی اعلیٰ گدھ کالج اور دیگر تعلیم گاہوں کو امداد، آپ کی اپنی جنس کی تعلیم سے گہری ہمدردی آپ کا اپنے ہم مذہب غرباء کے ساتھ شائمانہ کرم اور فیاضی اور آپ کا یہ اصول کہ اعلیٰ زمیندارانِ ملک عوامِ الناس کے کاموں میں زیادہ نمایاں حصہ لے کر آئندہ ریاست کی امداد کا باعث ہوں یہ باتیں ایسی ہیں جو ایک بڑے فرماں روا کے فرائض کی بیش قیمت نظیر ہیں اور جن کا عمل درآمد آئندہ ہندوستان میں حکومتِ برطانیہ کی بھی امداد اور تقویت کا باعث ہوگا۔

لارڈ ہارڈنگ وائس رے ہند ۱۹۱۲ء | ”سکندر بیگم صاحبہ کی اولاد جن سے کہ ان

کے خوش نامدار اسطنت میں اس وقت مجھ کو ملنے کا افتخار حاصل ہوا ہے اپنے نامور مورث کے قدم
 بقدم ہیں اور اپنے خیر خواہانہ کارناموں کو انھوں نے بدستور قائم رکھا ہے بلکہ اپنی رعایا کی اصلاح
 میں انھوں نے جو فکریں کی ہیں وہ مزید ہو گئی ہیں یورپائی نس کو جی، سی، آئی، اسی و جی، سی
 ایس، آئی کے خطابوں کا افتخار حاصل ہے اور سال گذشتہ میں خود ہنشاہ معظم نے دہلی میں آپ
 کو منعہ کر دیا آف انڈیا عطا فرمایا ہے۔ یہ ہنشاہ معظم کی دوستی اور لحاظ کی نشانیاں ہیں اور
 آپ کے عمدہ نظم و نسق کا احترام ہے۔ اندرونی انتظامات ملکی میں بھی یورپائینس کا نام دیا یہی
 مشہور ہے جیسی کہ آپ کی خیر خواہی تاج و تخت، آپ نے اپنی ریاست اور رعایا کے فائدہ کے
 واسطے ان وسیع معلومات کے نتائج کو وقف کر دیا ہے جو آپ نے انگلستان اور دیگر وسیع ممالک
 یورپ اور ایشیا میں سفر کرنے سے حاصل کئے ہیں اور جن کی زندہ شہادت وہ کتاب موجود
 ہے جو حال میں آپ نے شائع کی ہے نظم و نسق ملک کی اصلاح میں جو ترقیاں زائد حال میں
 کی گئی ہیں ان کا اعادہ چنداں ضروری نہیں ہے مگر دو خاص جہتم باشندان امور کا ذکر کرنا ضروری
 ہے جس سے کہ یورپائی نس نے ایک نظیر درخشاں قائم کر دی ہے۔ میرا اشارہ ان احکام کی طرف
 ہے جو ترقی، تعلیم، نسوان کے متعلق آپ نے جاری فرمائے ہیں اور اُس لپچی کی جانب ہے
 جو اہم مسئلہ تعلیم اعلیٰ روماء و سرداران کی بابت آپ نے کی ہے۔ بعض حصہ جات ہند میں تسلیم
 نسوان کا اس قدر کم انتظام کیا گیا ہے کہ بعض اوقات یہ اعر قریب قریب فراموش کر دیا جاتا ہے
 کہ عورتیں مردوں کی ماں ہیں۔ ایک خطرناک تعداد میں ہر سال بچوں کا ملک میں ضائع ہونا اور
 ہر طبقہ کی عورتوں کا تسلیم سے محروم ہونا یہ عام طور پر سب کو معلوم ہے اور مجھے اس کے صحت
 کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر ساتھ ہی اس کے میں یہ کہوں گا کہ اہل ہند کی زندگی میں یہ دو
 امور جزو معظم ہیں۔ ترقی میں جو مشکلات ہیں وہ بے حد ہیں مگر بحیثیت ایک خاتون اور الیکٹریک
 کے یورپائی نس کو جو مواقع مل سکتے ہیں وہ دوسروں کو نہیں مل سکتے اور آپ نے جو ان واقع
 کا عمدہ استعمال کیا وہ اس کام سے ظاہر ہوتا ہے جو لیڈی ہسپتال اور مدرسہ سلطانہ
 اور وکٹوریہ گرلس اسکول میں ہو رہا ہے۔

لارڈ چیمسفورڈ محافلہ "یورپائی نس، لیڈیز، جنٹلمین! میرے دونوں معزز پیشروں

نے جب اس ریاست کا دورہ کیا تھا تو خوش قسمتی سے اُن کو ریاست بھوپال سے قدیم خاندانی تعلقات کی تجدید کا موقع مل گیا تھا میں اس رعایت کا مستحق نہیں ہو سکتا ہوں، ہاں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میں اور لیڈی جمپینور ڈیہ معلوم کر کے سید خوش ہیں کہ ہمارا شمار آپ کے حلقہ احباب میں ہے اور آپ کے اس پر جوش خیر مقدم کا ہم کو کافی احساس ہے آپ نے اپنی تقریر میں اس روز افزوں دلچسپی کا حوالہ دیا ہے جو ہندوستان موجودہ جنگ میں ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں لے رہا ہے۔ کاش میں میرے پاس اتنا وقت ہوتا کہ میں آپ کو اس شاندار تائیدی جواب کا جو ہندوستان کے والیان ریاست اور عام باشندوں نے وزیرِ اعظم کی اپیل کا دیا ہے مفصل حال بتاتا اور آپ سے اس حیرت انگیز جنگی مشین کی ترقیوں کا ذکر کرتا جو ہم نے تیار کی ہے۔ ہندوستان نے اس وقت تک اپنی پوری طاقت استعمال نہیں کی ہے اور اسکی ضرورت ہے کہ ہم ہر ممکن کوشش اس کام میں خرچ کریں جس کو ہم نے ہاتھ میں لیا ہے لیکن ہماری کوششیں متحدہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ہم رستی پر ہیں اُس مشہور صلح جو پندرہویں صدی کے خلاف بھوپال و حکومتِ برطانیہ کے مابین ہوئی تھی ایک صدی سے زیادہ زمانہ گزرا اور وہ دوستی جو اس زمانہ میں قائم کی گئی تھی وہ ہمیشہ کے لئے مضبوط ہو گئی ہے وہ وفادارانہ و شاندار خدمات جو حکومتِ برطانیہ کی آپ کے خاندان نے انجام دی ہیں تاریخ میں ثبت ہیں اور مجھے ان کے متعلق کچھ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ مگر میں اس مدد کو حاضرین کے گوش گزار کرنے کیلئے ضرور ذکر کروں گا جو موجودہ زمانہ جنگ میں آپ نے مختلف محرومیوں میں گورنمنٹ برطانیہ کو پہنچائی ہے چار سال کا زمانہ گزرا جب آپ نے ریاست کے تمام وسائل گورنمنٹ برطانیہ کے زیر تصرف کر دیئے تھے اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ نے ہیزلکروٹس ہائی ٹس حضورِ نظام کی شرکت میں ایک اعلان شائع کیا تھا جو گورنمنٹ کے لئے بہت زیادہ قابل وقعت تھا اس لئے کہ اس سے عام طور پر ان وفادارانہ جذبات کا اظہار ہوتا تھا جو شاہی طاقت اور دوسرے درجہ کی اسلامی ریاست ہند کے درمیان قائم ہیں اس وقت سے اب تک آپ نے بیش قیمت موٹر کاریں کشتیاں اور ایک مسلح ہوائی جہاز دیا ہے اور ان کے علاوہ کثیر المقداریہ امدادیں مختلف جنگی مقاصد میں کی ہیں۔ ان سب پر سنہ ۱۹۲۲ لاکھ کی وہ کثیر رقم ہے جو اپنے اسپتال کے جہاز "لائٹ" کے لئے دی ہے۔ آپ نے اپنے توپ خانہ کے سب گھوڑے بھی عنایت کر دیئے

اور اس کے علاوہ ریاست نے اور بہت سے گھوڑے ہمارے لئے تیار کئے جو مختلف محاذوں پر روانہ کر دیئے گئے ہیں۔ آپ کے امیر مل سرورس رسالہ جنٹ نے ۳ سال تک شمالی ہندوستان میں کام کیا اور اب وہ سرحد وزیرستان پر مصروف کار ہے۔

میں میر جبریل یاٹ کی وہ رپورٹ پڑھ کر جو اس جھڑپ کے معائنہ کے بعد انھوں نے لکھی ہے نہایت محظوظ ہوا ہوں۔ آپ نے قرضہ جنگ میں بہت کثیر رقم عنایت فرمائی ہے اور بھوپال کے عوام و خواص کو بھی آپ نے اس کی ترغیب دی کہ وہ اس میں فراخ دلی کے ساتھ رقوم دیں۔ آخری مدد جو آپ نے کی ہے وہ میرے ریاست میں آنے کے موقع پر ہوئی ہے آپ نے مجھے انڈیا جنگ کے لئے پچاس ہزار روپیہ عنایت فرمایا اور اس کا وعدہ کیا کہ تا قیام جنگ آپ اتنی ہی رسم سالانہ عنایت فرماتی رہیں گی جنگی خدمات کے ذیل میں اس کا ذکر کئے بغیر نہ رہوں گا کہ باوجود چند در چند دمتوں کے آپ جنگی کانفرنس کے موقع پر ماہ اپریل میں دہلی تشریف لے گئیں۔ یہ بھی آپ کی بے مثل دفا داری کا ایک زبردست ثبوت ہے۔

مذکورہ بالا اور نیز دیگر طریقوں سے آپ نے گورنمنٹ برطانیہ کی مدد جنگ کے معاملات میں کی ہے مگر اسی کے ساتھ آپ نے ہندوستان اور اپنی ریاست کے معاملات کو ایک منٹ کے لئے بھی فرو گذاشت نہیں کیا۔ والیان ملک کی کانفرنسوں کے موقعوں پر آپ برابر دہلی تشریف لاتی رہیں اور ہم لوگوں کو آپ کی غنیمت مغربی و تجربہ سے فائدہ اٹھانے کا بہت کافی موقع ملا اور میں نے بہت لچپی کے ساتھ وقتاً فوقتاً آپ کے اُن خیالات کو پڑھا ہے جو آپ نے اہم پبلک معاملات کے متعلق ظاہر کئے ہیں۔ یہ امر میرے لئے باعث مسرت ہے کہ آپ میری اور صاحب دزیر سند کی ان کوششوں کی داد دیتی ہیں جو ہم نے برطانوی حکومت کے حسب ہدایت ہندوستان کی آئینی اصلاحات کے مسئلہ کو سلجھانے میں مصروف رہ کر کی ہیں اور یہ اطلاع میرے لئے دل خوش کن ہے کہ ریاستوں کے معاملہ پر ہماری تجاویز کو آپ خاص طور سے نظر پسندیدگی دیتی ہیں۔ آپ کی شہرت ایک میدان مغز و دانشمند حکمران کی حیثیت سے دور دور بھیلی ہوئی ہے اور اس کا ثبوت اُن اعلیٰ درجہ کے مدرسوں میں ملتا ہے جو آپ کی ریاست کی زینت ہیں، نئے دفاتر اور کتب خانے واقعی ایسی بڑی ریاست کی شان کے نمایاں ہیں اور حفظانِ صحت کی جو تجاویز آپ

کے ہاں زیر بحث ہیں میں امید کرتا ہوں کہ ان کے عہدِ آمد سے اس شہر کو کافی فائدہ پہنچے گا اور طاعون کا کافی تدارک ہو جائے گا جو مسلسل دلچسپی آپ نے ساجھی ٹوپ کی کھدائی اور درستی کے کام میں ظاہر کی ہے وہ اس قیمتی رپورٹ سے ظاہر ہے جو سر جان مارشل نے تیار کی ہے اور جس میں آپ نے ان کو فیاضانہ مدد دی ہے اس کی وجہ سے میرا اور لیڈی جمیسیفور ڈی صاحبہ کا صبح کا وقت بوجھ کی قابلِ قدر یادگاروں کے معائنہ میں نہایت مفید دلچسپی و لطف سے گزرا۔ آپ کی دلچسپی تعلیمی معاملات میں اور عورتوں کے مسائل کے متعلق مشہور آفاق ہے۔ ہندوستان کی عورتوں نے ہمیشہ اپنے فرقہ کی ایک اعلیٰ حکمران کی نظر سے ہر امداد و سرپرستی کے موقع پر آپ کو لکھا ہے اور ان کا یہ خیال بالکل درست بھی ہے جو ذمہ داری آپ نے قبول کی ہے وہ بہت بھاری ہے مگر آپ نے اپنے فرض کو نہایت خوبصورتی سے ادا کیا ہے جس کی شاندار نظیریں لیڈی لینڈون ہسپتال، مدرسہ لطانیہ، وکٹوریہ گریس اسکول اور وقف کا وہ فنڈ ہے جس کی بنیاد ۱۹۱۱ء میں بھوپال گریڈ اسکول کے مصارف کے لئے پڑی تھی آخر میں اس مدد کا بھی ذکر کروں گا جس کا علم مجھے ہرکلسنی (لیڈی جمیسیفور) سے ہوا ہے کہ آپ ان کی شاہی نفرتی شادی کے نذرانہ کی اسکیم میں ان کو بہت قیمتی مدد دے رہی ہیں اور اس کے ضمن میں آپ نے ان سپاہیوں کے بچوں کے لئے جو اس لڑائی میں کام آئے ہیں کچھ وظائف منظور کئے ہیں جنہو ملکِ عظم نے اپنے اظہارِ قدر دانی میں آپ پر چند در چند مہرِ خروارہ کئے ہیں۔ اور یہ امر میرے لئے بہت باعثِ مسرت تھا کہ گوشتِ مکیم جنوری کو آپ کو حضورِ شہنشاہِ عظم کی پیش گاہ سے آرڈر آف برٹش امپائر کا زماںہ گریڈ کر اس (تمغہ) عطا کیا گیا ہے۔

لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند | یورہائیٹس نے تاجِ برطانیہ کی وفاداری اور عظمت کی خدمات کے متعلق جس اعتماد اور یقین کا اظہار کیا ہے

۱۹۲۳ء

اس کی پوری قدر و منزلت کرتا ہوں۔ میں نے اس کو بھی محسوس کر لیا ہے کہ یورہائیٹس میری گورنمنٹ اور ڈیسی ریاستوں کے مابین رسل و رسائل کے نظام کو موجودہ صورت سے بہتر دیکھنا پسند کرتی ہیں یورہائیٹس کو معلوم ہے کہ میں باہمی تعلقات میں زیادہ قربت کرنے کے اصول پر توجہ کر رہا ہوں۔ یورہائیٹس نے ہندوستان کی فضا میں جو تبدیلیاں ہو رہی ہیں ان کی طرف اشارہ کیا ہے یہ

تبدیلیاں کچھ ہندوستان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہیں بلکہ یہ زمانہ کی ارتقائی تحریک کا نتیجہ ہیں اور دنیا کے ہر مقام پر کم و بیش یہی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں کہ یورپائی نسل کے خیال کے مطابق نہایت اعلیٰ تہذیب اور کامل تجربہ کاری کے ساتھ واقعات کی رہنمائی کوئی چاہئے میں نہایت خوشی کے ساتھ آئندہ ایسے موقعوں کا خیر مقدم کروں گا جو مجھے اپنے اس دورے کے اثنا میں ملیں گے جن میں مجھ کو ہندوستانی ریاستوں کی پولیٹیکل اہمیت کا مطالعہ کرنے اور ان کی ترقی اور بہتری کے ذرائع پر غور کرنے کا موقع ملے گا۔ ہندوستان میں جو سیاسی اور معاشرتی تبدیلیاں ہو رہی ہیں ان میں ریاست کے باشندے کامل اعتماد اور روایتی وفاداری کے ساتھ اپنی مشکلات کو دور کرنے اور ان تبدیلیوں میں اپنی رہنمائی کرنے کے لئے اپنے حکمرانوں کی طرف نظر کرتے ہیں۔ اس اعتماد اور تعلق سے زیادہ کوئی قیمتی چیز آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ یورپائین کی طرح باندہ حکمران اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اس انقلابی زمانہ میں رعایا کا یہ اعتماد اور وابستگی ان کے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔ مجھے اپنے دور ان قیام میں یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی ہے کہ رعایا کی محبت اور وفاداری یہاں ایک زندہ قوت ہے یہ محض روایتی جذبات کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد یورپائی نسل کا پر خلوص برتاؤ اور رعایا کی بہتری کے لئے یورپائین کی بہترین کوششیں ہیں۔ میں بہت سی باتیں دیکھنے سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں جس میں خاص طور پر پبلک انسٹی ٹیوشن میں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپائی نسل کو اپنی رعایا کی تعلیم و حفظت رفع تکلیف اور دوسری ضروریات کا کتنا زبردست احساس ہے۔ یورپائی نسل نے جذبات و فصاحت کے ساتھ آئینی گورنمنٹ کے قیام کا ذکر کیا ہے جس کی بنیاد یورپائی نسل نے ہزاروں ہائی نسل پرنس آف ویلز کے ورود کے موقع پر کبھی بھی گو اس کا دائرہ ابھی وسیع نہیں ہے لیکن اس کی بنیاد نہایت مناسب ہے اور چالنی کے ساتھ کبھی گئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ ان میں اور ترقی ہوگی جبکہ حالات اور رعایا کی ضروریات اس سے زیادہ وسیع اور ترقی یافتہ نظام کی خواہاں ہوگی۔ اور میں نہایت امید کے ساتھ اس دن کا انتظار کرتا ہوں جبکہ یہ نظام مکمل ہو کر ان لوگوں کی جائے عافیت اور قابل فخر ہو گا جو اس کے سایہ میں زندگی بسر کریں گے.....

میں ہر کلسنی کی طرف سے بھی یورپائی نسل کا ان تعریفی الفاظ کے متعلق شکریہ ادا کرتا ہوں

جو آپ نے ان کی ساعی پر ہندوستانی عورتوں کی طرف سے ظاہر کئے ہیں یقیناً وہ اپنے کام کی تعریف کو اُس ذات کی طرف سے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھیں گی جس نے کہ اسی میدان میں کام کیا ہے جو اس کی مشکلات کا اندازہ دھتتا ہے اور جس کے دل میں ایسی ہی امیدیں اور خطرات ہیں۔ یہ احساس ان کی تقویت کا باعث ہوگا اور ان کو ہندوستان کی تہنا خاتون فرماں روا کی ہمدردی اور امداد حاصل ہے جس نے کہ خود بھی ہندوستانی عورتوں کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔

لارڈ ارون وائس رائل ہند | اس سے مجھے مخصوص طور پر خوشی ہوئی کہ میں یورہائینس کے پہلے سال حکومت میں بھوپال آیا اور میں آپ

کے لئے اس سے زیادہ خوش نصیبی کی ادھر کیا دُعا کر سکتا ہوں کہ آپ کا زمانہ حکومت اتنا ہی پُر امن اور کامیاب ہو جتنا کہ آپ کی والدہ محترمہ کا ہوا جنہوں نے ابھی حال میں آپ کے لئے مسند سے دست کشی اختیار کی ہے۔ ہربانی انس بیگم صاحبہ (اپنی خدمات پر) ہندوستان اور ریاست بھوپال کی جانب سے شائق کی ستی ہیں۔ قریب قریب وہ پچیس سال ریاست کے نظم و نسق میں ہمہ تن مہمک رہیں اور ہم سب یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ اس کیسویں میں جو انہوں نے اس شاندار طریقہ پر حاصل کی ہے بہت مسرت کے سال بسر کریں گی۔ ہربانی انس مددہ نے یورہائینس کو اپنا جانشین بنا کر اور اس طرح اپنے کامل اعتماد کا اظہار کر کے آپ کو سرفراز کیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اپنی زندگی کے آئندہ سالوں میں وہ اپنے عزیز فرزند کی جس پُر انہوں نے کامل اعتماد کا اظہار کیا ہے مدبر کو نہایت دیکھ کر اطمینان حاصل کر لیں گی۔ یورہانی انس بے شک نہایت خوش نصیب ہیں کہ سالہائے مستقبل میں آپ کے لئے ایک ایسا اُمشیر رہے گا جو آپ کو اپنے مجربہ اور تدبیر کا پورا فائدہ پہنچائے گا۔ بھوپال میں اس سے پہلے کوئی وائس رائل ایسے وقت میں نہیں آیا جب کہ کوئی مرد مسند حکومت پر متمکن ہو اور اس لئے یہ نہایت بر محل ہے اگر بھوپال کی خاتون حکمرانوں کی قابلیت اور مضبوط اور مستحکم حکومت کے متعلق استعجاب کا اظہار کروں۔ ایک انگریز کے لئے اگر وہ ایک خاتون کی قوت کا بحیثیت ایک عمدہ فرمانروا کے اندازہ کرنا چاہتا ہو تو وہ اپنے ملک کی تاریخ پر نظر ڈالے اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہندوستان بھی ہربانی انس جیسی ایک حکمران خاتون کے وجود پر فخر کر سکتا ہے جس نے باوجود اپنی مختلف النزع ذمہ داریوں

کے کسی وقت بھی اپنے عورت ہونے کو فراموش نہیں کیا اور مسلسل ہندوستان میں اپنی صنف کی بھودی اور ترقی کے کاموں میں نہایت گہری دلچسپی لیتی رہیں.....
 یہ اقتباسات تو وائسرائے ہند کی تقریروں کے تھے لیکن اب اس سلسلہ کی تکمیل کے لئے ہزارل ہائی لنس پرنس آف ویلز (سابق کنگ ایڈورڈ ہشتم) کی تقریر کا اقتباس بھی درج کیا جاتا ہے۔
 ہزارل ہائی لنس پرنس آف ویلز | میرے لئے یہ امر بڑی مسرت کا باعث ہو کہ میں
 بھوپال آیا اور لیڈر ہائی لنس سے ملاقات کا فخر حاصل کیا
 ۱۹۲۲ء

جنگی تاج برطانیہ سے وفاداری اور سلطنت کی خلوت شہور عام ہیں۔ لیڈر ہائی لنس کی ذات میں میرے خاندان اور سلطنت برطانیہ کے ایک ایسے دوست کی ذات ہے جس کی وفاداری روایات قدیم اور اعتمادِ وفائی کی بنیادوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہے۔

ہماری تاریخ میں دوسرا نازک وقت جنگِ عظیم کی ابتدا تھی۔ لیڈر ہائی لنس نے فوراً اپنی ریاست کے تمام ذرائع، فوج کی خدمات اور اپنے ماندان کی خدمات کو ملکِ مغلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ کی امیریل سروس کیولری جس کو آپ کی محترم والدہ نے قائم کیا تھا اور جس کو ملکہ وکٹوریہ اعظم کے نام سے منسوب کیا گیا تھا اس سے بھی ہندوستان میں خدمات لگیں اور بعد میں سرحد و زیرستان پر وہ لڑی تفصیل کے ساتھ لیڈر ہائی لنس کی تمام امداد کا جواب کی ریاست نے اس کشمکشِ عظیم میں سلطنت کو دی ذکر کرنا بہت مشکل ہے۔ بہت سی ضروریات جو بھوپال نے پوری کیں ان میں سے چند کا تذکرہ کروں گا۔ توپ خانہ کے لئے گھوڑے اور آدمی دیئے گئے۔ کیولری ریمائڈنٹ، ایرولین (ہولی جہاز کی تیاری میں بھی امداد کی۔ اور ۲ لاکھ روپیہ عنایت کیا۔ ایک لاکھ کے ابتدائی ہدیہ کے بعد تین لاکھ روپیہ ریلیف فنڈ میں دیا علاوہ بریں لیڈر ہائی لنس نے اس وقت جبکہ جنگ کا اختتام مشتبہ تھا پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی امداد جنگ جاری رہنے تک فرمائی۔ لیڈر ہائی لنس کے خاندان نے بھی آپ کی شریفانہ مثال کی پیروی کی۔ اور نہایت قابلیت اور متعدی کے ساتھ پبلک اور پرائیوٹ حیثیت سے ہمارے مقاصد کی امداد کی۔

یہ کامل وفاداری اور مسلسل خدمات کی فہرست جو آپ نے سلطنت اور تاج برطانیہ کی تہا

وقتاً گئیں ایسا دیکھا دھبے جس پر یورہائی نس اور آپ کی ریاست بجا طور پر فخر کر سکتی ہو اور مجھے نہایت مسرت ہے کہ میں آج حرات کو اپنا شکریہ ذاتی طور پر یورہائی نس کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ میں اپنی تقریر کو ختم نہیں کروں گا تا وقتیکہ میں اس عزت اور احترام کا تذکرہ نہ کروں جو یورہائی نس کو ایک روشن خیال اور دور اندیش فرمانروا، اور اپنی رعایا کی سود و بہبود میں دلچسپی لینے والے حکمران کی حیثیت سے عام طور پر حاصل ہے۔

یورہائی نس نے آج جس ارادہ کا اظہار کیا ہے کہ آپ رعایا کو حکومت سے زیادہ ملحق کرنا چاہتی ہیں۔ یہ آپ کے، اُن کے ساتھ تعلق اور دلچسپی کا بڑا ثبوت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا یہ فیاضانہ قدم رعایا کے اندر احسان شناسی کے جذبات پیدا کرے گا۔ آپ اپنی مملکت سے باہر بھی مستعدی کے ساتھ ان کانفرنسوں میں شریک ہوتی رہی تھیں اور سلطنت اور ہندوستان کے متعلق اہم معاملات پر اپنی ضمنی رائے کا اظہار کرتی رہی ہیں جو وائسرائے نے وقتاً فوقتاً منعقد کی ہیں۔ میں یورہائی نس کے کام کے ایک رخ کا ذکر کئے بغیر بھی خاموش نہیں ہو سکتا جس میں یورہائی نس کا کوئی ندر مقابل نہیں ہے۔ میرا مطلب ان جذبات سے ہے جو ہندوستانی عورتوں سے متعلق ہیں صنف نسواں کی ایک فرمانروا ہونے کی حیثیت سے آپ نے اس فرض کو محسوس کیا جو آپ پر عائد ہوتا ہے اور یورہائی نس کی ذاتی کوششیں اپنے طبقہ کی تعلیمی ترقی اور عام بہبودی کے حصول میں یقیناً کبھی نہ ٹھکنے والی ثابت ہوئیں گی۔ مجھے غلظت ہے کہ میری والدہ ہر امپریل مجبئی کوئن امپرس کو یورہائی نس کی خدمت خلق کے اس رخ سے کتنا تعلق ہے۔“

ہر ایک فرمانروا کی کامیابی کا پورے طور پر اندازہ کرنے کے لئے اس رعایا کا جوش عقیدت کی رعایا کی وفاداری، عقیدت اور خلوص و محبت کے جذبات ہی حقیقی و اصلی معیار ہیں اور سرکارِ عالمیہ کی رعایا اُن سے مخصوص طور پر وابستہ رہی اور مختلف موقعوں پر اپنی محبت و خلوص اور وفاداری و عقیدت کے جذبات کا اظہار کیا۔

حالاہذا میں حضور سرکارِ عالمیہ کی سالگرہ کے موقع پر جو رعایا کی جانب سے ایڈریس پیش ہوا وہ ان کے دلی جذبات کا ترجمان تھا جس کا اقتباس حسب ذیل ہے :-

حضور عالیہ! ہم میں سے ہر شخص واقف ہے کہ جس زمانہ میں اس ملک کی قسمت احکام الحکیم نے علیا حضرت کے دست مبارک میں تفویض فرمائی اُس وقت مختلف اسباب سے اس کی مادی و اقتصادی حالت نہایت مستحکم ہو چکی تھی تحفظ و دبا کی صعوبات نے سخت صدمہ پہنچایا تھا۔ مگر وعدہ رقبہ کا نکتہ حصہ خیر آباد تھا۔ اور تقریباً تیس فیصدی آبادی کم ہو گئی تھی اور اسی طرح عموماً دوسرے انتظامات اور خصوصاً تعلیم میں ملک بہت بڑی اصلاحی تدابیر کا محتاج تھا لیکن حضور عالیہ نے اعلیٰ فراست، اصابت رائے اور کمال تدبیر و سیدامرغزی سے ان تمام مشکلات اور دقتوں کو جو اصلاحات کے راستہ میں حائل تھیں دور فرمایا اور اعلیٰ ترین اصول حکومت سے قلیل عرصہ میں ملک کی سرسبزی و آبادی میں کامیابی حاصل کی حضور عالیہ کا نفس نفیس ملک محروسہ کا دوز اور زرعی و تمدنی حالات کا بہ نظر خود معائنہ فرمانا گویا ان اصلاحات و ترقیات کے لئے فتح اباب تھا اور اب منازل قمری کے سترہ دور طے کرنے کے بعد جب ابتدائی زمانہ سے ہم مقابلہ کرتے ہیں تو کوئی شعبہ ایسا نظر نہیں آتا جس میں اصلاح و ترقی کے آثار نمایاں نہ ہوں۔

حضور عالیہ! ہم ان امور کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی قسمتوں پر فخر کرتے ہیں کہ ہم کو اس وجود ہمایوں کا ظل عاطفت نصیب ہوا ہے جس کی فطرت کا جوہر عظیم مخلوق الہی پر شفقت و رحمت ہے اور جس کے قلب مبارک میں ہمارے جذبات کا کامل احساس اور ہمارے ساتھ انتہائی ہمدری ہے اور جس کی ذات شاہانہ اعلیٰ اوصاف حکمرانی کا مجموعہ ہے اور اس میں تمام وہ خصوصیات مجتمع ہیں جن کے باعث تر مقدم فرمانروایان بھوپال خاص طور پر ممتاز و معروف رہے ہیں۔

سرکار عالیہ کے ساتھ رعایا کو جو الفت تھی اُس کا نظارہ ان کے دُوروں میں ہوتا تھا یا یہ کہ جب کبھی وہ اچانک موٹر پر جاتے ہوئے کسی گاؤں میں یا راستہ میں ٹھہر جاتی تھیں۔ بھوپال کے قرب و جوار میں یا کوہ و صحرائے دور و دراز گوشوں کی آبادیوں میں ہر جگہ سرکار عالیہ کا نام اُن کی رعایا کی زبانِ محبت و الفت کے ساتھ جاری تھا۔

تمام ملک محروسہ میں ان جذبات کا اندازہ اس وقت کامل طور پر نظر آ رہا تھا جب سرکار عالیہ نے دست برداری حکومت کا اعلان کیا ہے۔ ہر شخص اگرچہ موجودہ فرمانروا کی ذات اقدس اور ان صفات عالیہ سے جن کا گزشتہ دس سال سے تجربہ ہو رہا تھا کامل مطمئن تھا لیکن سرکار عالیہ

کی دست برداری سے انتہائی اندوہ گیں اور رنجیدہ تھا۔ اور پھر باوجودیکہ سرکارِ عالیہ حکومت کے فرضِ عظیم سے سبکدوش تھیں مگر رعایا کے بھوپال کے قلوب پر حکومت قائم رہی جس کی پیش گوئی اعلیٰ حضرت قدس نے اپنی تقریرِ صدر نشینی کے وقت ان الفاظ میں کی تھی کہ :-

”اگرچہ حضورِ عالیہ نے امورِ ریاست سے دست کشی فرما کر حکومت ظاہری کے بارگراں میرے شاہن پر رکھ دیا ہے لیکن بلاشبہ میرے اور تمام رعایا کے بھوپال کے دلوں پر ہمیشہ حضورِ عالیہ کی حکمرانی رہے گی اور تمام ملکِ محروسہ میں حضورِ عالیہ کی محبت و شفقت کا جو سک لپیٹا ہوا ہے وہ بدستوریوں ہی جاری رہے گا۔“

اصل الاصول حکومت

یہ ایک نمایاں حقیقت ہے کہ سرکارِ عالیہ جب سرِ آراء حکومت ہوئیں تو ملکِ نظامی و اقتصادی، عمرانی و تمدنی، تعلیمی و اخلاقی حیثیت سے بہت کچھ اصلاح طلب تھا مگر سرکارِ عالیہ عزمِ بلند اور تربتِ عالی کے ساتھ شبانہ روز اصلاحات و ارتقائے ملک کی مساعی جمیلہ میں متہمک ہو گئیں سخت و شدید موسمِ سرما میں عرض و طولِ ملک اور صحرائی و کوہستانی رقبات کا دورہ کر کے اور رعایا سے آزادی و بے تکلفی سے مل کر اس کی اصلی و حقیقی حالت کا مشاہدہ کیا اور وہ تجاویز و مذاہیر اختیار کیں جن سے اپنے مدعا و مقصد میں کامیاب ہوئیں اور ہر حیثیت سے ملک و رعایا کو مدایجِ ترقی پر پہنچا دیا۔

وہ اپنی رعایا میں محبوب و ہر دلعزیز تھیں راعی و رعایا میں شگفتگی محبت اور طمانیت قائم تھی۔ ان کی تدبیرِ مملکت و میدا و مغزی اور اصلاحات کی شہرت چار دناںکِ عالم میں پھیلی۔ ہنرمیں مجبٹ ملکِ معظمِ قیصرِ ہند کی گورنمنٹ سے ان کو مراتب و اعزاز حاصل ہوئے اور قائم مقامانِ سلطنت نے اس کا اعتراف کیا۔

سرکارِ عالیہ کی یہ شاندار کامیابی محض اس عقیدت پر مبنی تھی کہ وہ ملک کو دلیعتِ الہی تصور

کر کے فرض حکومت کو اس تہقن کے ساتھ ادا کرتی تھیں کہ حکومت و اقتدار عزت و مرتبت اور نجات آخرت صرف اسی فرض کی بجا آوری پر منحصر ہے۔
انہوں نے سرر حکومت پر قدم رکھتے وقت ہی محسوس کر لیا تھا بلکہ اپنی تقریر میں اس احساس کو ظاہر بھی کر دیا تھا کہ :-

”جس فرد بشر کے سر پر تاج شاہی رکھا جاتا ہے اس کی آسائش محدود ہو جاتی ہے“
چنانچہ اس ۲۵ سال کے دور حکومت میں ان کی آسائش بہت محدود رہی اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس احساس اولین کے خلاف کچھ بھی محسوس ہوا۔
ان کا یہ دور حکومت ہر حیثیت سے ہندوستانی فرمانرواؤں اور بالخصوص ان کے جانشین حکمرانوں کے لئے سبق آموز اور بصیرت افروز ہے اگر عبدیت و نیابت الہی کی کوئی شرح تفسیر یا مکمل تصویر ہو سکتی ہے تو سرکار عالیہ کا جذبہ حکمرانی اور طریقہ کار فرمائی ہے۔
عبادت کے اوقات پجکانہ میں عبدیت کا اظہار و اعتراف اور روز و شب کے باقی حصص میں فرائض حکومت کی انجام دہی نیابت الہی کا نوزانی منظر تھا۔
چونکہ انہوں نے اپنی حیثیت مثل امین کے سمجھ کر اس ودیعت کبریٰ کے اہم فرائض کا احساس کیا تھا اس لئے جب متصل و پیچہ صدمات سے ادا کئے فرائض یعنی مہمات امور حکومت پر اثر پڑنے کا یقین ہو گیا تو اس ودیعت کی ذمہ داری سے دست برداری کر لی اور کوئی اصرار اس ارادہ و عمل سے باز نہ رکھ سکا۔



قومی و ملکی ہمد دی

سعی عمل اور فیاضانہ امدادیں

سرکار عالیہ کو بر لحاظ اخوت اسلامی قومی فلاح و بہبود کا جس درجہ خیال تھا اور ایک ہندوستانی قانون کی حیثیت سے وطنی ترقی کی جس قدر آرزو مند تھیں اس کا اندازہ صرف وہی اشخاص کر سکتے ہیں جن کو ان سے قومی و ملکی مسائل پر گفتگو کرنے اور تبادلہ خیالات کا موقع ملا۔ انھوں نے مسائل تعلیم پر ہمیشہ اپنے خیالات کو نہایت بلند آہنگی سے ظاہر کیا۔ موجودہ نصاب تعلیم ہی حتمہ کی اہمیت کا جو احساس تھا وہ ہر موقع پر ان کی تقریروں میں نمایاں ہے وہ مادری زبان میں تعلیم کی زبردست حامی اور موجودہ طریقہ امتحانات و نصاب تعلیم کی سخت مخالف تھیں اس حمایت و مخالفت کو براہین قاطعہ کے ساتھ متعدد مواقع پر ظاہر بھی کرتی رہتی تھیں۔

ان کو ہندوستان کے افلاس کا پورا احساس تھا وہ غربا کے صحیح حالات کا علم رکھتی تھیں۔ باوجود مصارف کثیرہ کے زمانہ طلبی امدادوں میں جو کمی ہے، اور اس کمی کے جو اسباب ہیں ان پر عبور تھا اور انھوں نے نہایت آزادی کے ساتھ ان امور پر ایک طرف اہل ہند کو اور دوسری طرف حکومت کو توجہ دلائی۔

وہ قومی و ملکی معاملات کے متعلق جب ضرورت سمجھتیں برٹش انڈیا کے اعلیٰ خمدہ داروں گورنروں اور والیسیرایان ہند کو بھی متوجہ کرنے سے دریغ نہ کرتیں اور قومی و مذہبی احساسات جذبات کو بلا تکلف ظاہر کر دیتیں۔

غالباً سرکار عالیہ ہی وہ پہلی فرمانروا ہیں جنھوں نے اسٹیٹ ڈنروں اور ریاست کی تقریبات کے موقع پر بھی قومی و ملکی مسائل کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

سلطنت میں جب انار کی کا آغاز ہو گیا تھا، لارڈ منٹو کے ڈنر کی تقریر میں مسلمانوں کی اس وفاداری کو جو سلطنتِ برطانیہ کے ساتھ ہے اس طرح ظاہر کیا :-
 ”یوراکسلنس!“

میں بحیثیت ایک مسلمان کے بلاخیز تردید اس بات کے ظاہر کرنے کا استحقاق رکھتی ہوں کہ تاجِ برطانیہ کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری اور ان کی محبت کسی عارضی مصلحت پر مبنی نہیں ہے بلکہ ان کی مقدس کتاب میں اس کی ہدایت موجود ہے۔

اسی طرح ہندوستانی عورتوں میں توسیع و اشاعتِ تعلیم کے متعلق حمید یہ لائبریری کی افتتاحی تقریب کے ایڈریس میں لارڈ ہارڈنگ کو یوں توجہ دلائی کہ :-

یوراکسلنس! کیا ہندوستان اس مشہور مدبر (لارڈ ہنری ہارڈنگ) کی جس کے آپ قابلِ فخر وارث اور ممتاز جانشین ہیں ان توجہات کو کبھی فراموش کر سکتا ہے جو صاحبِ موصوف نے مردوں میں تعلیمی رجحان پیدا کرنے کے لئے مبذول کی تھیں اسی طرح یوراکسلنس سے یہ توقع رکھنا بجا اور بہت بجا ہے کہ یوراکسلنس بھی عورتوں کی تعلیم میں اسی درجہ کی پُر اثر اور خصوصیت کے ساتھ توجہات کی یادگار چھوڑیں گے کیونکہ جب تک ہر دو صنفِ انسانی تعلیم یافتہ نہوں اُس وقت تک تعلیم کے پورے فوائد مترتب نہیں ہو سکتے۔

محاربہ عظیم میں ٹرکی کی شرکت اور اس کے مابعد نتائج کی وجہ سے مسلمانوں کے قلوب پر جو اثر تھا سرکارِ عالمیہ نے بحیثیت ایک مسلمان کے اس کو حکامِ سلطنت کے سامنے کبھی خفی نہیں رکھا۔ لارڈ ریڈنگ کے ڈنر پر اس اثر کو اور نیز ہندوستانی سیاست کی رفتار پر اپنے خیالات کو نہایت صاف لفظوں میں اس طرح ظاہر کیا کہ :-

بیسویں صدی کے ہندوستان کی رفتار سے ہمیں آثارِ نمایاں ہیں اور عالمِ انقلاب میں ان کی رہبری ایک ایسا کام ہے جسے بقول لارڈ مارلے انسانی ہمدردی اور مردِ سیاسی مصلحت بینی، اور جرأتِ قوی، فرض شناسی اور عزت کے ساتھ انجام دینا ایک نہایت نڈاھمت کہا جاسکتا ہے۔ خود مجھے اس بات کا پورا اطمینان ہے کہ ان اہم معاملات کے تصفیہ میں جو جناب والا کو آئے دن پیش آئے ہیں آپ جو کچھ کریں گے وہ بلاشبہ اعلیٰ درجہ کی مالِ اندیشی اور

معاملہ فوجی کے طفرائے امتیاز سے مرہون ہوگا۔

مسئلہ ٹرکی کے متعلق آپ کا وہ مشہور مراسلہ جو آپ نے گورنمنٹ برطانیہ کو لکھا تھا جس میں آپ نے نہایت صفائی اور بے لوثی سے مسلمانان ہندوستان کی رشکاتیوں کی دہکتی کی جھی اور اپنے منصب عالی کا تمام وزن ان کی حمایت میں صرف کیا تھا ایک ایسی دستاویز ہے جس کے لئے ہندوستان کا ہر مسلمان آپ کا ممنون احسان ہوگا۔ اور جس سے ضمناً آپ کی انصاف پروری اور عدل گستری کی وہ قابل رشک شہرت جو آپ سے پہلے اس ملک میں پہنچ چکی تھی قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔

یورکسلنس کو حضور ملک معظم کی تمام مسلم رعایا کی اس دلی طمانیت کا کافی اندازہ ہوگا جس سے انھوں نے ”معاهدہ مدائن“ کا خیر مقدم کیا تھا تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی اور میری ہی دلی تمنا ہے کہ یہ معاہدہ دو قدیم دوستوں یعنی برطانیہ عظمیٰ اور سلطنت عثمانیہ کے باہم پھر سابقہ ملاپ اور اتحاد کا ایک مستقل ذریعہ بنے لیکن اس بارہ میں مجھے اپنے خیالات کے اظہار میں اطمینان سے اجتناب کرنا چاہیئے اس معاملہ میں میری رائے گورنمنٹ ہند سے مخفی نہیں ہے اور یہاں صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے تمام مسلمان خواہ وہ مسیحی ہوں یا غریب یکساں متاثر ہیں۔

یہ مسئلہ امر ہے کہ ہندوستان کی ترقی اس وقت تک ناممکن ہے کہ جب تک ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کے پاس بھی اسباب ترقی نہ ہوں اور وہ ان کے دوش بدوش کھڑے ہونے کی طاقت حاصل نہ کر لیں اس لئے پہلی ضرورت یہ ہے کہ اس قوم میں ان اسباب کے ہیا کرنے کی قابلیت پیدا کی جائے اور ظاہر ہے کہ اس مقصد میں جب ہی کامیابی ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی رفتار تیز ہو اس لئے سرکار عالیہ نے مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق زیادہ توجہ رکھی اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مختص القوم توجہ اور امداد نہ دیتی بلکہ نتیجہ میں پورے ملک کی فلاح و بہبود اور ترقی مرکوز نظر آتی۔

سرکار عالیہ بطبع نہایت فیاض تھیں اور قومی فیاضی اور اس کا اصول و محرک قومی معاملات میں تو بقول نواب قار الملک

مرحوم ”سرکار عالیہ کی فیاضی خود موقع کی تلاش میں رہتی تھی“

لیکن فیاضی کی خصوصیت محض اُن کے رجحانات، قومی جذبات اور مضیقاہوں کی ضرورتوں کے براہ راست احساس کا نتیجہ تھی سفارشات اور درخواستوں اور بارسوخ اشخاص کے اثر کو اس میں کوئی دخل نہ تھا پہلے کام کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ ذاتی طور پر فرمانے کی کوشش کرتیں اور پھر کامل غور فرماتیں اور جو کچھ فیاضی ہوتی تو وہ اسی اندازہ اور غور کا اثر ہوتی اور بمنزلہ فرض کے ہو جاتی، سرکار عالیہ نے الہ آباد کے محمدن بورڈنگ ہاؤس کو جب امداد عطا فرمائی تو منتظمین نے بطور نشانِ تشکر گزاری ایک یادگار بنانی تجویز کی مگر سرکار عالیہ نے اس کو منظور نہ کیا۔

اس واقعہ کے بیان میں اپنے اصول امداد کی اس طرح توضیح فرمائی ہے کہ :-
 ”اگرچہ میں اس بات کو پسند کرتی ہوں کہ قومی انسٹیٹیوشن ضرور اپنے بانیوں اور امداد کرنے والوں کے نام سے موسوم ہوں تاکہ دوسرے لوگوں کو اپنی یادگاریں قائم کرانے اور قومی کاموں میں چندہ دینے کا حوصلہ پیدا ہو مگر میں اپنی ذات کے لئے اس کی خواہاں نہیں کیوں کہ میں جب ضرورت کو بخوبی محسوس کرتی ہوں اس وقت کوئی مدد کرتی ہوں اور جب ضرورت محسوس ہو جاتی ہے تو امداد بمنزلہ فرض کے ہو جاتی ہے اور ادائے فرض کسی تحمین و صلہ یا یادگار کا مستحق نہیں پس میں امداد کر کے اپنے نام سے کسی یادگار کو کسی یادگار کے قائم و مسبوب کئے جانے کا استحقاق نہیں سمجھتی اسی وجہ سے میں نے اس خواہش کو نا منظور کیا۔“

سرکار عالیہ کے حضور میں جب قومی حالات بیان کئے جاتے تو اکثر اتنا اثر ہو جاتیں کہ آواز سے تاثرات ظاہر ہونے لگتے واقعات پر اطمینان و اطلاع کے بعد نامکن تھا کہ کسی قومی ادارہ کو اپنی امداد سے محروم رکھیں۔

سرکار عالیہ کو جب محمدن کالج کے فوائد اور اس کی حالت کا اطمینان ہو گیا اور نواب قاری الملک (مرحوم) سے دو تین مرتبہ ملاقاتوں میں آزادی کے ساتھ گفتگو ہوئی تب کالج کی طرف دستِ جوڑ سخا بڑھایا اور اس طرح کہ کالج کا ہر صیغہ سرکار عالیہ کی فیاضیوں سے بہرہ یاب ہو گیا۔
 آل انڈیا مسلم لیجیشنل کانفرنس کو جو شاہانہ مدد دی اس نے کانفرنس کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا اور پھر انکی شاندار عمارت کے لئے گراں قدر عطیہ مرحمت فرما کر ایک اہم ضرورت پوری کر دی۔

سرکار عالیہ نے پہلے عمارت کے فنڈ میں پندرہ ہزار روپے عطیہ کا وعدہ فرمایا تھا لیکن جب صاحبزادہ آفتاب احمد خاں (مرحوم) نے بھوپال آکر وہ ڈائی گرام اور نقشے ملاحظہ میں پیش کئے جو مسلمانوں کی تعلیمی سہتی کا آئینہ تھے اور عمارت کی ضرورت بیان کی تو سرکار عالیہ کے قلب مبارک پر ایک خاص اثر ہوا اور فوراً رقم مطلوبہ پوری کر دی۔

دسمبر ۱۹۱۷ء کی کانفرنس میں جب یہ طے ہو گیا کہ مسلم یونیورسٹی کی تحریک کو قوم کے سامنے پیش کیا جائے تو ہزہائیئس آغا خان اور نواب وقار الملک بطور ڈپوٹیشن کے سرکار عالیہ کے پاس بمقام الہ آباد آئے جہاں نمائش دیکھنے کے لئے تشریف فرما تھیں۔ ہزہائیئس نے نہایت مؤثر طریقہ سے یونیورسٹی کی اہمیت و ضرورت بیان کی اور دیر تک تبادلوہ خیالات ہوتا رہا آخر میں سرکار عالیہ نے فرمایا۔

”ایک لاکھ میں اس وقت دیتی ہوں مگر کہے دیتی ہوں کہ اور بھی دوں گی اس کے علاوہ میں نے خود دیکھا ہے کہ غلی گڑھ میں ہماری قوم کے بچے گرمی میں سخت تکلیف برداشت کرتے ہیں انھیں بجلی کی روشنی اور پنکھے بھی دوں گی اور ریاست کے جاگیرداروں و عمال سے بھی روپیہ دلاؤں گی۔ اور اگر ہزہائیئس نظام سے بھی ملاقات ہوگی تو ان سے بھی مدد مانگوں گی۔“

اس وقت حاضرین اور خود سرکار عالیہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ ہزہائیئس آغا خان نے بھڑائی ہوئی آواز سے اپنے تسکریہ کو ان الفاظ میں ادا کیا کہ :-

”دل بندہ را زندہ کردی، دل اسلام را زندہ کردی، دل قوم را زندہ کردی، خدا تعالیٰ

بطعین رسول اجرش بده۔“

سرکار عالیہ کی امداد و دلچسپی صرف اس عطیہ پر ختم نہیں ہوئی بلکہ جب وصولی چندہ کی کاروائی باقاعدہ شروع ہو گئی تو بھوپال کی پرائوشیل کمیٹی میں سرکار عالیہ نے عمائدین کو چندہ دینے کی ترغیب دی اور خود بنفس نفیس پرنس آف ویلز لیڈرین کلب میں خواتین کے سامنے ایک پروجیشن تقریر فرمائی۔

خواجہ سجاد حسین صاحب جب حالی میموریل اسکول حالی میموریل ہائی اسکول کی امداد کے چندہ کے لئے بھوپال آئے اور سرکار عالیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیر تک قومی تعلیم پر باتیں ہوتی رہیں اور رخصت ہوتے وقت ان سے

ارشاد فرمایا کہ مدارس بھوپال کا معائنہ کریں۔ معائنہ کے بعد جب دوبارہ گئے تو انتظام مدارس پر گفتگو رہی۔ چونکہ اس گفتگو میں وقت زیادہ گزر گیا تھا لہذا یہ خیال تکلیف خواجہ صاحب نے اجازت چاہی لیکن اس وقت تک حالی میسوریل اسکول کے متعلق کوئی گفتگو نہیں آئی تھی سرکار عالیہ نے خود فرمایا کہ :-

”خواجہ صاحب جس مقصد سے آپ نے بھوپال کا سفر کیا ہے ابھی اس پر تو گفتگو ہی نہیں ہوئی میں مولانا حالی مرحوم کی یادگار قائم کرنا ہر مسلمان کا فرض سمجھتی ہوں۔ میں نے ان کی قومی نظموں کا مطالعہ کیا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ قومی اصلاح میں ان نظموں کا کیا اثر ہے میں ضرور اس میسوریل میں مدد دوں گی۔“

اس کے بعد خواجہ صاحب اجازت لے کر واپس آئے اور شام ہی کو معلوم ہو گیا کہ سرکار عالیہ نے بارہ سو روپیہ سال کی گرانٹ مقرر فرمادی۔

تالیف سیرۃ النبیؐ کے مصارف کی کفالت | سرکار عالیہ نے سیرۃ النبیؐ کی تالیف کے لئے جس طرح مصارف کی کفالت کی وہ ان ہی کے الفاظ میں بیان کی جاتی ہے :-

چونکہ اردو میں اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مفصل اور مستند سوانح عمری موجود نہیں ہے اس لئے جب مجھے معلوم ہوا کہ شمس العلماء مولانا شبلی جو تاریخ اسلام کے ایک باکمال اور مستند عالم ہیں سیرۃ نبویؐ مرتب کرنا چاہتے ہیں لیکن مالی امداد سے محروم ہیں اور انھوں نے ایک اپیل امداد کے لئے شائع کی ہے تو میں نے اس اپیل کو دیکھا اور افسوس ہوا کہ ایک ایسی ضروری اور مذہبی تصنیف کے لئے پبلک سے اپیل کرنے کی ذمہ دہنچی ہے میں نے ان کو مطلع کیا کہ وہ فوراً کام شروع کر دیں اور جس قدر روپے کے لئے اپیل کی گئی ہے وہ میں دوں گی۔“

تکمیل سیرۃ کی آرزو | مولانا شبلی مرحوم اکثر سرکار عالیہ سے ملاقات کو آتے تھے اور کئی کئی دن جہان خاص کے طور پر رہتے تھے گھنٹوں قومی و مذہبی معاملات پر گفتگویں ہوتی تھیں، ایک مرتبہ جب وہ تشریف لائے تو صحت بہت خراب تھی اور غالباً بھوپال آنے کا ہی آخری موقع تھا۔ سیرۃ کے مصارف کا تخمینہ اندازہ سے بہت بڑھ گیا تھا لیکن جب مولانا

نے عرض کیا تو سرکار عالیہ نے فرمایا کہ :-

”آپ مطمئن رہئے جو مصارف ہوں گے وہ میں دوں گی“

اور اسی وقت فوراً حکم دیدیا پھر مولانا سے منسرمایا کہ :-

لیجئے میں نے اپنا فرض پورا کر دیا اور یقیناً میں اس ثواب کی مستحق ہو گئی جو اس نیک کام میں

مجھے ملے گا لیکن آپ کی صحت تو اتنی خراب ہے کہ دو دو وقت کھانا نہیں کھاتے اگر

آپ نہ رہے تو کتاب کیونکر پوری ہوگی؟

مولانا نے کہا :-

”کتاب ضرور پوری ہوگی میں نے دو آدمی تیار کر لئے ہیں حمید الدین اور سید سلیمان وہ پوری

کر لیں گے“

سرکار عالیہ کی اس فیاضی اور جوش و حوصلہ سے مولانا پر ایک خاص اثر ہوا اور اسی

اثر میں مولانا نے یہ قطعہ نظم فرمایا۔

مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں بہر صورت کہ ابر فیض سلطان جہاں بیگم زرافشاں ہے

رہی تالیف و تنقید روایت ہائے تاریخی تو اس کے واسطے حاضر مرادل ہی مری جلیں ہے

غرض دوا تھتھ ہیں اس کام کے انجام میں شامل کہ جس میں اک فقیر بے نوا ہی ایک سلطان ہے

جب مولانا کا انتقال ہو گیا تو سیرت کا کام جاری رہنے کے متعلق مخصوص پڑا اطمینان حاصل

کیا مولانا حمید الدین اور مولوی سید سلیمان ندوی کو یاد فرمایا اور جب وہ بہرہ اندوز ملازمت ہوئے تو

ان کی حوصلہ افزائی کی اور فرمایا کہ ”اطمینان کے ساتھ کام جاری رکھا جائے اور جس امداد کی ضرورت

ہو فوراً درخواست کی جائے“ ۱۳۳۷ھ = ۱۹۱۷ء میں جب سیرت کا پہلا حصہ طبع ہو گیا اور مولوی

سید سلیمان اور مولوی عبدالسلام نے حاضر ہو کر اس کو پیش کیا ہے تو وہ وقت بھی سرکار عالیہ کی عجیب

مسرت کا تھا، شکر الہی ادا کیا اور کہا کہ ”یہ تو بڑا کام ہوا“

اس کے بعد جب دارالاحیائین کے کاموں کی رپورٹ پیش کی گئی جس سے ظاہر ہوا کہ سیرت

کے اور حصے بھی تیار ہیں اور اس سلسلہ کی دوسری کتابوں سیرت عائشہؓ سیر الصحابہ سیر الصحابیات کے مسودات بھی مکمل ہیں مگر پریس کی مشکل کے باعث طباعت و اشاعت ملتوی ہے جس کی قیمت تین ہزار روپے ہے تو فرمایا کہ ”ایسے نیک کام کے لئے تین ہزار کیا چیز ہیں ابھی حکم لکھ دیتی ہوں“ چنانچہ فوراً رپورٹ کی پیشانی پر تحریر فرمایا کہ :-

”تین ہزار روپیہ مولوی سید سلیمان صاحب کو بشکر یہ کتاب سیرت نبویؐ دیئے جائیں تاکہ ایسی کتب ہائے خیر کا سلسلہ جاری رہ کر قوم کو استفادہ حاصل ہو۔“

چنانچہ یہ رقم دوسرے ہی دن وصول ہو گئی اور دو المصنفین میں ایک عمدہ پریس کا بھی انتظام ہو گیا۔ اگرچہ بھوپال میں اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک مخصوص مدرسہ ہے جس کے مدرسہ مدارس کی امدادیں کافی مصارف ہیں اور طلباء کو وظائف بھی دیئے جاتے ہیں لیکن سرکار عالیہ نے اشاعت تعلیم مذہبی و تحفظ علوم دینی کے خیال سے مدرسہ دیوبند اور دارالعلوم ندوہ اور مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ اور دیگر مدارس کی امدادیں بھی مقرر کیں۔

ایک موقع پڑا اور غالباً آخری مرتبہ، مولانا شبلی نے سرکار عالیہ کو خواجہ و وکنگ مشن کی امداد اکمال الدین کے تبلیغی مشن کی امداد پر توجہ دلائی، اور افضل حالات اور ضرورت پر مطلع ہونے کے بعد سرکار عالیہ نے امداد منظور فرمائی، لیکن جب خواجہ صاحب ہندوستان آئے اور باریاب حضوری ہوئے تو سرکار عالیہ نے اس مشن کی پوری سرپرستی فرمائی اور ہر قسم کی اخلاقی و مالی امدادیں کیں بعض کتابوں کی اشاعت کے لئے مخصوص عطیات منظور کئے۔

سرکار عالیہ یونانی طب کی نہایت قدر شناس اور سرپرست تھیں طب یونانی کی سرپرستی بھوپال میں سرکار خلد نشین کے زمانہ سے صحت عامہ کے سلسلہ میں

طب یونانی کا جو باقاعدہ صیغہ قائم تھا اپنے عہد حکومت میں اس کو بہت کچھ ترقی دی اور ریاست کے علاوہ دہلی کے آئور ویدک و یونانی طبی کالج کی مدد تعمیر میں پچیس ہزار روپیہ نقد عطا کئے، اور اٹھارہ سو روپیہ سالانہ کی گرانٹ منظور فرمائی۔

ان مالی امدادوں کے ماسواۃ ۱۹۲۶ء میں سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت فرما کر نہایت شاندار اخلاقی امداد بھی فرمائی۔

اس موقع پر سرکار عالیہ نے ایک مبسوط تقریر کی جس کی ابتدا میں ارشاد کیا کہ :-
 آپ نے جس مہربانی کے ساتھ آج کے جلسہ کی صدارت کے لئے مجھے مدعو کیا ہے وہی ہی شکریہ
 کے ساتھ میں نے آپ کی دعوت قبول کی ہے کیونکہ میں ایک ایسی تقریب کے فرائض ادا کرنے کے
 لئے مدعو کی گئی ہوں جس میں انسانی تکلیفات اور مصائب میں ہمدردی کرنے والی جماعت کو
 ہم سب خدا حافظ کہیں گے اور اس طرح اس ثواب میں ہم بھی کچھ نہ کچھ حصہ پانے کے مستحق
 ہو جائیں گے جو اس جماعت کو حاصل ہوا کرے گا۔

آپ نے اپنے ایڈریس میں جو کچھ میری امدادوں کے متعلق اور بالخصوص طبی کالج کے
 متعلق تذکرہ کیا ہے اس کی نسبت میں صرف اسی قدر کہنا چاہتی ہوں کہ میری تعلیمی مدد میرے
 ایک فرض کے تابع رہی ہے اور اس مقدس مذہب کے نقطہ نظر سے جس کی کہ میں متبع
 ہوں بالخصوص علم طب کی خدمت اور طبیب کی عزت تو میرا ایک مقدم ترین فرض ہے۔
 اس کے بعد عبد رسالت، عروج تمدن، اسلام میں طبی انتظامات پر ایک اجمالی تبصرہ اور
 دہلی کی طبی عظمت کا تذکرہ فرما کر موجودہ زمانہ کی طبی ترقیوں اور اکتشافات سائنس وغیرہ پر حاضرین
 کو توجہ دلانی اس کالج کے کام اور فیض عام پر اظہار تحسین کے ساتھ مسیح الملک حکیم محمد جمل خاں کے
 خاندان کی طبی خدمات کی تعریف کی اور آخر میں کامیاب طلباء کو حسب ذیل نصیحت فرمائی :-
 میں تم کو تمھاری کامیابی پر مبارکباد کہتے ہوئے تمھاری توجہ صرف اس نقطہ کی جانب منطوف
 کرتی ہوں کہ تمھاری تعلیم اور درگاہ نے ملک میں ایک وقار قائم کر لیا ہے پس تمھاری اولین
 کوشش یہ ہونی چاہیے کہ تم اس کے وقار میں اور اضافہ کرو تم جس جگہ اپنا کام کرو وہاں کے
 خاص خاص عقائد اور بنائات وغیرہ کے افعال و خواص کی طرف زیادہ توجہ رکھو اور جدید
 تحقیقات میں مصروف رہو تاکہ تمھاری تحقیقاتوں اور تجربوں سے تمھارے گروہ اور ملک کو فائدہ
 حاصل ہوتا رہے۔

تاریخ اور زمانہ حال کا مشاہدہ اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے کہ اسلامی دنیا کی
 گذشتہ عظمت اور اس زمانہ میں یورپ کی برتری کے اسباب میں طبیوں، اور ڈاکٹروں،
 کی طبی تحقیقاتوں کو بھی بڑا دخل ہے پس اگر تم چاہتے ہو کہ تم بھی وہی عظمت حاصل کرو تو

تم میں ایسے جلیل القدر محقق اطباء ہونے چاہئیں جن کی تحقیقاتوں کو یورپ بھی وقیع نظروں سے دیکھے۔

تم کو مغربی طب کے ساتھ بھی ہمیشہ دلچسپی رہنی چاہیے کیونکہ اس کی جدید تحقیقاتیں ہر روز ہمارے علم میں کچھ نہ کچھ اضافہ کا باعث ہوتی ہیں۔

تمھارا ذہن کبھی اس بات سے بھی خالی نہ ہونا چاہیے کہ یہ تسلیم حقیقتاً....
انسانی ہمدردی کی تعلیم ہے تم خدا کی مخلوق کی خدمت کے لئے تیار کئے گئے ہو جس میں بڑے غور و فکر اور صبر و استقلال کے ساتھ قناعت، ایثار، اور توکل کی ضرورت ہے ہمیشہ سے اطباء کے لئے یہ اوصاف مخصوص رہے ہیں اور خصوصاً تمہارے کالج کے بانیوں کا خاندان تو ان اوصاف میں نہایت ممتاز رہا ہے۔ مجھے یہ امید ہے کہ تم ہر جگہ ان ہی اوصاف کا ثبوت دے کر اطباء کے سلف کا نمونہ بنو گے اور جو خدمت کہ تم کرو گے زیادہ تر اس کے اجر کی توقع خداوند کریم کی درگاہ سے رکھو گے۔

جامعہ ملیہ کامعائنہ | سرکار عالیہ نے تعلیم کو ہمیشہ اس کے اصلی مفہوم میں سمجھا اور اس کا حقیقی مقصد حضورِ مہدیؐ کے پیش نظر راجو کا تعلیمی تقریروں اور بالخصوص مسلم یونیورسٹی کے خلیات میں نمایاں ہے۔

ہندوستان کی تعلیم گاہیں بلاشبہ ہنوز اس مفہوم و مقصد کے معیار پر کامل طور سے پوری نہیں اترتیں البتہ مشہور جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) اسی مفہوم و مقصد کا حامل بن کر قائم ہوا لیکن بعض وجوہ سے اس کے بانیوں نے اس کو ایک سیاسی ادارہ کی حیثیت سے ملک کے سامنے پیش کیا جو حقیقتاً ایک عظیم غلطی تھی تاہم چند سال میں اس غلطی کا احساس ہو گیا اور جامعہ کو ایک خالص تعلیم گاہ بنایا اب ممکن نہ تھا کہ سرکار عالیہ کی نظر التفات سے وہ محروم رہ سکے چنانچہ ۱۹۲۷ء میں یہ ہنگام قیام دہلی غیر رسمی طور پر جامعہ کامعائنہ کیا ہر شعبہ کو نظرِ معائنہ دیکھا اور اس کے مضامین طرزِ تعلیم سے مطمئن ہو کر نہایت جوصلہ افزائی فرمائی اور ارشاد کیا کہ :-

جامعہ کے حالات سن کر مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی آپ لوگوں نے مسلمانوں کے منزل کے اصلی اسباب کو سمجھ لیا ہے، مجھے امید ہے کہ آپ اسلام کے بچتے ہوئے چراغ کو دوبارہ

روشن کریں گے۔

سرکار عالیہ بلاشبہ بہت کچھ امداد فرماتیں لیکن افسوس ہے کہ ان کی رحلت نے جامعہ کو محروم رکھا۔
اساتذہ ماورائی کی ترقی پر توجہات | سرکار عالیہ ملکی اور ماورائی زبانوں میں ترویج و اشاعتِ

علوم کو نہایت ضروری تصور فرماتی تھیں اور اس مقصد کے حصول میں بذاتِ شاہانہ ساعی رہتی تھیں اور ہمیشہ اس کے متعلق ہر مناسب موقع پر اپنے خیالات کو ظاہر فرماتیں۔ وہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں تشریف لے گئیں۔ ہمارا انوں اور نیکیات سے ملیں اور متعدد مواقع پر ایک ہی جگہ ایسی ملاقاتوں کا اتفاق ہوا اس سلسلہ میں عام خواتین کو بھی ان کے حضور میں باریابی کا موقع ملا لیکن ہر جگہ اردو زبان ہی بلا تکلف ذریعہ گفتگو اور وسیلہ اظہار خیالات رہی اور کہیں کسی جگہ کوئی وقت محسوس نہ ہوئی۔ اس لئے اُن کا یہ عقیدہ راسخ ہو گیا تھا کہ اگر نہ بچوں کے مختلف صوبوں کے باشندے تبادلہ خیالات اور باہمی معاشری تعلقات کے قائم رکھنے کیلئے کسی زبان کو وسیلہ و ذریعہ بنا سکتے ہیں یا کسی زبان میں ایسی صلاحیت اور دیگر علوم کی استعداد و جاویدیت موجود ہے تو وہ صرف ”اردو“ ہے

اسی بنا پر انھوں نے ہمیشہ اردو زبان کی ترقی پر توجہ مبذول رکھی۔ جامعہ عثمانیہ کے ابتدائی مرحلہ تراجم پر جبکہ اس کے وجود کا میانی پر خوجہ حیدر آباد کے ایک مقتدر گروہ میں تذبذب تھا اس کی تائید میں ہزارگز الٹیڈ ہائی لنس سے نہایت مدلل خیالات کا اظہار فرمایا۔ اور اس کی ضرورت پر زور دیا۔

انھوں نے انجمن ترقی اردو کی سرپرستی فرمائی اور ممتاز انجمن (مولوی عبدالحق صاحب بی۔ سی) کو توجہ دلائی کہ نہ صرف کورس کے لئے کتب سائنس کے تراجم کی ضرورت ہے بلکہ ملک میں سائنس کا مذاق پیدا کرنے اور طلباء سائنس کے علاوہ عام تعلیم یافتہ لوگوں اور ابتدا سے بچوں میں کھجی پیدا کرنے کے لئے رسائل جاری کئے جائیں۔ اس مسئلہ پر قابلِ سکرپٹری سے مراسلت کی اور انگلستان و امریکہ کے چند رسائل بطور نمونہ بھیجے۔ تراجم کے ساتھ ہی مستقل تصنیف و تالیف کو بہت زیادہ مفید

۱۔ یہ مراسلت دفتر انجمن میں محفوظ ہے۔

تصور فرماتی تھیں چنانچہ اس کے متعلق اس طرح اپنا خیال ظاہر فرماتی ہیں کہ :-

”اُردو کی ترقی صرف ان ترجموں سے نہیں ہو سکتی جو غیر زبانوں سے اُردو میں کئے جاتے ہیں اور نہ ٹھوس اور بلند پایہ کتابیں اس کی کفیل ہو سکتی ہیں کیونکہ اُردو کے ساتھ ابھی تک وہاں طبقہ میں وہ دل چسپی نہیں جو جس قدر کہ ان کی مادری اور ملکی زبان کا حق ہے اس کے علاوہ اگر کوئی علم کا شوقین ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہے گا تو وہ بجائے ترجمہ کے اصل کو دیکھنا زیادہ پسند کرے گا اور یہی سبب ہے کہ اُردو میں ایسی علمی کتابوں کی اشاعت بہت کم ہوتی ہے اور بڑی مشکل سے کسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی لزیت آتی ہے اس لئے آپ کی کوششوں میں یہ امر نہ نظر رہنا چاہیئے کہ آپ مسائل علمی کو جن کا تعلق سائنس سے ہے ہنارتِ سلیس اُردو میں ایسا دلچسپ بنائیں کہ اس کو عورتیں اور بچے پوری دلچسپی سے مطالعہ کر سکیں اور ان سے معلوماتِ عامہ حاصل ہوں جس طرح کہ انگریزی میں اس قسم کی کتابیں عام طور پر اور بکثرت شائع کی جاتی ہیں۔

اگر ابتدا ہی سے ایسے علوم کے متعلق ہمارے بچوں میں دل چسپی پیدا ہو جائے گی تو وہ آئندہ زندگی میں ماہرین و موجدین کے زمرہ میں داخل ہو سکیں گے۔ اور اگر وہ ابتدا ہی سے نا مانوس رہیں گے تو خواہ ڈگریاں حاصل کرنے کے لئے کالج کلاسوں میں کدیں ہی محنت کیوں نہ کریں ان میں کوئی شوق، دل چسپی نہ ہو گی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے افسوس کی کوششوں کی ضرورت ہے اور جب تک جڑ مضبوط نہ ہو گی تو ہماری قومیت کا درخت خواہ وہ کتنا ہی تناور کیوں نہ ہو زمین پر گر پڑے گا۔ اس لئے سائنس اور علوم کی ضخیم کتابوں کی جگہ اگر چھوٹے چھوٹے رسائل شائع کئے جائیں جس میں کامل دل چسپی ہو تو مقابلتاً وہ زیادہ مفید ہوں گے۔“

لیکن اُردو کے ساتھ باوجود اس عقیدہ اور شعفت کے جو ان کی تصنیفی مساعی اور مصنفین کی مالی امدادوں سے عیاں ہے وہ صوبائی زبانوں کی ترقی بھی ضروری تصور فرماتی تھیں اور ان میں ہندی کی طرف زیادہ مائل تھیں چنانچہ اپنی متعدد تصنیفات و تالیفات کے تراجم ہندی میں طبع کر لےئے اور ان کو سہ دو کتابیں گجراتی میں بھی ترجمہ کرائی گئی تھیں۔

اپنی ہندی دال رعایا میں تقسیم کیا۔

انھوں نے آل انڈیا دیکین کانفرنس منعقدہ دہلی ۱۹۲۷ء کی صدارت کے موقع پر جہاں تعلیم یافتہ خواتین کا اجتماع عظیم تھا اپنی اجتماعی تقریر میں کارروائی اجلاس پر تبصرہ کرتے ہوئے اس طرح نصیحت فرمائی کہ:-

”اس اجلاس میں زیادہ تر کارروائی زبان انگریزی میں ہوئی ہے اور میں نے محسوس کیا ہے کہ بہت سی خواتین نے اس کو اچھی طرح نہیں سمجھا خصوصاً مسلمان عورتیں جو انگریزی تعلیم میں دوسری اقوام سے نسبتاً بہت پیچھے ہیں اس کے سمجھنے سے زیادہ ترجوز میں اس لئے ضرورت ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین اپنی ملکی زبانوں میں قابلیت پیدا کریں اور اپنے مہار کے اظہار کا اسی کو ذریعہ بنائیں کانفرنس کا ذریعہ کارروائی اور اس کی تبلیغ و اشاعت ایسی زبان میں ہو کہ انگریزی دال جماعت کے محدود دائرہ سے نکل کر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اس کی آواز پہنچے۔ یہ توصاف مسئلہ ہے کہ اگر ہماری بجاویزان کے کانوں تک نہ پہنچیں جن کی بہبودی کے لئے ہم ان کو پیش کرتے ہیں تو نہ تو ان میں کوئی دل چسپی پیدا ہوگی اور نہ ہم کو ملک کی تائید حاصل ہو سکے گی۔ بلاشبہ آپ نے ملک کے منہ کی شخصیت کر لی ہے اس کے لئے نسخہ بھی لکھ دیا ہے ہدایتیں بھی کر دی ہیں لیکن جب یہ سب نسخے ایسی زبان میں ہوں گے کہ نہ مریض سمجھے نہ عطار اور نہ تیار دار تو ایسی صورت میں ان پر عمل کیوں کر ہوگا اور کس طرح مریضوں کو صحت حاصل ہوگی۔ اگر آپ کارروائی اور اشاعت مقاصد کا ذریعہ زبان مادری اختیار نہ کریں گی تو یقین کیجئے کہ آپ کی رفتار ترقی بہت سست رہے گی۔ پھر کس قدر حیرت ہے کہ ہم اس طریقہ سے خود اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ہمارے اصلاحی اور تعلیمی مسائل بھی ہماری ملکی زبان پیش نہیں کر سکتی اس کے علاوہ یہ طریقہ دینی زبانوں میں تعلیم کے مطالبہ کا صریح رد عمل بھی ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ اپنی کارروائیوں میں مادری زبان کو ترجیح دیں گی اور جو مقصد انگریزی میں کام کرنے سے ہے وہ ترجوہوں کے ذریعہ سے حاصل کریں گی۔“

اردو زبان کی ترقی کا یہ ہی جذبہ تھا کہ انجمن ترقی اردو کی امداد کے لئے بروقت آمادہ ہوتی تھیں۔

اس کو نہ صرف ایک بیش قرار رقم یکمشت امداد میں عطا کی بلکہ سالانہ امداد بھی جاری فرمائی اور مولوی عبدالحق سکریٹری کی درخواست پر انجمن کی مجوزہ کتاب ”ہمارا ملک“ میں ایک باب تعلیم نسواں کے متعلق تحریر فرمانے کا وعدہ فرمایا۔

سرپرستی تعلیم غریبا | سرکار عالیہ تعلیم غریبا کی سرپرستی تھیں اور چاہتی تھیں کہ جہاں تک ممکن ہو سرپرستی تعلیم یافتہ نوجوان ایشیائے کام کریں اور قوم میں تعلیم کی روشنی پھیلان۔ چنانچہ جب ایسے اصحاب کی جانب سے ایک کالج کی اسکیم ملاحظہ اقدس میں پیش کی گئی، اور عرض کیا گیا کہ یہ کالج اصول کفایت شعاری و ایشیائے کام پر ہوگا تو بہت مسرور ہوئیں متعدد مرتبہ تبادلہ خیالات کیا، تجویز سے ہمدردی فرمائی۔ اور جب کمیٹی کی باقاعدہ درخواست پیش ہوئی تو نہایت حوصلہ افزا اور شفقت آمیز جواب مرحمت کیا، اور بغیر استدعا کے چار لاکھ روپے کا عطیہ منظور کیا، لیکن اس اسکیم کے روح رواں ڈاکٹر عبدالرحمن بھٹو کی سالانہ ۱۹۱۵ء میں انتقال ہو گیا اور ان کے رفیقانِ کارِ تعلیم کو چھوڑ کر سیاسیات میں مشغول ہو گئے اس لئے یہ اسکیم بروئے کار نہ آ سکی۔

سالانہ ۱۹۲۷ء میں تعلیم غریبا میں امداد کی غرض سے سلم یونیورسٹی کو نصر اللہ خاں ہوٹل کی تعمیر کے لئے اتنی ہزار روپیہ مرحمت کیا اور اس کی افتتاحی تقریر میں اپنے اس خیال کو ظاہر بھی فرمایا کہ :-

حضرات! میں اپنی قوم کی اقتصادی حالت سے بھٹی واقف ہوں اور یہ بات بھی جانتی ہوں کہ تعلیمی اخراجات روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں اور محض اسی وجہ سے ہماری قوم کے بہت سے بہترین دماغ نشوونما حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں اور یہ ایک ایسا قومی نقصان ہے جو مسلسل طور پر جاری و ساری ہے اس لئے جن لوگوں کو منعم حقیقی نے دولت و ثروت دی ہے ان کا فرض ہے کہ مختلف شکلوں سے اس نقصان کی تلافی کے لئے فیاضی سے کام لیں۔ اسی خیال کو ملحوظ رکھ کر میں نے نواب سر محمد نصر اللہ خاں مرحوم کی یہ یادگار تجویز کی کہ ایک بورڈنگ ہاؤس بنایا جائے تاکہ جس قدر بھی ممکن ہو غریب طلبہ تشنہ کام تعلیم نہ رہیں۔ مجھے یقین ہے کہ خداوند کریم اُس عالم بقائیں اُن کو اس کا ثواب عطا کرے گا۔

سالہ ہنزہ اس کتاب کی ترتیب کا موقع ہی نہیں آیا۔

وہ قومی تعلیم و ادارات میں اُمر اور والیان ملک کی فرائض کی قدر شناس تھیں۔ لیکن غریبوں کے چندوں اور

غریبوں کے چندوں کی اہمیت

امدادوں کو قومی تعمیر کے لئے ضروری تصور کرتی تھیں چنانچہ مذکورہ بالا تقریر میں ہی فرمایا کہ :-

حضرات! آج جبکہ مسلمان والیان ملک اور امرائے قوم سے آپ کو لاکھوں اور ہزاروں کی امداد ملتی ہے اور آپ کے دل شکر گذاریوں سے معمور ہوتے ہیں تو اس وقت آغاز کار کے ان مخلص غربا کی اکائیوں، اور دہائیوں کی جانب بھی خیال کیجئے جو اس شاندار دارالعلوم کی خشتِ نبیہ میں اُن سب کی خلوص دل سے معترف ہوں اور میں اُس تہ علم پر زیادہ ایسی عمارتیں دیکھنے کی متمنی ہوں جو چھوٹے مسلمانان کی اکائیوں اور دہائیوں سے تعمیر ہوں کیوں کہ قومی تعمیر دراصل غریبوں کی ہی مدد سے ہوتی اور اسی سے قوم کی زندگی اور روح کا اندازہ ہوتا ہے اسلئے اس وقت ہمیں ان کو فروغ دینا نہیں کرنا چاہیئے۔

اگر کارِ عالیہ قومی معاملات میں جو اسلئے ظاہر فرمایا کرتی تھیں

اصابتِ رائے و اظہارِ رائے

وہ واقعات و حالات پر غور اور اضدِ نتائج کے بعد ہوتی تھیں اور پھر نہایت آزادی سے اس کو پرائیوٹ ملاقاتوں اور پبلک جلسوں میں ظاہر کرنے میں تامل فرمایا۔ سرکارِ عالیہ نے ۱۹۱۷ء میں ٹرسٹیان علی گڑھ کالج کے سیانے کے جواب میں اور پھر ۱۹۱۸ء میں سلطان جہاں منزل (صدر دفتر کانفرنس) کے افتتاح کے وقت کانفرنس اور کالج کے نظامِ عمل اور مسلم یونیورسٹی کے مسئلہ پر آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور جس طرح کہ لوجوانوں کو نصیحت کی احیان کالج کو توجہ دلانی اسی طرح یورپین اسٹاف کے طرزِ عمل اور فرائض کے متعلق بھی صاف صاف رائے بیان کر دی۔ شیعہ و سنی کے اختلافات پر دونوں کے جذبات سے اپیل کی اور دونوں کو ہدایت فرمائی۔

سرکارِ عالیہ نے ان اختلافات کو جو قومی معاملات میں پیدا

قومی کارکنوں کے اختلافات اور

ہوئے ہمیشہ افسوس کے ساتھ دیکھا اور مختلف پارٹیوں کے ممبروں کو جب کبھی وہ باریاب ہوئے نصیحتیں کیں

غلط رویہ پر طریقِ عمل

اور اتحادِ عمل پر زور دیا قومی کام کرنے والوں کے غلط طریقِ عمل پر تہدید و تنبیہ کی لیکن اپنی امداد بہ طور

تائم رکھی باوجود مکہ کالج، کانفرنس اور زنانہ اسکول علیگڈھ پر ایک زبردست معترض کی حیثیت سے اعتراض فرمائے مگر معینہ امدادوں کے علاوہ ہر ضرورت کے وقت اخلاقی و مالی امدادوں سے بھی دریغ نہ کیا۔

البتہ ۱۹۱۲-۱۹۱۳ء میں دارالعلوم ندوہ کے معاملات جب بد سے بدتر ہو گئے تو حضور ممدوحہ کو بہت افسوس ہوا اور اصلاحی تجاویز بروئے کار آنے تک اپنے دربار کی گراں قدر امداد کو ملتوی رکھا لیکن اصلاح ہوتے ہی بدستور جاری فرمادی اور ملتویہ ختم بھی عطا کر دی گئی۔

سفارشیں | جب سرکار عالیہ کو علم ہوا کہ بعض وجہ سے ہزبائی نس آغاخان نے اپنی گزشتہ ان ایڈجوبلی گڈھ کالج کو دیا کرتے تھے بند کر دی ہے اور ضروریات کالج پر اس کا بڑا اثر پڑ رہا ہے تو بہ لحاظ ان عزیزانہ تعلقات کے جو ان دونوں خاندانوں میں ہیں ہزبائیں آغاخان کو نہایت پُر زور خطوط میں توجہ دلائی اور ہزبائی نس نے ایک معقول رقم عنایت کی۔ ۱۹۱۴ء میں جب ہزاکرا الٹیڈ ہائی نس حضور نظام الملک آصفیہ صاحب دہلی تشریف لے گئے تو اعیان کالج کی درخواست پر سرکار عالیہ نے اعلیٰ حضرت نظام کو معائنہ کالج کے لئے ایک پُر زور سفارش لکھی۔

اسی طرح ہر موقع پر کالج اور بعدہ مسلم یونیورسٹی کی ترقی و استحکام کا خیال رہا۔ زنانہ انٹر کالج کے لئے بھی متعدد سفارشی خطوط تحریر کئے اور دوسری ریاستوں سے امداد دلوائی۔

غلط افواہوں کی تردید | جنگ بلقان و ٹرکی کے زمانہ میں علی گڈھ کالج کے متعلق اس کے دشمنوں نے معاندانہ افواہوں سے بہت کچھ غلط فہمیاں پھیلانے اور حکام کو بظن کرنے کی کوششیں کیں اور اس میں شک نہیں کہ ان کارروائیوں کا کچھ اثر بھی محسوس ہونے لگا۔ اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت اقدس ہزبائی نس نواب افتخار الملک بہادر بھی کالج میں تعلیم پا رہے تھے لیکن سرکار عالیہ نے ان لغو اور بے سرو پا افواہوں کو حقارت سے دیکھا اور حضور ممدوحہ الشان بدستور کالج میں تسلیم پاتے رہے اسی قریب زمانہ میں سرکار عالیہ وزیر میر کی حیثیت سے باضابطہ طور پر کالج وزٹ کے لئے تشریف لے گئیں اور ٹرسٹیوں کا ایڈریس قبول فرمایا، اس طرح

ان افواہوں کو حقیقہ ثابت کیا جو کالج کے بدخواہ مختلف حلقوں میں پھیلا رہے تھے، سرکار عالیہ کا معاملات کالج میں حصہ لینا بجائے خود اس امر کی دلیل تھی کہ اس کے روایتی اعتماد میں کوئی فرق نہیں ہے اور افواہیں محض بے بنیاد اور معاندانہ ہیں۔

مصرف امداد کی نگرانی | سرکار عالیہ جن ادارات کی امداد فرماتی تھیں ان کے حالات و رفتار پر بھی توجہ رکھتی تھیں اور ان کی سالانہ رپورٹوں کو ملاحظہ فرماتی رہتی تھیں تاکہ امداد کا مصرف صحیح رہے بعض مقامی ادارات کی بھی سالانہ امدادیں معین تھیں ان کے معائنہ حالات کا ذمہ دار آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے صدر دفتر کو قرار دیا تھا جو وقتاً فوقتاً اپنی رپورٹ پیش کرے۔



روسا ہند کی اعلیٰ تعلیم کی اصلاح و ترقی

سرکار عالیہ کے عظیم الشان کاموں میں روسا ہند کی اعلیٰ تعلیم کی ترقی و اصلاح ایک ایسی یادگار ہے جس کے احسان سے نہ صرف طبقہ روسا بلکہ اہل ملک کا کوئی گروہ بھی کبھی بکدوش نہیں ہو سکتا کیونکہ بلحاظ اس درجہ اور مرتبہ کے جو ہندوستان میں اس طبقہ کو حاصل ہے اس کی تعلیم و جہالت سے بالواسطہ اور بلاواسطہ سارے ہندوستان کا متاثر ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ اس طبقہ کی تعلیم کے لئے ایک عرصہ سے اجیر، اندور، اور لاہور میں جیپس کالج قائم کئے گئے ہیں لیکن ان کا تعلیمی معیار عام یونیورسٹیوں کے کالجوں اور اسکولوں کے برابر بھی نہ تھا اور صحیح معنوں میں وہ کچھ زیادہ مفید نہ تھے سرکار عالیہ نے ابتداءً جب اعلیٰ حضرت اقدس کو جیپس کالج اندور کے نصاب کی تعلیم دیوانی تو چونکہ قدرت سے تعلیم کا مذاق سلیم عطا ہوا تھا اور معاملہ طبیعت کو غور و فکر کی عادت تھی۔ اس لئے اس نصاب و معیار کا ہندوستانی یونیورسٹیوں کے نصاب و معیار سے مقابلہ کیا اور انگلستان کے ایٹن اور ہیر و کالجوں کے طریقہ تعلیم پر غور فرمایا، اور جیپس کالجوں کی خامیوں اور تعلیم و تربیت کے نقائص پر ذہن و قواد نے عبور حاصل کر لیا

اور ان کی اصلاحات پر توجہ منحطف ہوئی۔

سرکار عالیہ کی طبیعت کا خاصہ تھا کہ جب کسی صلاح کا عزم بالجزم فرمالتی تو ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاتیں جیسے کالجوں کی اصلاح کا بھی عزم مصمم فرمایا اور کوشش کی کہ ان کا انساب و معیار بلند درجہ کا ہو۔ اور ان کو تکمیل کے اعلیٰ درجہ تک بہ اسلوب جدید پہنچایا جائے اور تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کیا جائے کہ روسا ہند کی آئندہ تمام نسلیں تعلیم یافتہ ہند میں بہ لحاظ اپنے علم و اخلاق اور ارتقاء ذہنی و دماغی کے اولین گروہ نظر آئے۔

سرکار عالیہ نے اپنے یہ خیالات وقتاً فوقتاً متعدد رسالوں کی صورت میں امرا، دروڑا، برٹش حکام اور ماہرین تعلیم کی توجہ اور غور کے لئے شائع کئے جن پر تمام ہندوستانی اور انگریزوں نے اپنی پسینے عرصہ تک بحثیں کیں اور ان تجاویز سے بڑی حد تک اتفاق کیا۔ بعض ماہرین تعلیم کی رائیں بھی شائع کیں جن کے مطالعہ سے سرکار عالیہ کی ذہنی و دماغی قابلیت، قوت فیصلہ، تعلیمی شغف اور اس احسان عظیم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

پھر ان تمام جلسوں میں جو اندور و دہلی میں اس کے متعلق منعقد ہوئے شریک ہوئیں اور تمام مباحث میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔

روسا ہند کے علاوہ قائم مقامان سلطنت بھی ان تجاویز پر بہدروانہ اعتراف کے ساتھ متوجہ ہوئے اور سرکار عالیہ کی ان مساعی حیلہ کو سراہا چنانچہ آئریل میجر ہیو ڈیلی نے جن کے نامور باپ سر ہنری ڈیلی نے اندور میں ڈیلی کالج قائم کیا تھا ایک وداعی دعوت کی تقریر میں کہا تھا کہ:-

”یورپائی نس نے ڈیلی کالج کے متعلق امور کی جانب اشارہ کیا ہے لیکن جن بات کو میں پہلے کہہ چکا ہوں اسے پھر دہراتا ہوں کہ فی الحقیقت کالج کا انتظام اور ترمیم بالکل امرا کا کام ہے اور کالج کی آئندہ حالت کا دار و مدار بھی ان ہی پر رہے گا۔“

میں جانتا ہوں کہ اس معاملہ میں یورپائی نس اپنے حصہ کو پورا کرنے کے لئے کس قدر قابل ہیں یورپائی نس کی تجویز ہے کہ ایک یونیورسٹی قائم کر کے تمام جیسوں کالجوں کے باہم اتحاد و انتظام کا سنگ بنیاد رکھا جائے۔ یورپائی نس سے بہتر کسی شخص نے اس بات کو محسوس نہیں کیا کہ ایسے اہم معاملہ میں نہایت احتیاط سے کارروائی کرنی چاہیے لیکن میں جانتا ہوں کہ

گورنمنٹ ہند یورپینس کی تجویز پر پوری ہمدردی سے غور کرے گی اور میں امید کرتا ہوں کہ میرے ملک کو خیر باد کہنے سے پہلے اس کا اجراء ہو جانا ممکن ہے۔“ اسی طرح ہزارکسنسی لارڈ ہارڈنگ نے ۱۹۱۲ء میں ایٹٹ بینکروٹ کے موقع پر جو تقریر کی تھی اس میں ارشاد کیا تھا کہ :-

”تعلیم روسا دو الیان ملک پر جو پمفلٹ یورپائی انس نے لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس اہم مسئلہ پر آپ نے نظر غائر ڈالی ہے جس سے کہ تحریک تعلیم کا ایک جوش پیدا ہو گیا ہے یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں مجھ کو ذاتی دل چسپی ہے اور میں اس میں ہر طرح مدد دینے کو طیار ہوں۔“

مارچ ۱۹۱۳ء میں بمقام دہلی اسی مقصد کے لئے جو چیفیس کانفرنس منعقد ہوئی تھی اور جس میں اکثر والیان ملک شریک تھے ہزارکسنسی نے فرمایا تھا کہ :-

ہر بانی انس پہلی فرماں روا ہیں جنہوں نے چیفیس کا بجوں کی تعلیمی اصلاح کے معاملہ کی اہمیت محسوس کر کے ایک خاص سکیم پیش کی ہے۔“

سرکار عالیہ کی یہ کوششیں جاری رہیں اور بتدریج اپنی تجاویز میں کامیاب ہوئیں۔ بہت سی اصلاحات عمل میں آگئیں اور اس تعلیم کا معیار بمقابلہ پہلے کے بہت بلند ہو گیا۔

ہندو مسلم اتحاد کی سعی جمیل

ہندوستان میں اگرچہ صدیوں سے ہندو مسلمان اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہتے تھے جس کا ثبوت شہروں، قصبوں اور دیہات کی قدیم آبادیوں اور ان دونوں قوموں کے مکانات و معابد کے اتصال و الحاق سے ملتا ہے لیکن جب سے کہ تعلیم میں تاریخ جدید کا عنصر شامل ہوا اور مسلمانوں کا عہد حکومت ظلم و جور کا زمانہ دکھلایا گیا دلوں میں تعصب پیدا ہو گیا اور پھر تعصب و خود غرض اشخاص کی جماعتوں نے اس تعصب کو اس درجہ پر پہنچا دیا کہ ہر جگہ نارہ فساد مشتعل ہونے لگا۔

لگاتا آنکہ یقیناً فساد ملک کے امن و ترقی کے لئے خطرہ بن گیا۔
چونکہ سرکار عالیہ نظراًً امن پسند اور شفقت و رافت کا مجسمہ تھیں۔ ناممکن تھا کہ حضور ممدوح
کا دل اس بات پر بے چین نہ ہوتا انھوں نے ہمیشہ رواداری اور امن و آسشتی کی ہی تلقین فرمائی
اور سامعی اتحاد کو عزت و قدر کی نظروں سے دیکھا۔

اس صدی کے تیسرے عشرے میں فسادات کا جو سلسلہ جاری تھا اس سے متاثر ہو کر حبیب اللہ
میں ہندو مسلم رہنمایان ہند نے شملہ میں ایک اتحاد کافرنس منعقد کی اور ہزار کسٹینسی لارڈ ارون نے ان ہنگاموں
کے سامنے ایک نصیحت آمیز تقریر فرمائی تو سرکار عالیہ نے ہزار کسٹینسی کو حسب ذیل تار دیا:-

آپ کی شملہ کی تقریر کا مجھ پر بہت اثر ہوا اس تقریر میں آپ نے اپنے خیالات عالیہ کا ہایت
مناسب طریقہ سے اظہار فرمایا ہے۔ نیک نیتی اور خیر خواہی کے جن جذبات نے اس انسانی
ہمدردی کے اور دانشمندانہ فعل کی طرف آپ کو متوجہ کیا ہے اس کی بنا پر ہندوستان میں
کو آپ کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ آپ کی دل ہلا دینے والی تقریر پڑھنے کے بعد مجھ جیسی
ایک ضعیف بھی خاموش نہیں رہ سکتی اور اسی وجہ سے میں اپنی تمام خدمات آپ کے سامنے
پیش کرتی ہوں کہ آپ ان سے جو قسم کا کام بھی ممکن ہو میں جس شرفیافہ مقصد کے حصول
کے لئے آپ اس بے لوثی کے ساتھ کوشش فرما رہے ہیں اس میں ہر قسم کی امداد دینے
کے لئے میں ہر وقت تیار ہوں میں اپنا وہ پیام بھی درج کرتی ہوں جو میں نے مختلف خیال
رہنمایان ہند کے نام بھیجا ہے جو آج کل شملہ میں جمع ہیں۔ مجھے قوی امید ہے اور میری خواہش
ہے کہ یہ رہنمایان قوم موقع کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگائیں گے اور جناب والا نے اس مسئلہ کے
حل کرنے میں جس امداد کا وعدہ فرمایا ہے اس سے پورا فائدہ اٹھانے میں پس و پیش نہ کریں گے۔

رہنمایان ہند کے نام حسب ذیل پیام تھا:-

”کبرسنی سے نظماً یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ انسان کو مشہ نشتینی اختیار کرے اور ذہنی
مشاغل سے نجات حاصل کر کے اپنا سارا وقت اپنے معبود حقیقی کی عبادت میں صرف کرے
اسی خواہش نے اب سے ڈیڑھ سال قبل مجھے اس فیصلہ پر مجبور کیا کہ میں عنان حکومت اپنے
عزیز فرزند یعنی موجودہ والی ملک بھوپال کے ہاتھ میں دیدوں لیکن جس اطمینان قلب اور

تفکرات سے آزادی کی مجھے تلاش تھی وہ مجھے نصیب نہ ہوئی ملک کے ایک گوشہ سے لیکر دوسرے گوشہ تک ہندو مسلم منافقات کی پھیلی ہوئی رو دکھکر اور اس نے ہندوستانیوں کے برادرانہ تعلقات میں جو خرابی پیدا کر دی ہے اور آئے دن ہندوستان میں جو کشت و خون ہوتا رہتا ہے اسکی خبریں روزانہ اخبارات میں پڑھ کر مجھے جتنی تکلیف ہوئی اتنی زندگی بھر میں کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ہماری باہمی خانہ جنگی کے درونک نتائج کو دیکھ کر مجھے سخت تکلیف ہو کر تھی لیکن میں یہ خیال کرتی تھی کہ آخر مجھ جیسی ایک ضعیفہ اس پیرانہ سالی میں ان دو ٹوٹنے والی قوموں میں صلح و اتحاد کرنے میں کیا امداد پہنچا سکتی ہے۔ لیکن ۲۹ اگست کی وائس لرے کی دل ہلا دینے والی اپیل جو انھوں نے اپنی شملہ کی تقریر میں کی اس سے اور اسی کے بعد ریاست بھوپال کی مجلس قانون ساز کے موقع پر میرے عزیز بیٹے نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے ان سے میری ہمت بندھی اور مجھ میں یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ اپنے برادرانہ وطن کی فلاح و ترقی کے لئے اس مسئلہ کے حل کرنے میں بھی اپنی حباستطاعت حصہ لوں مجھے اس خبر سے بہت اطمینان حاصل ہوا کہ مختلف فرقوں کے رہنما شملہ میں جمع ہو کر اس ناگوار قضیہ کے حل کی کوئی خوشگوار صورت تلاش کر رہے ہیں حدائے قدوس آپ لوگوں کی کوششوں کو وہی کامیابی عطا کرے جس کے وہ مستحق ہیں۔

آپ حضرات کے جذبہ وطن پرستی سے میری پُر زور درخواست ہے کہ ہماری شترکہ مادر وطن کے چہرے پر سے اس بدنامہ شبہ کو مٹانے کے لئے آپ کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں۔ میری خواہش ہے کہ میری کمزور لیکن دل سے نکلی ہوئی صدا میرے بد نصیب برادران وطن کے کانوں تک پہنچے۔ گو میں ضعیف و ناتواں ہوں۔ پھر بھی بخوشی اس پر آمادہ ہوں کہ گوشہٴ عافیت ترک کر کے اپنی خدمات خواہ وہ کتنی ہی حقیر ہوں ملک کے لئے پیش کردہ جہنیں وہ لوگ جو دو بڑی قوموں کے جنگجو طبقہ میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنا چاہتے ہیں جس طرح چاہیں کام میں لائیں کیونکہ یہ مقدس مقصد جس طرح مجھے عزیز ہے یقیناً ہر اس شخص کو محبوب ہو گا جو ملک کا ہی خواہ ہے۔

تمام ہندو مسلم رہنماؤں پر اس برقی پیغام کا بہت گہرا اثر پڑا اور ہر شخص کے دل میں جذبات اتحاد

کی ایک زبردست لہر پیدا ہو گئی اور کانفرنس کے پہلے اجلاس نے سرکار عالیہ کی خدمت میں یہ جواب ارسال کیا کہ :-

”وہ ہندو مسلم اور سکھ لیڈران جو ملک میں پیدا شدہ ناقابلِ برداشت صورتِ حالات پر غور کرنے اور ملک میں فرقہ وارانہ اتحاد و خوشگوار تعلقات برقرار رکھنے کے لئے مجتہد ہوئے ہیں۔ یورپائی نس کے اس پُر اثر پیغام پر اظہارِ سپاس کرتے ہیں جس میں حضورِ عالیہ نے اپنا وطن کی موجودہ حالت سے اظہارِ ہمدردی و ترحم فرمایا ہے اور یورپائی نس کے اس ارادہ پر اظہارِ تشکر کرتے ہیں جس میں حضورِ عالیہ نے باوجود پیرائے سالی کے اعلیٰ جذبات سے متاثر ہو کر گوشہٴ عافیت ترک کر کے جس کی یورپائی نس بجا طور پر مستحق ہیں اپنے وطن اور اہل وطن کی فلاح و بہبود کی خاطر تکالیف برداشت کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی ہے یورپائی نس کے پیغام نے حاضرین کانفرنس کے دلوں کو بے حد متاثر کیا ہے۔ یہ کانفرنس یورپائی نس کے اس خیال سے بالکل متفق ہے کہ ہر عجب وطن کا فرض اولین یہی ہے کہ مادرِ وطن کے چہرہ سے اس بدنما دھبہ کو دور کرے اور ان خرابیوں کے قطعی ازالہ میں جو رکاوٹیں ہیں ان سب کو دور کرنے کے لئے انتہائی کوشش کرے یہ کانفرنس اپنے کوششِ نصرت کرے گی اگر بوقتِ ضرورت یورپائی نس کی امداد و اعانت حاصل کرے اور امید ظاہر کرتی ہے کہ مادرِ وطن ہند کے سچے فرزندان و دختران بلا امتیازِ مذہب و ملت یورپائی نس کی تقلید کریں گے۔“

ہنرِ کسنی و ایسراے نے بھی حسبِ ذیل جواب دیا کہ :-

یورپائی نس نے اپنے تار میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان کی وجہ سے میں آپ کا ممنون ہوں مجھے اب کسی مزید یقین دلانے کی ضرورت نہیں کہ آپ نے جس طرح اپنی زندگی کا بڑا حصہ اپنی رعایا کو آرام و آسائش پہنچانے میں صرف کیا ہے اسی طرح قیامِ امن و صلح کے لئے بھی آپ اپنے آخر سے کام لیں گی اور مجھے یقین ہے کہ آپ اور دیگر حضرات اس کام کے لئے جو کوشش کر رہے ہیں وہ کامیاب ثابت ہوگی۔

ان مساعی اتحاد نے ملک میں ایک تدریجی اثر پیدا کر دیا تاکہ ۱۹۲۲ء میں ہندو مسلم رہنماؤں اور ملک

کے دیگر فرقوں میں ایک ایسا سیاسی سمجھوتہ ہو گیا جس پر اتحاد ملکی قومی کی شاندار عمارت تیار ہونے کی امید تھی لیکن قسبہ تہمتی سے نہرو رپورٹ کے اختلافات نے پھر مطلع کندہ کر دیا اور آسٹریائی و صلح کے امکانات اتنے بعید ہو گئے کہ ابھی برسوں تک کوئی امید نہیں۔

مسلم یونیورسٹی کی چنسلر شپ

مسلمانوں کی علمی تاریخ کے صفحات پر مختلف صورتوں میں مسلمان خواتین کا شغف علمی نہایت روشن اور جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔

وظائف طلباء، اجرائے مدارس، اوقاف تعلیمی کے تذکروں میں جہاں امیر اور دؤند خواتین کے نام نظر آتے ہیں وہاں درس و تدریس اور تحصیل علوم کے سلسلہ میں غریب اور متوسط خواتین حلقہ طلالی بنی ہوئی ہیں اور ہم اُن کو مختلف علوم کے اساتذہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جن کے حلقہ درس میں مرد و عدا کتاب علم کے لئے زانوئے ادب تہ کرتے نظر آتے ہیں لیکن وہ دور گزر گیا اور مسلمان عورتوں کی جہالت ضرب المثل بن گئی۔ عرصہ تک مسلمانوں میں ان کی تعلیم کا مسئلہ مذہبی و معاشرتی مباحث کا موضوع بن رہا مگر سیکمات بھوپال کو اس دور جہالت میں بھی علم اور علم کی سرپرستی کا فخر حاصل رہا جس کی جھلک اُن کی سوانح عمریوں میں نمایاں ہے۔

جس طرح خداوند و اھب العطا یا نے سرکار عالیہ کے اسلاف عظام اور اُہمات کرام کے اور فضائل کو اُن کی ذات مبارک میں جمع کر دیا تھا اسی طرح علم اور علم کی سرپرستی کی فضیلت بھی علی وجہ الکمال عطا کی اپنے ملک میں تسلیم کی اشاعت، بیرون ملک قومی مدارس، علمی ادارات اور مصنفین و مؤلفین کی امداد اور سند شاہی پر شغل تصنیف و تالیف نے وہ خاص امتیاز عطا کیا ہے جو سرکار عالیہ ہی کے لئے اب تک مخصوص ہے۔

اسی ذوق اور علمی سرپرستی کا اثر تھا کہ حضور مجدد صہ کی شاہانہ توجہ دار العلوم علی گڑھ پرنسپل ہوئی اور اپنے قرۃ العین (ہزبانائی نس نواب سکندر صولت افتخار الملک بہادر) کو اس قومی تعلیم گاہ میں

داخل کرایا اور دارالعلوم کے ہر شعبہ کو مالی امدادیں عطا کیں علیا حضرت کا بحرِ کرم برابر آبِ یاری کرتا رہا
 مگر آنکھ محمدؐ ان کے گلو اور نیل کالج مسلم یونیورسٹی کے قالب میں ڈھل گیا اور سرکار عالیہ کو فضائل
 علمی کی بنیاد پر اور مسلمانانِ ہند کے جذبات و اعترافِ احسانات کے لحاظ سے اولین مرتبہ ہر اعلیٰ
 ویسے لے گورنر جنرل ہند نے اپنے قانونی اختیار سے اور پھر دوسرے مرتبہ خود کورٹ نے چانسلر منتخب کیا۔
 دنیا کی یونیورسٹیوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ صرف مسلم یونیورسٹی ایک فرماں روا
 جلیل القدر خاتون کی امارتِ جامعہ (چانسلر شپ) کے فخر سے مفتخر ہوئی جو یقیناً عالمِ سنوں کا
 سب سے گرانا یہ امتیاز رہے گا۔

یونیورسٹی کے جلسہ ہائے تقسیمِ اسناد کی صدارت

سرکار عالیہ نے اس علمی عہدہ پر منتخب ہونے کے بعد یونیورسٹی کے معاملات پر کامل توجہ
 مبذول فرمائی اور ۱۹۲۲ء میں پہلے کانووکیشن میں تشریف لے جا کر اپنے فرائض کو حیرت انگیز
 خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

(۱) ۱۹۲۲ء | جس طرح کہ مسلم یونیورسٹی کی چانسلر شپ عظیم الشان ہے اسی طرح
 کانووکیشن کا پر عظمت نظارہ بھی ایسا دل چسپ اور جنت نگاہ تھا جس کا ایک ہلکا اور بادہ خاں کہنچیا
 بھی قدرتِ قلم سے باہر ہے۔

اس موقع پر مقامی اصحابِ عہدہ داران و ممبرانِ کورٹ پروفیسر اور طلباء کے علاوہ بکثرت
 ہمان باہر سے آئے تھے اسٹریچی ہال کی عمارت حاضرین سے کچھ کچھ بھری ہوئی تھی اور ہر شخص
 چنسلر کی تشریف آوری کے لئے چشمِ براہ تھا۔

وقتِ معینہ پر سرکار عالیہ تاج شاہی اور چنسلر کی زرین گون زیب تن کے ہوئے عہد داران
 یونیورسٹی کے جلوس کے ساتھ اسٹریچی ہال میں رونق افروز ہو کر طلانی شامیانہ کے نیچے زرنگار
 کرسی چٹکن ہوئیں، حاضرین کے دلوں میں اس وقت عظمت و محبت کا جو جذبہ موجزن تھا وہ ان
 کے بشاش چہروں، مسرت و شادمانی کے غلغلوں اور پرجوش حیرت سے ظاہر ہو رہا تھا۔

کُرسی پر رونق افروز ہونے کے بعد اجلاس کی کارروائی کا آغاز قرآن مجید کے ایک کورس کی تلامذت سے ہوا پھر پروفیسر ڈوئلس چانسلر کی رپورٹ کے بعد چانسلر کے شیفتی و مقدس ہاتھوں سے ڈگریاں اور تمغے عطا کئے جانے کی رسم ادا ہوئی۔ اس رسم کو انجام دے کر سرکار عالیہ نے ایک فصیح اور معنی خیز ایڈریس پڑھا۔

اس ایڈریس میں مرحوم سسین یونیورسٹی کی پُر حسرت یاد اور ان کی کوششوں کی شکر گزاری، موجودہ یانینوں کی مساعی کا اعتراف اور بعض کی عدم موجودگی پر افسوس، معطلیان کے شکریے اور بہادر اصحاب کی مزید امداد پر یقین ظاہر کرنے کے بعد حق الحاق کے متعلق جس کی نسبت تمام قوم کے دل میں ایک بے چینی تھی ارشاد فرمایا کہ :-

اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہماری یونیورسٹی کو الحاق کا حق نہ ملنے کی وجہ سے اکثر اصحاب کو سخت مایوسی ہوئی اور یہ مایوسی اس لئے اور بھی بڑھ گئی کہ ہندو یونیورسٹی کو تو یہ حق مل گیا اور مسلم یونیورسٹی اس سے محروم رہ گئی حالانکہ ہماری تحریک اس سے بہت پہلے کی تھی اور اس تحریک کی کامیابی زیادہ تر اسی مسئلہ الحاق پر تھی جس سے قومی تعلیم کے ایک مکمل نظام کا سب کو یقین تھا لیکن میرے خیال میں مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی شکایت نہیں ہے جو لا علاج ہو۔ اگر اب بھی کوشش کی جائے اور گورنمنٹ کو دلائل و براہین سے توجہ دلائی جائے تو انشا اللہ یہ حق حاصل ہو سکتا ہے ہم کو گورنمنٹ کی نصفت شعاری اور حق پسندی پر اعتماد رکھنا چاہیئے۔

پھر یونیورسٹی کے سرمایہ کے متعلق قوم کو توجہ دلائی اور یونیورسٹی کی اقتصادی حالت درست رکھنے اور اخراجات باندازہ آمدنی کی نصیحت فرما کر مذہبی تعلیم کے متعلق ارشاد کیا کہ :-

اس امر کی تمام عالم اسلامی کو مسرت ہوگی کہ ہماری یونیورسٹی میں ہر امتحان کے ساتھ مذہبی تعلیم لازمی ہے لیکن یہ ضروری امر ہے کہ اس تعلیم کا معیار ایسا اعلیٰ اور مکمل ہونا چاہیئے کہ واقعی طور پر بیاں کا گراڈجویٹ مذہبی تعلیم میں بھی اتنی ہی دستگاہ رکھتا ہو جتنی کہ اور علوم عامہ میں اس کو حاصل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ عملی طور پر بھی اپنے سچے مذہب کا سچا نمائندہ ہو۔

پھر یونیورسٹی میں ہندو طلباء کی معقول تعداد پر اظہارِ مسرت کر کے یونیورسٹی کے شعبہ تعلیم
سوال پر اس طرح توجہ دلائی :-

جدید شعبوں میں تعلیم نسواں خاص طور پر توجہ کے قابل ہے کیونکہ اس سے آپ کی قوم کی نصف
آبادی کا تعلق ہے اور گذشتہ زمانہ میں اس کی جانب سے سخت غفلت برتی گئی ہے اب
جبکہ تعلیم کا انتظام آپ کے ہاتھوں میں ہے اور یونیورسٹی کو اختیار ہے کہ اپنی ضروریات کے
مطابق نصاب بنائیے اور طریقہ امتحان میں ترمیم کرے تو آپ کو اس معاملہ میں ایک لمحہ کیلئے
غفلت نہیں کرنی چاہیئے آپ کے پاس ایک اچھا اسکول موجود ہے اور آپ اس کو اپنی
یونیورسٹی کے شعبہ تعلیم نسواں کا عمدہ نمونہ بنا سکتے ہیں اگر اب بھی اس شعبہ پر پوری توجہ نہ
کی گئی تو یہ ایک ناقابلِ تلافی غلطی ہوگی لیکن اس موقع پر یہ کتنا نہایت ضروری ہے کہ اس
شعبہ خاص میں دیگر اقوام کی تقلید اور اپنی خاص معاشرتی خصوصیات اور قومی روایات
سے انحراف کسی طرح گوارا نہ ہونا چاہیئے اور جو کچھ کیا جائے اس میں ہر ایک پہلو کو کامل
اسلامی شان کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

اس کے بعد نتائج و معیارِ تعلیم پر بحث فرما کر ارشاد کیا کہ :-

ہمارا نقطہ نظر ہمیشہ ہی رہنا چاہیئے کہ ہم اپنی یونیورسٹی کی عزت و شہرت کی حفاظت اس
کے معیارِ تعلیم سے کریں کیونکہ وہی یونیورسٹی باوقار اور نیک نام سمجھی جاتی ہے جو طلباء کو اپنی
عمدہ تعلیم کی وجہ سے اپنی طرف راغب کرے نہ کہ ارزاں ڈگریوں کی وجہ سے۔

اور اس حفاظت کو صرف اسٹاٹ کی قابلیت و انہماک پر منحصر کر کے اس کو اپنے اسلاف کا نمونہ بننے
اور ایشیاء کی صفت پیدا کرنے پر متوجہ کیا۔

اس کے بعد طلباء کو خطاب کر کے فرمایا کہ :-

اے عزیزانِ قوم آپ کی جماعت وہ جماعت ہے جس کا نام اس یونیورسٹی کے آغاز کے ساتھ قائم
ہے اور اس کی تقویم میں سب سے پہلے آپ ہی کے نام نظر آئیں گے۔ ہم سب کو آپ سے
یہ قومی امید ہے کہ آپ اپنی یونیورسٹی کی ڈگریوں کے وقار کو ہر طریقہ سے قائم رکھیں گے اور
جن مقاصد کی تکمیل کے لئے یہ یونیورسٹی قائم کی گئی ہے ان کا عملی نمونہ بنیں گے۔ آپ

پر اپنے مذہب کے، اپنے گھر کے، اپنی قوم و وطن کے، اپنی ذات، اور اپنی حکومت کے جو خرائض ہیں ان کو آپ بخوبی سمجھتے ہیں اور آپ پر آپ کی تمام ابنائے قوم کی نظریں لگی رہیں گی کہ آپ ان کو کس طریقہ سے ادا کرتے ہیں۔

آپ کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ علم و اخلاق دو بڑی قوتیں ہیں جو خالق ذوالجلال نے انسان کو عطا کی ہیں اور دین و دنیا کی کامیابی ان دونوں قوتوں میں مضمر رکھی ہے لیکن ان دونوں قوتوں میں اخلاق کی قوت بہت زبردست ہے اور جو علم مصلح اخلاق نہیں ہے وہ حقیقت میں اس نام کے نمایاں ہی نہیں۔

ایک مسلمان کے لئے تو مکام اخلاق جو ہر انسانیت و اسلام میں، ہمارے نبی کریم نے اپنی بعثت کا منشا ہی مکام اخلاق کی تکمیل قرار دیا ہے، اور کلام مجید میں آپ کی تعریف یہ ہو کہ **لَعَلَّ الْخَلْقَ عَظِيمَ** اخلاق کے ساتھ آپ کی زندگی کا اصول یہ ہونا چاہئے کہ ”ہم دنیا کو اس سے بہتر حالت میں چھوڑیں جس میں کہ ہم نے اُسے پایا تھا۔“

اس ہمدردانہ نصیحت کے بعد میں فرداؔ بر طالب علم کو مبارک باد دیتی ہوں اور پستی ہوں کہ جب آپ اپنے گھروں پہنچیں تو اپنے بزرگوں اور مربیوں کو بھی میری طرف سے اپنی کامیابی پر دلی مبارکباد کا ہدیہ پہنچائیں۔
پھر ارشاد فرمایا کہ :-

اب میں چند لفظ موجودہ طلباء سے کہنا چاہتی ہوں جو ابھی زیر تعلیم ہیں، صاحبو! یاد رکھو کہ آپ کی کامیابی کا مل شوق و محنت، حسن اخلاق، اور کفایت شعار نہ زندگی پر منحصر ہے ان باتوں کے ساتھ ہر طالب علم کو ایک خاص بات اور بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے اور وہ استادوں کا ادب اور ان کے ساتھ محبت تحصیل علوم کے سلسلہ میں ہماری معاشرتی اور اسلامی روایات میں یہ ادب اور محبت بہت ہی ضروری اور اہم چیز ہے اور جب آپ اسلامی تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ امراء و سلاطین اور خلفاء تک نے اپنے زمانہ طالب علمی میں استادوں کا کیسا ادب ملحوظ رکھا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول لوح دل پر نقش کرنے کے قابل ہے کہ ”جس نے مجھے ایک لفظ سکھایا اُس نے مجھے اپنا بندہ بنالیا۔“

آخر میں آپ سب طلباء کو میری یہی نصیحت ہے کہ آپ اپنے مذہب کے ساتھ صداق لہل
اور وفادار رہو جس میں ہر ایک صداقت اور ہر ایک وفاداری اور دین و دنیا کی ہر ایک بھلائی
موجود ہے۔

حضرت لقمان کے نصائح میں جن کا قرآن پاک میں ذکر ہے کس قدر اخلاقِ محتم کی تعلیم
ہے جس میں "دعوت، محبت، ایثار نفسی بھری ہوئی ہے"
آخر میں کارکنانِ یونیورسٹی کو اس جامعہ مسلم کی خصوصیات اور پیشرووں کے نقطہ نظر اور نصب العین
کو پیش نظر رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد کیا کہ :-

اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے ہم کو نہایت سرگرم کوششوں کی ضرورت ہے تاکہ
ہماری یونیورسٹی قوم و ملک میں ایک قابل قدر تعلیمی فضا پیدا کر دے سائنس اور صنعت
کی تعلیم ہمارے لئے حقیقی طور پر منتخبہ نیز ہو یہاں تحقیقاتِ علمی کا سلسلہ قائم ہو اور ہمارے
دارالعلوم میں سے ایسے طلباء نکلیں جو اپنی زندگی کو علم کے لئے وقف کر دیں نہ کہ صرف ملازمت
کے واسطے.....

مسلمانوں میں اسلامی اخلاق کی آراستگی اسلامی روایات پر عمل پیرائی اسلامی معاشرت
اور تمدن کے تحفظ کا خیال اور قومیت کا احساس اسی دارالعلوم میں پیدا ہو سکتا ہے جس میں عام
تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم و تربیت جزوِ اولیں ہو اور یہاں سے جو طالب علم نکلے وہ ایک صحیح مفہوم
میں تعلیم یافتہ مسلمان ہو جس کی صفات میں مذہب کی استواری اور ارکانِ مذہب کی پابندی
ممتاز درجہ رکھتی ہو۔

صاحبانِ اہل اس قسم کا دارالعلوم ہمارے ہاتھ میں ہو گا تو ہم اس وقت امید کر سکیں
گے کہ پھر ہماری قوم میں ابنِ رشد، بوعلی، سعدی، وغیرہ، بنو موسیٰ، اور ابو معشر فلکی
اور دیگر آخر کے شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور حالی و شبلی پیدا ہوں گے اور ہندوستان
میں ہندو و قرطبہ کی عظمت ہم کو دوبارہ حاصل ہو جائے گی۔

(۲) ۱۹۲۵ء | اس کانفرنس کے بعد پھر جنوری ۱۹۲۵ء کے کانفرنس میں تشریف لے گئیں۔
حالانکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ حضورِ مجدد و حنفی حادثوں سے بہت ہی دل شکستہ اور مضطرب تھے۔

موقع پر یونیورسٹی کے لارڈ ریکٹر ہز اسکلنسی لارڈ ریکٹرنگ دائرہ سرائے ہند بھی تشریف لائے تھے صبح کے وقت حضور مددوح کو یونیورسٹی کی طرف سے ایڈریس پیش کیا گیا اور ہز اسکلنسی کے خیر مقدم میں کارلج نے بحیثیت چانسلر کے ایک پرمعنی تقریر کی جس میں ہز اسکلنسی کی تشریف آوری اور گورنمنٹ کی بیہم فیاضانہ اعانت و دستگیری کا شکریہ اور صلح کانفرنس میں مسئلہ ٹرکی کے متعلق ہز اسکلنسی نے مسلمانانہ کی جو ترجمانی کی اس کا اظہار احسان مندی، سرسید اور ان کے رفقاء کار کی مساعی جمیلہ اور اس عظیم الشان ادارہ تعلیمی کے بنیادی مقاصد کا تذکرہ تھا۔

سہ پہر کو کانفرنس کا اجلاس تھا اور اس اجلاس میں بھی سرکار عالیہ نے ایک پرمغز ایڈریس پڑھا جس میں اس دارالعلوم کے دورِ اول کا اور موجودہ ترقی کا تذکرہ کر کے ابتدائی مشکلات پر غائب آنے کے لئے حوصلہ افزائی فرمائی اور دارالعلوم کی کامیابی کے متعلق فرمایا کہ :-

البتہ یہ درست ہے کہ موقع جس قدر نازک اور مشکل جتنی زیادہ سخت ہوگی کام کرنے والوں کو اسی قدر زیادہ حزم و احتیاط اور خلوص و ایثار سے کام کرنا ہوگا۔ یہی کامیابی کا اصلی راز ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہماری یونیورسٹی میں بھی اسے ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے گا۔

لیکن کسی دارالعلوم کی کامیابی کا معیار محض اس کے شرکاء امتحان کی کثرت یا اس کی عمارتوں کی وسعت و شوکت نہیں بلکہ ہماری تمام جدوجہد کا مقصد عملی یہ ہونا چاہیے کہ ہم ایسے ماحول بنائیں اور ایسی فضا پیدا کریں کہ ہمارا دارالعلوم حقیقی طور پر علم و فضل کا گھر بن جائے اور اس کے طلبہ صحیح معنوں میں طالبانِ علم ہوں اور ان کا اخلاق ایسے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو کہ جب وہ زندگی کے عملی میدان میں داخل ہوں تو اہل کمال کے حلقوں میں اپنے لئے ممتاز جگہ حاصل کر سکیں اور ملک و قوم کے بہترین خدمت گزار بن سکیں مگر یہ منشاء و مدعا اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ ان کے استاد ان کے سامنے علمی، اخلاقی، اور روحانی زندگی کا ایسا نمونہ پیش کریں جو ان کا بہترین نصب العین ہو اور وہ اس نصب العین کو اپنا طمح نظر بنا کر ہمیشہ ایسے مشاغل علمیہ میں مہمک رہیں جو ان کے دل میں حصولِ علم کا سچا اور دائمی ذوق و شوق پیدا کریں۔

یورپ کی گوناگوں ترقیاں جو اہل مشرق کو ششدر رکھے ہوئے ہیں دراصل وہاں

کی یونیورسٹیوں ہی کی رہنمائی میں ہیں اور ان کے عروج کا تمام راز ان ہی درسگاہوں کے طریق کار میں مضمر ہے کیونکہ ہمیں کے طلباء ہیں جنہوں نے اپنی علمی قابلیتوں اور دماغی قوتوں سے اپنے ملکوں کے لئے ایک طرف روئے زمین کو سحر کر لیا ہے اور دوسری طرف قدرت کی غیر محدود طاقتوں کو اپنا مطیع اور فرماں بردار بنا دیا ہے۔“

اس کے بعد دارالعلوم کے اصلی مقصد کی یاد تازہ کی اور یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کی ترقی کے لئے ارباب ہمت کو اور بالخصوص فرزندِ ان دارالعلوم کو فیاضی پر مائل کیا۔ صنعت و حرفت کے شعبوں کی ضرورت ظاہر کی۔ السنۃ مشرقی اور زمانہ تعلیم کے متعلق فرمایا کہ :-

”اس یونیورسٹی کے قیام میں یونیورسٹی کے بانیوں کا یہ مقصد بھی شامل رہا ہے کہ السنۃ مشرقی کی تعلیم کو تعلیم کا زیادہ بہتر انتظام کیا جاسکے اور ان کی جانب سے مسلمانوں کی روز افزوں بے اعتنائی کا سد باب ہو سکے۔ یقیناً یہ مقصد نہایت اہم اور قابلِ قدر ہے اور اسے ایک لمحہ کے لئے بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارا تہذیب، ہماری معاشرت، ہماری تہذیب اور ہمارا مذہب، ہماری قومی زبانوں کے ساتھ وابستہ ہے اور اگر ہم ان کو بھول گئے تو چند دن بعد یقیناً ہم ان کو بھی کھو بیٹھیں گے اس لئے السنۃ مشرقی اور بالخصوص عربی فارسی کی اعلیٰ اور بہتر تعلیم پر یونیورسٹی کی اکاڈمک (تعلیمی) کونسل کو زیادہ توجہ مبذول کرنی چاہیئے یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ شریعہ سنسکرت کے اجراء سے ہمارے دارالعلوم کی یہ ایک بدنامی پوری ہو گئی ہے۔“

زمانہ تعلیم کے متعلق بھی ہمارے دارالعلوم کو ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے اگرچہ مدرسہٴ سنو ال علی گڑھ کو کھن کر لیا گیا ہے لیکن تعین و انتخاب کا اصلی کام ابھی توجہ کا محتاج ہے اور جب تک وہ سٹے نہ ہو جائے تب تک یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس دشوار گزار راستہ کی پہلی منزل بھی طے نہیں ہوئی، یہ سچ ہے کہ بی۔ اے کے کامیاب طلبہ کی فہرست میں ایک مسلمان خاتون کا نام دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی لیکن اس کا سبب صرف اس کی ندرت و نایابی ہے کیونکہ علم و کمال کے میدان میں عورتوں کا مردوں کے دوش بدوش چلنا ہمارے لئے کچھ عجیب اور غیر معمولی بات نہیں ہے ہمارے تجربہ صادق صلعم نے شروع ہی سے نوع انسان کی ان

دونوں صنفوں کو ان کی قلبی، دماغی اور روحانی قابلیتوں کے لحاظ سے ہر معاملہ میں بالکل برابر رکھا ہے اور ہماری تاریخ کے صفحہ نصف ضعیف کے مردانہ کارناموں سے بھرے پڑے ہیں اب البتہ اس عالم پرستی اور غلطاط کے دور میں ایسی مثالیں کیاب ہو گئی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتگان کے زمرہ میں ایک مسلم خاتون کا نام موجب استعجاب معلوم ہوتا ہے اگرچہ حقیقت ہے کہ یہ استعجاب سیم اناٹ کی جانب سے خود ہمارے طبقہ مذکور کی لاپرواہی اور غفلت کی دلیل ہے لیکن صاحبانِ امیر سے نزدیک اس ایک لڑکی یا بالقرض بہت سی لڑکیوں کے بھی بی۔ اے ہو جانے سے اصل مسئلہ حل نہیں ہوتا ابھی تک تو ہمارے ملک کے درباب سائے اسی پر متفق نہیں ہیں کہ یہ جو وہ طرز تعلیم و امتحان ہمارے لڑکوں کے لئے کہاں تک مفید ہے تو پھر کیوں کراٹمینان سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہماری لڑکیوں کے لئے بلا اختلاف مفید ہوگا جبکہ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہماری معاشرتی میں دونوں فرقوں کے دائرہ عمل الگ الگ اور اس کی ضرورتیں زندگی جدا جدا ہیں۔

میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر اس کو دہرائی ہوں کہ اس خاص شعبے میں دیگر اقوام کی تقلید میں اپنی معاشرتی خصوصیات اور قومی روایات سے انحراف کسی طرح روا نہ رکھا جائے۔ پھر شعبہ علوم اسلامیہ سے بے پروائی پر اظہارِ افسوس فرما کر طلباء کو خطاب کیا کہ :-

”عزیزانِ من! اس موقع پر طلباء سے خطاب کرنا ایک رسمی بات ہے لیکن میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ میرا مقصد محض کسی رسم کا ادا کرنا نہیں ہے بلکہ میں اس فرض کو پورا کرنا چاہتی ہوں جو ایک ایسے فرو قوم پر عائد ہوتا ہے جس کو اپنی قوم کی تعلیمی ترقی سے حقیقی دل بستگی ہے۔

تم اب یونیورسٹی کے محدود دائرہ سے نکل کر زندگی کے غیر محدود وسیع میدان میں داخل ہو رہے ہو جہاں تم پر بے شمار فرائض کا بار ہوگا اگر تم نے ان فرائض کو صداقت اور قابلیت کے ساتھ ادا کیا تو دنیا جتنی کی کامیابیاں تمہارے ہم قدم ہوں گی اور ہر وقت اور ہر لحظہ تم کو سکون خاطر اور اطمینانِ قلب حاصل رہے گا۔ ہم ایک ایسی تعلیم گاہ کے طالب علم ہو جو حکومت و رعیت اور ابنائے وطن کے اشتراکِ عمل کا نتیجہ ہے تمہاری تعلیم گاہ کی سوسائٹیاں اس کی عمارتیں اس کی امدادیں، اس کے تنے، اور وظیفے غرض اس کی ہر ایک چیز جس پر تم نظر ڈالو گے اس میں

اسی اشتراک عمل کو جلوہ گر پاؤ گے۔ اس لئے اس کے مطابق حکومت اور اہل وطن کے ساتھ ہمارا مخلصانہ اشتراک عمل ہمارا طعرا لے امتیاز ہونا چاہیے اسی غرض سے ہمارے دارالعلوم کا دروازہ بلا لحاظ قوم و مذہب ہر ایک طالب علم کے لئے کھلا ہوا ہے اور تجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ اصحاب ہندو بھی اس سے فائدہ اٹھانے میں تامل نہیں کرتے۔

اس وقت ملک میں جو سیاسی فضا موجود ہے اس کے اقتضا سے نوجوان تعلیم یافتہ جماعت کے قلوب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور یقیناً ہر ایک غور و فکر کرنے والے دل و دماغ کو اپنے ماحول کے متعلق سوچنے اور سمجھنے کا حق حاصل ہے اس لئے مجھے اپنا یہ اہم فرض محسوس ہوتا ہے کہ اس موقع پر میں تم کو چند مختصر الفاظ میں یہ بتا دوں کہ تم جس پاک اور مقدس مذہب کے پیرو ہو وہ ایک ایسا علمی مذہب ہے جس نے روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ عملی زندگی کے لئے بھی گھر کے حجرے سے لے کر لامعلوم وسعت کائنات تک ہر ایک مرحلہ کا طریق کار بتا دیا ہے اور جس میں سیاسی اور اقتصادی معاملات، تمدنی اور معاشرتی مسائل اور حکومت و رعیت کے باہمی تعلقات پر بہترین ہدایتیں موجود ہیں پس اگر تم اسی طریق کار کو پیش نظر رکھو گے اور انہیں ہدایتوں پر عامل رہو گے تو زندگی کا مبہم سے مبہم مسئلہ اور مشکل سے مشکل عقدہ بھی ہمارے لئے آسان ہو جائے گا اور دنیا کے پیچیدہ سے پیچیدہ راستے اگٹھن سی گٹھن گھائی میں بھی ہمارا قدم نہ ڈگر گائے گا۔ تم ہر ایک معاملہ کے متعلق صحیح رائے قائم کر سکو گے اور ہر ایک مرحلہ میں صحیح طرز عمل اختیار کر سکو گے۔ ہم کو اپنے منہم حقیقی سے ہمیشہ ہی دعا مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم

فردندان ملت! اگرچہ ظاہر میں تم کتابی اور کاغذی امتحانات کی تیاری میں مصروف ہو لیکن حقیقت میں تم ایک ایسے میدانِ مقابلہ میں داخل ہونے کے لئے تیار ہو رہے ہو جہاں روحانی اخلاقی دماغی اور جسمانی قوتوں کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی ہمارے تعلیم کا سب سے بڑا مقصد انہیں تمام قوتوں کا نشو و نما تھا اگر یہ شرع ہو گیا ہے تو ان کے لئے مخصوص یرفہ عبادی الصالحین کا سچا وعدہ ہمارے ساتھ ہے اور دنیا اور آخرت کی کامیابی کی کئی ہمارے ہاتھ ہے خدا مبارک کرے، لیکن اگر تم نے ان مواقع سے استفادہ نہ کر لیا تو

کیا ہے اور تم میں خامیاں باقی رہ گئی ہیں تو اس کی تلافی زمانہ کے تلخ تجربات اور ناخوشگوار تادیب کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ کسی نے سچ کہا ہے ”زمانہ بڑا سخت گیر استاد ہے۔“

بہر حال اس وعدہ ربانی میں ذرا بھی خائبہ شک نہیں ہو سکتا کہ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ
اَلْاَمَانَةُ وَاَنْ سَعِيدٌ سَوْفَ يَرَى نَصْرِيْكَ اَلْاَمَانَةُ اَلْاَوْنِيْ ط۔

سرکار عالیہ نے اس موقع پر آتی ہزار روپیہ اپنے مرحوم فرزند اکبر کے نام پر ایک ہاسٹل تعمیر کرنے کے لئے اور دس ہزار روپیہ نصابِ تسلیم سنوں کی ترتیب ۱۰ ہزار لائبریری اور ۲۰ ہزار سرسٹنوں کیلئے حجت فرمایا۔ (۳) ۱۹۲۶ء ان دونوں اجلاسوں میں سرکار عالیہ ایک فرمانروا اور چانسلیر کی مجتمع خصوصیت سے شریک ہوئیں تھیں۔

مگر نومبر ۱۹۲۶ء کے کانوکیشن میں صرف چانسلیر کی حیثیت سے شرکت کی لیکن اس وقت ایک نئی شان بھٹی اور یہ نظارہ بہ چشم حقیقت پہلے دونوں نظاروں سے زیادہ پر عظمت تھا۔

نصر اللہ خاں ہاسٹل کا افتتاح اسی زمانہ میں سرکار عالیہ نے ”نصر اللہ خاں ہاسٹل“ کا افتتاح فرمایا افتتاح سے قبل ایڈریس پیش کیا گیا۔

چونکہ موقع افتتاح کے لحاظ سے سرکار عالیہ کے لئے یہ نہایت درو آمیز اور الم ناک وقت تھا اور احتمال تھا کہ مبادا قلب مبارک پر اپنے مرحوم فرزند کی یاد کا کوئی ایسا اثر پڑے جس کا تحمل حضورِ مجسم نہ کر سکیں۔ اس وجہ سے سرکار عالیہ کی جوابی تقریر گوڈمنٹ بھوپال کے فنانس میمبر عالی مرتبت راجہ اوچہ نرائن بسراہی۔ اسے نے سنائی جس میں ہز بانی سن کے زمانہ تعلیم علی گڑھ کا تذکرہ کئے اُس کو تائید غیبی سے تعبیر کیا اور فیاض معیظوں کا شکریہ ادا کر کے دارالعلوم کی صلی فحوت و شان اور امتیاز کی تمناؤں ظاہر کی کہ :-

حضرات! میں اس موقع پر ایک خاص امر کی جانب بھی توجہ دلانا چاہتی ہوں، اینٹ

سہ اسٹیشن پر شایان شان استقبال ہوا سرکار عالیہ اور اعلیٰ حضرت فرماں روا نے بھوپال خلد اللہ ملک ”مزل پلس“ میں مقیم ہوئے اعلیٰ حضرت نے اُسی دن سہ پہر کو اپنے دست مبارک سے سائنس کالج کا سنگ بنیاد رکھا اور دولاکھ روپیہ بھی عطا فرمایا۔

اور گارے چوٹے، اور پتھر کی رفیع الشان عمارتیں بلاشبہ جاذب نظر ہوتی ہیں لیکن ان کی حقیقی شان اُس وقت نمایاں ہوتی ہے جب اُن کے کاموں کے شاندار نتائج ظاہر ہوں دنیا کی کوئی عمارت حجۃ نبوی کی خام دیوار اور نیچی چھت سے زیادہ شاندار نہیں ہے یہ وہ مقدس عمارت تھی جہاں سے علمِ عمل کے دریا موج زن ہوئے اور ان سے وہ برقی قوت حاصل ہوئی کہ بحر و بر منور ہو گیا۔ آپ دیکھئے کہ مدرسہ نظامیہ بغداد اور نیشل اس کے بہت سے مدارس کی عمارتوں کا باوجود اس کے کہ وہ بہت شاندار تھیں کوئی وجود موجود نہیں ہے لیکن اس کی علمی نہریں آج بھی جاری ہیں اگرچہ وہ منہج سے جدا ہو چکی ہیں۔

مجھے عمر کی سترویں منزل پر پہنچ کر سب بڑی تمنا اور سب بڑی آرزو یہی ہے کہ میں اس دارالعلوم کو نہ صرف ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں ممتاز دیکھوں بلکہ وہ دنیا کی یونیورسٹیوں میں خاص امتیاز رکھتی ہو۔

حضرات اہل ہری قوم نے انتہائی جدوجہد کے بعد یہ یونیورسٹی قائم کی ہے اور اس کو مسلم یونیورسٹی کے مبارک نام سے موسوم کیا ہے تو قدرتی طور پر ہم اس دارالعلوم میں مسلم کی نسبت سے جو برکت ہونی چاہیئے اس کے آرزو مند ہوتے ہیں۔

اس کے بعد طلباء میں حقیقی اسلامی روح پیدا کرنے پر زور دیا سرسید کی جماعت اور ان کے جانشینوں کے خلوص و ادب کی پیروی کی ہدایت کی اسی سلسلہ میں یاد دلایا کہ سرسید کے اوصاف، مادرانہ تربیت کے نتائج تھے۔

ایک مؤثر نظارہ | بقول خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب منیر اسلامیہ ہائی اسکول اٹا دہ و
ممبر کورٹ مسلم یونیورسٹی :-

اس موقع پر سب زیادہ مؤثر سین وہ تھا جبکہ رسم افتتاح ہونے کے بعد سرکار عالیہ کو معلوم ہوا کہ ان کے نامور فرزند فرماں روا لائے بھوپال نے مسلم یونیورسٹی کو دو لاکھ روپیہ عطا فرمایا ہے یہ سن کر سرکار عالیہ نے اپنے سعادت مند فرزند سے اپنی خوشنودی مزاج کا اظہار فرمایا اور آئندہ کے لئے قومی کاموں میں لچپی لینے کی نصیحت فرمائی۔

جس وقت سرکار عالیہ اپنے سعادت مند اور نامور فرزند دل بند کو نصیحت فرما رہی

تھیں ہزہائی نس نہایت مؤدبانہ طریقہ سے کھڑے ہوئے تھے جب سرکار عالیہ نصیحت فرما چکیں تو ہزہائی نس نواب صاحب بہادر نے اپنی مادر ہربان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور بعد ازاں سرکار عالیہ نے فرزند رشید کی پیشانی کو ”

کانو وکیشن ایڈریس کا اقتباس | ۱۵/ نومبر کو کانو وکیشن کا جلسہ تھا معمولی مراسم کے بعد سرکار عالیہ نے اپنا ایڈریس پڑھا جس میں ابتدائی زمانہ کی مشکلات مبادیات کی طرف اشارہ کر کے طلباء و پروفیسروں کی تعداد کے اضافہ پر اظہار مسرت کیا۔ یہاں کے طلباء کی فرض شناسی کی تعریف فرمائی۔ لڑکیوں کی تدریجی ترقی پر جامیان تعلیم نسواں کو مبارکباد دیتے ہوئے کامل مسرت کو مناسب حال ترقی تعلیم پر محول کیا۔ گذشتہ جوبلی کے معطیان اور بالخصوص ہزہائی نس ہمارا جہ اور کی ٹیچر و فیاضی کا شکریہ ادا کیا اور مزید فیاضانہ اعانتوں پر توجہ دلائی اور جدید شعبوں کے اضافوں پر اپنی مسرت ظاہر کرتے ہوئے ہزہائی نس سکندر صولت فرمانروائے بھوپال کی فیاضی کو موسم بہار کی آمد سے تعبیر کیا اور صنعت و حرفت پر زور دے کر قوم کی اقتصادی حالت اور اخراجات تعلیم کے متعلق فرمایا کہ۔

حضرات! انتظامات تعلیم میں فیاضی کے ساتھ ہی ساتھ ہم کو اخراجات تعلیم میں قوم کی اقتصادی حالت بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے تاکہ علم امیروں اور دولتمندوں ہی کے لئے مخصوص نہ ہو جائے اس لئے ضرورت ہے کہ ہمارے دارالعلوم کے احاطہ میں سادگی اور کفایت شعاری کا عملی درس دیا جائے ہماری بہت سی قومی ضرورتیں ہیں جو بغیر روپیہ کے پوری نہیں ہو سکتیں اور روپیہ سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ زندگی بسر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ یورپ سے قطع نظر کر کے خود ہمارے ملک میں وہی اشخاص ہر سال ہزاروں اور لاکھوں روپیہ قومی کاموں میں عطا کرتے ہیں جن کی زندگی میں یہی دو چیزیں خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہوتی ہیں اس لئے اس احاطہ میں داخل ہوتے ہی ہر طالب علم کو پہلا سبق سادگی و کفایت شعاری کا ملنا چاہئے تاکہ جب وہ اس احاطہ سے باہر جائے تو اسی زندگی کا جو گرہ ہے اور ایسے ہی طالب علم سے

لہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں اس دارالعلوم کی جوبلی منائی گئی تھی۔

امید ہو سکتی ہے کہ وہ اس مادہ علمی کی ترقی یا اپنی قومی ضرورتوں کے لئے فیاضی کا اظہار کر سکے گا۔
 پھر مذہبی تسلیم اور شعبہ علوم اسلامیہ سے بے توجہی پر نہایت صاف طریقہ سے ارشاد کیا کہ :-
 حضرات! اس موقع پر میں اپنے اس افسوس کو ظاہر کر کے بغیر نہیں رہ سکتی کہ جب لگانہ قومی یونیورسٹی
 کا جو مقصد اولین تھا وہ مؤخر ہوتا جاتا ہے یعنی اس کے شعبہ علوم اسلامیہ دینیات اور اسلامی
 تاریخ میں کوئی ترقی نہیں ہوئی اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ کوئی خاص کوشش بھی اس کی ترقی
 کے متعلق عمل میں نہیں آئی۔ میں نے تیسرے کانفرنس کے موقع پر بھی اس کی نسبت توجہ دلائی
 تھی اور آج میں کسی قدر صفائی کے ساتھ یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر اس شعبہ پر فوری توجہ نہ کی گئی تو
 اس کے معنی ہوں گے کہ ہمارے متقدم جانشینوں نے جو وعدے قوم سے کئے تھے ہم ان
 کے ایفاء کے لئے تیار نہیں ہیں اس کے علاوہ مجھے تعلیم دینیات میں اخلاق اور اسلامی تاریخ
 و سیر کی کمی اور بے اصولی پر توجہ دلائی ہے کیا یہ افسوسناک کمی نہیں ہے کہ یونیورسٹی نے ہائی
 اسکول اگر امینشن سے ڈگری کو رس تک تاریخ و سیر میں عہد رسالت کو صرف آغاز اسلام کے چند
 صفحات میں محدود کر دیا ہے اور عہد صحابہ کو مطلقاً نظر انداز کیا ہے حالانکہ یہی وہ چیز ہے جس سے
 مسلمانوں کو سب سے پہلے واقف ہونا چاہیئے۔ اور اسی سے اُن کے گہرے کثیر اور سیرت کو جلا سکتی
 ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکرم اخلاق کی تکمیل کو اپنی بعثت کا منشا قرار دیتے ہیں اور
 خداوند کریم آپ کی زندگی کو ہمارے لئے اسوہ حسنہ فرماتا ہے۔

ہماری قومی تاریخ میں زیادہ ترجیحی اور اموی خلفاء کے تمدن زمانہ کی تاریخ ہے
 اور بلاشبہ وہ دل کش، دلچسپ اور باعث فخر ہے لیکن عہد رسالت اور عہد صحابہ کی تاریخ نہیں
 سے زیادہ مختصر اور مفید و شاندار ہے جس سے دلوں میں ایمان تازہ ہوتا ہے جذبات اسلامی
 کی نشوونما ہوتی ہے اور انسانی ترقی کا راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے اس لئے ہمارے
 دارالعلوم میں اسلامی تاریخ و سیر کو تدریجی منازل کے ساتھ اس معیار پر ہونا چاہیئے کہ جب اخیر
 ڈگری تک نوبت پہنچے تو ہمارے طلباء اس سے کم از کم اس قدر واقف ہوں کہ جتنا کہ قدیم و جدید
 ہندوستان، یورپ کی تاریخ سے واقف ہوتے ہیں۔

میں اس خاص امر پر زور دوں گی کہ قرآن مجید کا ترجمہ لازمی رکھا جائے اور جس طرح

کہ ابتدائی درجہ (ب) سے قرآن مجید شروع کرایا جاتا ہے اسی طرح ڈگری کوئٹہ تک ترجمہ ختم کرادینا چاہیئے تاکہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ مسلمان مذہب اور اس کی حقیقت سے باخبر رہیں۔ ہم کو اسلامی تاریخ اور سیر کے متعلق نہ صرف تعلیم ہی کا انتظام کرنا ہے بلکہ مستقل طور پر تحقیقات جدیدہ کے انتظام کی ضرورت ہے اور میں تمہنی ہوں کہ جس طرح کالج کے دورِ اول نے علامہ شبلی جیسا زبردست مؤرخ پیدا کیا اسی طرح آپ کی یونیورسٹی کا دورِ اولین متعدد شبلی پیدا کرے۔

اسی سلسلہ میں تحقیقات علمی، اور مادری زبان کی ترقی کے متعلق یہ آرزو ظاہر کی کہ:-
اسی طرح میرادل اس بات کا بھی تمہنی ہے کہ علوم اسلامیہ کے متعلق جو کام کہ آج یورپ میں علمائے علوم مشرقی کر رہے ہیں، وہ کام ہماری یونیورسٹی کے پروفیسران و طلبا کریں۔
میری یہ دلی تمنا ہے خدا سے پورا کرے کہ ہماری یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں جو اسلامی اور مغربی علوم میں اعلیٰ قابلیت رکھتے ہوں کچھ ایسے نوجوان بھی ہوں جو پورے ایشیا کے ساتھ اور محض جوشِ اسلامی اور جذبہ قومی کی بنیاد پر یہ خدمات انجام دیں ایک طرف ایک گروہ ایسا بھی ہو جو اپنی مادری زبان میں اپنی تحقیقات کے نتیجہ کو شائع کرتا رہے تاکہ اس دارالعلوم کے احاطہ کے باہر بھی شائقینِ علم فیض یاب اور بہرہ مند ہوں اور اس طرح وہ تمام قوم اور ملک کو اپنے دارالعلوم کا شاگرد بنالیں۔

پھر اس ضرورت کی تکمیل کے لئے شاندار لائبریری کو لازمی قرار دیتے ہوئے پرائیوٹ کتب خانوں کے مالکوں کو توجہ دلائی کہ وہ اپنے ذخیرے اس دارالعلوم میں جمع کر دیں اور مولوی سجان اللہ خاں ٹیس گورکھپور کی اس فیاضی کا کہ انھوں نے قیمتی کتب خانہ یونیورسٹی کو عطا کر دیا پر جوشِ شکر یہ ادا کیا۔
اس کے بعد پروفیسر دین اور طالبانِ علم کو نصیحت کی کہ وہ یونیورسٹی کو مطلع العلوم بنائیں فضلاء و علمائے قوم کو متوجہ کیا کہ کبھی کبھی یونیورسٹی میں لیکچر دیا کریں آخر میں طلبا کو نصیحت فرمائی کہ:-

”آج کی تقریب حقیقت میں ایسی تقریب ہے جبکہ تم یونیورسٹی کی بارگاہوں سے میلانِ مذہبی میں طمی کمالات ظاہر کرنے کے لئے رخصت کئے جاتے ہو۔ اور تم کو تمہارے ساتھی اور تہنکد رخصت کرنے والے دونوں ان امیدوں کے ساتھ رخصت کرتے ہیں کہ تم اپنے کمالات سے

اس مادر علمی کی عزت و شہرت اور وقعت و عظمت میں چار جانندگان کو لگے۔ تم کو یہاں سے ایسے جذبات کے ساتھ جانا چاہیے جن کی قوت سے تم زندگی کی صف آرائیوں میں فتح و نصرت کا پرچم اڑاؤ۔ تم اپنے ملک کو اور اپنی قوم کو اپنی قابلیت و مدنیّت سے ممتاز و کامیاب بناؤ۔ ہمارا عمل ہمارے علم و فضل کا آئینہ ہو۔ تم ہندوستان و قدن اور ملک کی ترقی میں وہ حصہ لوجو ہمارے زمانہ کی یادگار ہو۔ تم کو اپنا نصب العین بلند رکھنا چاہیے۔ تمہارا ملک اپنی ترقی کے لئے تمہاری قابلیتوں، محنتوں، اور تمہاری ہمتوں کا حاجت مند ہے اس کے پہاڑوں اور جنگلوں میں اس کی نہروں اور دریاؤں میں اور کھیتوں اور بھجروں میں ایسے ایسے خزانے موجود ہیں کہ اگر تم ہمت کرو گے تو وہ تم کو مالا مال کر دے گا۔ تم نے قبول کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے فلسفہ کا کتابوں میں مطالعہ کیا ہے لیکن اب تم کو عملی زندگی میں ان امور کا تجربہ کرنا ہے اور جس طرح کہ تم نے یونیورسٹی کے کمروں میں محنتیں کر کے علمی سندیں حاصل کی ہیں اسی طرح تم کو اس وسیع دنیا میں ایک دوسرے امتحان کی تیاری میں مصروف ہونا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس میں بھی تم ایسی ہی کامیابی حاصل کرو گے۔

اے میرے کامیاب عزیزو!

تم میں سے جو متبع اسلام ہیں ان کو میری خاص نصیحت ہے کہ تمہاری تعلیم اور تمہاری سیرت قوم کے لئے سرمایہ فخر ہو۔ تم ہمیشہ اس بات کو ذہن نشین رکھو کہ تم اسلام کے فرزند ہو۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو دنیا کے لئے پیغام امن لے کر آیا ہے۔ اس کے ہر حکم میں انسانی زندگی کے ہر ایک مرحلہ کے لئے ایک سلامتی ہے۔ اس نے غیر مسلم اقوام کے ساتھ اس رواداری کا سبق دیا ہے کہ جس سے گھر کی چار دیواری سے لے کر دنیا کے وسیع حدود تک امن قائم رہتا ہے۔ تم ایک ایسے ملک میں زندگی بسر کر رہے ہو جہاں مختلف مذاہب کے متبعین کی ہمسائیگی ہے ان کی اور تمہاری زندگی اور ملکی ترقی و تنزّل ایک ہی دائرے کے اندر محدود ہے تم ایک محکومانہ حالت میں ہو اور تمہارے اوپر اس حکومت کے فرائض بھی ہیں جس میں تم امن و امان کے ساتھ رہتے ہو اس لئے تم کو تمام تر غیر مسلم اقوام اور حکومت کے ساتھ

وہ اتحاد و رواداری اور وہ طرز عمل اور اطاعت اختیار کرنی چاہیے جس کا سبق ہم کو قرآن حکیم سے حاصل ہوا ہے تم کو فرقہ دارانہ تعصبات کی مکدر رضا سے ہمیشہ بچنا چاہیے بلکہ تمہاری تعلیم کا اقتضار اور تمہارے مذہب کا حکم یہی ہے کہ صلح و آشتی کی زندگی بسر ہو۔ تم کو اپنے ملک میں متحدہ قومیت کا علم بردار بننا چاہیے اور اپنی اخلاقی طاقتوں کو ہمیشہ اتحاد پیدا کرنے اور اتحاد رکھنے میں صرف کرنا چاہیے تم کو ہرگز ایسے راستے اختیار نہ کرنا چاہئیں کہ جن کے واسطے یہ آیت نازل ہوئی ہے وَلَا تَلْبِسُوا الْإِيمَانُ بِالْكَافِرِ بَعْضًا مِنْ أَصْلَابِهِمْ۔

سب سے آخر میں میں تم کو ان نصیحتوں کی جانب متوجہ کرتے ہوئے جو حضرت لقمان جیسے حکیم دانانے اپنے فرزند کو فرمائی تھیں اور ان کے متعلق چند آیات قرآنی تم کو سنا کر میں اپنی تقریر کو ختم کرتی ہوں خداوند عزوجل تم کو ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔“

تحقیقاتی کمیشن کا تقریر

یونیورسٹی کی بنیاد ایک ایسے زمانہ میں قائم ہوئی تھی جو کہ قومی احتلال کا زمانہ تھا، اسی سبب سے جس وقت کہ مجلس واضع قوانین میں یونیورسٹی کا بل پیش ہو رہا تھا اس کے آئین قاعدہ پر کچھ زیادہ تنقید نہ ہو سکی اور ایک ایسا بل پاس ہو گیا جس میں بہت سی اساسی خرابیاں رہ گئیں۔ اسی طرح یونیورسٹی کے مصارف کے تعین میں اقتصادی حالت اور آئندہ ضرورتوں کا اندازہ نہیں رکھا گیا جس کے باعث پہلے ہی سال تخفیف مصارف کا ایک کمیشن مقرر کرنا پڑا۔

ان اصولی و اساسی خرابیوں اور ارکان یونیورسٹی کے غیر مال اندیشانہ کارروائیوں نے بعض مقتدر اصحاب کی پارٹی فینڈنگ کے ساتھ مل کر یونیورسٹی کی شہرت و عزت پر خراب اثر ڈالا اور یہ اندیشہ قومی ہو گیا کہ لارڈ ریکر کو مجبوراً دست اندازی کرنا پڑے۔

سرکار عالیہ کا خیال مبارک اگرچہ بہت پہلے اصلاح کی طرف رجوع تھا لیکن نہایت اہم مصروفیتوں کی وجہ سے وہ عملی شکل میں نہ آسکا۔ اب اولین فرصت میں حضور مجدد و ص نے اس طرف توجہ کی اور اہل برحق تعلیم کا ایک مقتدر کمیشن مقرر کیا جس کے تمام مصارف خود عنایت فرمائے اور اعلیٰ گزشتہ کے دوران قیام میں اس کو اپنا مہمان بنایا۔ اس کمیشن کے ارکان آئریبل سربراہ ایم رحمتہ اللہ کے، سی، ایس، آئی، سی، آئی، اسی، سرفیلپ جوزف ہارڈنگ سی، آئی، اسی، ایم، اے، ایل، ایل، ڈی ممبر آف دی انڈین پبلک سروس کمیشن اور سر جارج انڈرسن سی، آئی، اسی، ایم، اے، ڈاکٹر تعلیمات صوبہ پنجاب نامزد کئے گئے جنہوں نے تحقیقات کر کے ایک مفصل رپورٹ سرکار عالیہ کے ملاحظہ میں پیش کی اور حضور مجدد و ص نے اس کو اپنے نوٹ کے ساتھ ممبران کورٹ کے پاس ارسال فرمایا جس میں یونیورسٹی کے درجہ اختلافات، ڈسپلن وغیرہ کا تذکرہ کر کے اپنے فرض اور اختیارات کو ظاہر کیا اور کمیشن کی سفارشوں پر توجہ دلائی۔ اس کے بعد کورٹ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۹ فروری ۱۹۲۹ء کی صدارت کے لئے تشریف لے گئیں جو نہایت مہتمم باشان تھا۔ جمیں جدید اس چانسلر کے انتخاب کا سکہ بھی طے ہوا۔ اور بجائے نواب سر محمد منزل اللہ خاں صاحب کے، سی، ایس، آئی کے (ڈاکٹر سید اس مسعود) نواب مسعود جنگ) کا تقرر عمل میں آیا۔

سرکار عالیہ نے جن اصلاحات کے مقصد سے اس کمیشن کا تقرر فرمایا تھا الحمد للہ کہ وہ بروئے کار آئیں۔

زنانہ تحریکات اور تعلیمی معاشری امور میں کوشش

سرکار عالیہ کو اپنی صنف کے مسائل تعلیم و ترقی میں جو شغف تھا اور گزشتہ ۳۰ سال میں ہر موقع پر بھوپال میں اور بھوپال کے باہر سفر و حضر میں والیان ملک و اکابرین قوم، گورنمنٹ کے اعلیٰ افسروں، اور با اثر لیڈرز، ہمارا انیوں اور بیگیاں اور معزز خواتین کی ملاقاتوں میں۔ قوم و ملک کے زنانہ و مردانہ جلسوں میں جس طرح اس شغف کا اظہار ہوا ہے اور جن گوناگوں طریقوں سے اپنے اثر کا استعمال کیا ہے وہ زمانہ حاضرہ کی تحریکات اور مسائل نسواں کی ایک مستقل تاریخ ہے۔

ہندوستان میں آغاز تعلیم نسواں اور تحریک ترقی نسواں کو تقریباً ایک صدی کا زمانہ گزرتا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ ہندو، پارسی اور عیسائی قوموں کی عورتوں نے اس سے کم و بیش فائدہ اٹھایا بہت سی اصلاحات کے لئے ان قوموں میں انجمنیں جاری ہوئیں اور ان انجمنوں نے سرگرم کوششیں کیں اور وہ کہیں کم اور کہیں زیادہ کامیاب ہوئیں مگر مسلمان عورتوں کے تعصبات کو خواہ خود ان میں ہوں یا مردوں میں تین چار نسلیں گزر گئیں اور اس طرح نہ تو ان میں قدیم طریقہ سے تعلیم باقی رہی اور نہ جدید طریقوں سے اس کا اجرا ہوا اس لئے علیا حضرت کی توجہ کو بھوپال سے باہر سب سے پہلے اسی طبقہ کی اصلاح کی طرف فطرتاً مبذول ہونا چاہیئے تھا۔

علی گڑھ میں تحریک نسواں کی امداد | چنانچہ جمہات امور ریاست سے قدرے اطمینان ہوتے ہی سرکار عالیہ نے اس حالت پر نظر غائر ڈالی اور قومی مرکز کو تقویت پہنچانی جہاں تعلیم و تحریک نسواں کے بڑے بڑے خالکے ماہرین تعلیم کے دل و دماغ تیار کر رہے تھے یعنی محمد طن گرس اسکول علی گڑھ جو بے یار و مددگار تھا اس کو گرفتار عظیمیہ سے محکم فرمایا اور چونکہ سرکاری نصاب مسلمان عورتوں کے لئے مفید و حسب حال نہ تھا قوم میں ایک مخصوص نصاب کی طلب و خواہش تھی لیکن سرمایہ نہ تھا سرکار عالیہ بھی اس ضرورت کو محسوس فرما ہی تھیں مطلوبہ سرمایہ محنت فرمایا اور پھر برفض نفیس مسئلہ نصاب پر توجہ فرما کر قوم کے سامنے خود ایک خاکہ مرتب کر کے پیش کیا۔

سرکار عالیہ کی اس امداد نے حامیان تعلیم نسواں کے حوصلوں اور ارادوں میں ایسی تقویت پیدا کر دی کہ اس کو تائید غیبی کا نشان سمجھا گیا جس کو مولانا حاتمی نے اپنی مشہور نظم ”چپ کی داد“ میں یوں ادا کیا ہے

جو حق کے جانب داریں بس ان کے بڑے پا رہیں
بھوپال کی جانب سے یہ ہاتھ کی آواز آئی ہے
ہے جو ہم درمیش، دست غیب ہے اس میں نہاں

تائید حق کا ہے، نشان امداد سلطان جہاں،
۱۹۱۱ء میں دربار شاہنشاہی کے موقع پر آل انڈیا کانفرنس کے شعبہ
صدارت شہزادہ تعلیم نسواں | تعلیم نسواں کی صدارت فرمائی اور اپنے مرتبہ خا کہ نصاب کو بھی
پیش کیا۔

۵ دسمبر ۱۹۱۱ء کی رات مسلمانوں کی شب رات اور شب قدر سے کم نہ تھی۔ وہ لوگ جو ایک
ربع صدی سے اپنی ناچیز کوششیں اور قوتیں قوم کی بہتری کے لئے استعمال میں لا رہے تھے
اور جن کو ہر وقت یہ فکر دامگیر تھی کہ امت رسول اللہ علیہ وسلم ہندوستان میں عزت اور
عظمت کے ساتھ قائم رہے ایسے افسردہ اور غریب لوگوں کی مجلس میں حضور سرکار عالیہ کا تشریف
لانا اور دستگیری و امداد کے لئے ہاتھ بڑھانا اور بھرے مجمع میں عالی خیالات، ادھیکمانہ ارشادات
کا ظاہر کرنا جو قومی مرض کے لئے نسخہ شفا اور اکیس کی خاصیت رکھتا ہو ایک ایسا نادرو واقعہ اور ایسا
دل کش منظر تھا جو دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتا تھا اور قومی کام کرنے والوں کے دل محسوس کر رہے
تھے کہ ہمارے ارادے بہت اور ہماری قوت کمزور نہیں ہے بلکہ ہمارے ساتھ ایسی قوت موجود
ہے جو ہر شکل میں ہماری مدد کرنے والی اور ہماری امیدوں کی حوصلہ افزا ہے اور کانفرنس کی مجلس
شکستہ دلوں کی مجلس نہیں ہے بلکہ یہ مجلس ان لوگوں کی مجلس ہے جن کے ارادے بلند اور بہتیں
وسیع ہیں اور جن کی نظر کے سامنے امیدوں اور کامیابیوں کا وسیع میدان موجود ہے اور جن کی خدمت
قومی سے ملک اور قوم کو فخر ہے۔

سرکار عالیہ دام اقبالہا کی تشریف آوری کا وقت ۸ بجے شب کو پر د گرام کے ذریعہ سے

مشہور ہو چکا تھا۔ اور سر شام ہی سے کیمپ کا نفرنس میں عجیب چیل پیل اور رونق شروع ہو گئی تھی۔ پنڈال کے وسیع اور فراخ اسپٹچ پر خواتین اسلام کی نشست کے لئے پورے پردہ کی حفاظت کے ساتھ نہایت خوشنما اور معقول انتظام کیا گیا اور مغرب کے وقت سے ہی ڈولیس گاڈیل اور موڈوں کی آمرا کا تاننا بندھ گیا تھا کا نفرنس کیمپ کی ترتیب، پنڈالی آرائش، روشنی کی پر لطف کیفیت اور حاضرین کی کثرت اور ہجوم سے پنڈال میں شاہانہ دربار کی کیفیت نظر آتی تھی۔ جس قدر اصحاب جمع تھے بقول معزز اخبار البشیر ”عوام الناس نہ تھے بلکہ معزز اصحاب تھے اور علاوہ معززین کے نامور اور مقتدر اصحاب کی کافی تعداد موجود تھی۔“ اور بقول البشیر ”یہ اجلاس اس مرتبہ کی کا نفرنس کی گویا جان تھا۔“ الغرض آٹھ بجتے بجتے تمام ہال حاضرین اور اسپٹچ کا زنانہ حصہ خواتین اسلام سے جن کی تعداد دوسو کے قریب تھی بھر گیا۔

سرکار عالیہ وقت مقررہ پر بغیر کسی قسم کی ناائش کے نہایت سادہ طریقے سے یہ سواری موٹر تشریف فرمائے کیمپ کا نفرنس ہوئیں۔

اس موقع پر سرکار عالیہ نے جن طریقے سے اپنی صنعتی تعلیم کے مسائل پر بحث فرمائی اور جس طرح قومی مجمع سے اپنے ایڈریس میں اپیل کی اُس کی مثال کسی فرمانروا اور یا الٰہی ملک کی زندگی میں نہیں مل سکتی۔ ہر بائیس اس وقت اپنے درجہ اقتدار شاہانہ کو فراموش کر گئی تھیں اور ایک سادہ مسلمان خاتون کی طرح اس عظیم الشان اجتماع قومی میں اپنی صنف کی وکالت فرما رہی تھیں۔ اور قوم کو ان خطروں سے متنبہ اور اُن فوائد سے آگاہ کر رہی تھیں جو عورتوں کی جہالت و تعلیم کا نتیجہ لازمی ہیں۔

(رپورٹ کا نفرنس سلا ۱۹۱۵ء)

۱۹۱۵ء میں سرکار عالیہ نے علیگڑھ تشریف لے جا کر زنانہ اسکول کا افتتاح | مسلم زنانہ کا نفرنس کا افتتاح | سنگ بنیاد رکھا۔ اس موقع پر اپنے خطبہ جوانی میں پھر قوم کو غیرت و بہت دلائی اور عام مسائل نسوان پر بحث فرما کر اپنے خیالات عالی سے رہبری کی۔

اس خطبہ میں شکلات تعلیم اناٹ کا تذکرہ اُن پر بحث اور اُن کا حل تعلیم یافتہ طبقہ سے توقعات کی وابستگی لڑکیوں کی تعلیم سے بے توجہی اور ضرورت کے عدم احساس پر اخوس، تعلیمی مسائل کی کمی

اور ان کی تکمیل کی ضرورت مسائل نصاب پر بحث، سررشتہ تعلیم کے مروجہ نصابوں میں سے انتخاب اور تراجم کے ذریعہ سے جلد از جلد اُس کی تکمیل پر زور، انگریزی کی تعلیم اور اس کے داخل نصاب ہونے کی بحث اور اعلیٰ مدارج تعلیم میں اس کے داخل کئے جانے کی تحریک، طریقہ تعلیم، استانیوں اور قومی مدرسوں کی ضرورتیں، پردہ کے انتظام کی تاکید، یورپین اور انڈیو گریجن لیدیز سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب، قوم کو عملی قوم بننے کی ہدایت، مدرسہ کی حالت پر ریکارڈ ۱۱-۱۲ برس کی لڑکیوں کو مدرسہ سے اٹھائے جانے پر افسوس، لیدیز پورٹر کا شکریہ عرض تمام مسائل حاضرہ زیر بحث لائے گئے تھے اور ان پر اپنی رائے ظاہر فرمائی تھی۔

اسی زمانہ میں مسلم لیدیز کانفرنس کا ابتدائی اجلاس بھی اسکول کی عمارت میں ہوا۔ سرکار عالیہ صدر جلسہ منتخب ہوئیں اور گویا یکم مارچ ۱۹۱۹ء کو مسلمان عورتوں کے ایک خاص اور خاص اجتماع صنفی کی بنیاد سرکار عالیہ کے دست مبارک سے قائم کی گئی۔

سرکار عالیہ نے اس موقع پر افتتاحی تقریر ارشاد فرمائی اور اس میں جن جذبات ہمدردی کا اظہار کیا اور جس طرح خواتین اسلام کو غیرت دلانی اور ان کو اجتماعی و انفرادی طور پر قومی صنفی کام کرنے کی نصیحتیں کیں وہ بار بار خواتین اسلام کے مطالعہ کے قابل ہیں۔

یہ اجلاس اگرچہ ایک ہی دن ہوا لیکن تقریباً تمام دن اسی میں صرف ہوا اور ۱۰ بجے صبح سے ۵ بجے شام تک خواتین اسلام اپنے صنفی مسائل کی بحث میں مشغول رہیں جب اجلاس ختم ہوا ہے تو سرکار عالیہ نے ارشاد فرمایا کہ :-

”خواتین! آج کے دن اس زمانہ کے مسلمانوں کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے اور جب کبھی آئندہ زمانہ میں اس دور کی تاریخ لکھی جائے گی تو اس میں ہمارے اس جلسہ کا انعقاد ایک روشن باب ہو گا۔ چار سال قبل جب کہ میں یہاں آئی تھی اور اس روادری کے قیام میں جن جن خواتین سے مجھے کو موقع ملاقات ملا تھا اور اس وقت جب کہ میں نے ان کو کچھ اچھا سمجھا تو ان کے خیالات میں بے حد فرق معلوم ہوا۔ ہر ایک کا تعلیم

لے آرمیل ٹرولر پورٹا مقام لفٹنگ گورنر کی لیڈی صاحبہ جنہوں نے اس ریکے لئے نہایت دلچسپی ہمدردی کا ثبوت دیا تھا۔

کی طرف رجحان ہے ہر ایک اپنی اور اپنی اولاد کی تعلیم پر ولادہ ہے یہی آثار ہیں جو ہماری قوم کے اقبال کو نمایاں کر رہے ہیں۔

اے خواتین! میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ ہماری تعلیم و تربیت تمام مسلمانوں کی بہبود کا باعث ہوگی۔

میں نہیں بیان کر سکتی کہ مجھے آج کے دلچسپ مباحثوں اور سرگرمی سے کس قدر مسرت ہوئی ہے میری دعا ہے کہ تمام مسلمان عورتیں تعلیم کی حقیقی مسرت حاصل کریں، ان کی تعلیم ان کی خوشیوں کا ذریعہ بنے اور یہ کافر نس بہت سی برکتوں کا باعث ہو مجھے یقین ہے کہ آج جو خواتین اس کافر نس کی رکن اور عہدہ دار منتخب ہوئی ہیں وہ اور بھی زیادہ استقلال سے کام کریں گی۔

خواتین! اب میں آپ سب کی اس تکلیف سفر برداشت کرنے پر شکریہ ادا کر کے اس دعا کے ساتھ تقریر ختم کرتی ہوں کہ خداوند کریم اس ضعیف طبقہ کی کوششوں میں مدد دے تاکہ وہ اتحاد و اتفاق کے ساتھ اپنی صنف کی خدمتیں بجالائے اور اس کا دل علم کی روشنی سے منور ہو۔

تیاری نصاب تعلیم نسوان کی مساعی | آج کل ہندوستان میں جس قدر زمانہ تعلیم کے نصاب جاری ہیں ان کے نقائص اس قدر زیاں زد ہیں کہ کسی بیان کی حاجت نہیں اور اس تعلیم سے عورتیں ان خوبیوں سے محروم رہ جاتی ہیں جن کا ذاتِ نسوان میں موجود ہونا از حد ضروری ہے۔

سرکار عالیہ نے اس مسئلہ پر ابتدا ہی سے غور فرمایا۔ اور تقریباً اپنی تمام تقریروں میں اس کا اظہار کیا۔ مسلمان لڑکیوں کے لئے ایک جداگانہ نصاب بنانے کے واسطے علی گڑھ میں نہ صرف مالی امداد عطا کی بلکہ جب اس نصاب کی چند کتابیں ملاحظہ اقدس میں پیش کی گئیں تو ان پر نہایت گہری تنقید فرمائی۔ پھر ایک کمیٹی نے جو سالہ ۱۹۰۶ء میں بمقام اثنا عشر منعقد ہوئی تھی اور جس میں مسلمانوں کے علاوہ وہ برہمن لیڈر بھی شریک تھے جن کو تعلیم نسوان کا تجربہ حاصل ہے اور سررشتہ تعلیم میں عمدہ دار ہیں ایک کرکولم تیار کیا اس میں بھی حضورِ مجددہ نے اپنی رائے ظاہر فرمائی۔

۱۹۱۵ء میں گذشتہ تجربوں اور انگلستان و ہندوستان کے نصابوں پر غور کرنے کے بعد ایک جدید نصاب عام مدارس نسواں کے لئے بذات خاص تیار کیا جو ہندوستان کے تمام ڈائریکٹران سررشتہ تعلیم اور دیگر اہل الرائے کے پاس بغرض تنقید بھیجا گیا۔ اس نصاب میں جس مضمون پر زیادہ زور دیا گیا وہ اخلاقی مضمون تھا اور یہ مضامین اس طریقہ سے ترتیب دیئے گئے کہ بہت دیر سے لیکر اخیر جماعتوں کی طالبات کی فہم و فراست کے مطابق ہوں۔ ان میں اخلاقی جوہر پیدا ہو۔ اور سبق کا اثر ان کے جذبات، ان کے عادات اور قوت ارادہ پر بھی پڑے۔

مسلمان لڑکیوں کی خانگی تعلیم کے لئے کتابیں

اس نصاب کے علاوہ سرکار عالیہ نے اس ضرورت کو بھی محسوس کیا کہ ابھی تک بعض مسلمان خاندان مدارس کی موجودہ تعلیم کو پسند نہیں کرتے اور نہ ان میں لڑکیوں کو بھیجنا گوارا کرتے ہیں، تعلیم چاہتے ہیں لیکن گھر کے اندر اس لئے ایک ایسے نصاب کی بنیاد ڈالی جو لڑکیوں کے لئے خانگی تعلیم میں مفید ہو۔

حضور مجدد و ص نے اس کرکولم کو جو اٹا وہ میں تیار ہوا تھا پیش نظر رکھ کر ضروری کتابوں کی تصنیف و تالیف کا انتظام کیا اور کثرت سے مسلمان طلباء و طالبات کے افادہ کے لئے تقسیم فرمائی گئیں۔ اس سلسلہ کی پہلی کتاب ہربائیٹن میوزیئم سلطان شاہ بانوبگیم صاحبہ نے ذکر مبہم اس کے نام سے تیار کی جہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا بیان ہے۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ متعدد مدارس اسلامی میں لڑکوں کے لئے بھی منظور کی گئی۔

اس کے بعد پھر سلسلہ میں جیب خاص سے دس ہزار روپیہ عطا کئے کہ اس سے عورتوں کے مناسب حال تعلیمی کتابیں تیار کی جائیں لیکن یہ ایک ایسی ہم ہے کہ جب تک من اولہ الی آخر تعلیم قوم کے ہاتھوں میں نہ ہو اور اس کے تمام مدارج کا تعین قوم کے ماہرین تعلیم نہ کریں اس ہم کا سر ہونا ممکن نہیں اس سبب سے اس قسم کی کوششیں ناکام رہیں۔

تلافی فقدان نصاب

اگر یہ ناکامی سرکار عالیہ کے حوصلہ اور محنت پر کوئی اثر نہ ڈال سکی اور اس تلافی فقدان نصاب کی تلافی کے لئے کہ جس سے زنانہ تعلیم کا مقصد اصلی حاصل ہوتا تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع فرمادیا تاکہ عورتوں کو مطالعہ کے لئے وہ لٹریچر مہیا ہو جائے جو

ان کی تعلیم کا مقصود اصلی ہے۔

اس موضوع اور ان اصول پر سب سے پہلی کتاب تندرستی ہے جو سالہ ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی اس کے بعد آخر وقت تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ سرکار عالیہ نے ان کتابوں کے دیباچوں میں اپنی قوم اور ملک کے مصنفین و مؤلفین کو بھی قومی ضرورت جتا کر اور غیرت دلا کر ایسی تصانیف و تالیفات کے لئے دعوتِ عمل دی ہے۔

چنانچہ اپنی پہلی کتاب تندرستی کے دیباچہ میں تحریر فرماتی ہیں کہ :-
 ”ہندوستان میں تعلیم کی اشاعت ہوئے ایک صدی گزر گئی اور ایک صدی کا دیباچہ بھی ہو رہی ہے لیکن عورتوں کی تعلیم میں وہ دل چسپی و کوشش نہیں جس کی ضرورت ہے خصوصاً مسلمانوں میں تو تعلیم نسوان کے ابتدائی مرحلے بھی ہنوز طے نہیں ہوئے اور ہماری قوم ابھی تک معیار و نصاب ہی کے مباحث عالیہ میں مصروف ہے اور اس قوت تک مسلمان عورتوں کی تعلیم کا آخری درجہ صرف اردو کی معمولی کتابیں پڑھ لیتا اور خط لکھ لیتا ہے۔“

یہ بھی کچھ کم نہ ہوتا اگر قوم کے ذی علم اہل قلم ان کے لئے اس قدر تکلیف گوارا کرتے کہ ان کے فرائض کے متعلق کچھ کتابیں تصنیف و تالیف کر دیتے جن سے وہ اپنی معلومات میں ترقی کرتیں اور ان کو ضروریاتِ زندگی میں مدد ملتی۔

وہ قوم کیونکر زندہ قوم کہلانے کی تہ تیغ ہے جس کی نصف تعداد جاہل ہو اور اس قوم کے ذی علم اور قابل افراد کیونکر فخر کر سکتے ہیں جبکہ وہ اپنے علم اور اپنی قابلیت کو فائدہ نہ پہنچائیں؟ ہماری قوم کے مصنفین کی اس بے توجہی کا کیا ٹھکانا ہے کہ سچے سال میں باوجود سرمایہ ہونے کے وہ ابتدائی نصاب بھی تیار نہ کر سکے۔

میں نے نہایت غور اور تجربہ کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ مسلمان عورتوں کے لئے مذہبی تعلیم کے بعد سب سے زیادہ ضروری تعلیم حفظانِ صحت، خانہ داری، نرمی اور مڈوائفری کی تعلیم ہے اور اسی تعلیم پر ہماری قوم کی جسمانی تربیت اور جملہ ترقیوں کا دار و مدار ہے اور تعلیم بھی اپنی مادری زبان میں ہونا ضروری ہے کیونکہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی حال

نہیں کر سکتی جب تک اس کی مادری زبان میں علمی ذخیرہ نہ ہو اور یہ وہ کلیہ ہے جس کو ہم مغرب اور مشرق دونوں جگہ مشاہدہ کر رہے ہیں غرض یہ مضامین ایسے ضروری اور اہم ہیں کہ عورت کو کسی نہ کسی وقت مراحل زندگی میں ان کی واقفیت کی ضرورت پیش آتی ہے اس لئے ہر تعلیم یافتہ خاندان کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے خاندان کی لڑکیوں کو ان مضامین کی تعلیم دلائے اسی خیال سے میں نے اہم معاملات ملکی اور مشاغل ضروری سے وقت بچا کر انگریزی کی چند بہترین کتابوں سے ان مضامین کو منتخب کر کے اور تجربات اور معلومات کو بڑھا کر چند رسالے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے جن میں سے پہلا رسالہ جو حفظانِ صحت امراض متعدی سے حفاظت اور تیمارداری کے مضامین مشتمل ہے بعد امکان مکمل ہو گیا ہے اور باقی زیرِ ترتیب ہیں۔

چونکہ میں اپنے ملک اور اپنی قوم میں تعلیم نسواں کی بدل و جان حامی ہوں اور میری عین تمنا اور آرزو یہ ہے کہ میں عورتوں کو اس تعلیم سے بہرہ ور دیکھوں جو ان کے لئے سخت ضروری ہے اس لئے میں اس رسالے کو طبع کر کر شایع کرتی ہوں۔

میں خود سمجھتی ہوں کہ یہ رسالہ مکمل حیثیت میں نہیں ہے اور ابھی بہت کچھ اس میں اصلاح کی ضرورت ہے مگر یہ کمی ایسے ہی شخص کی محنت اور تہمت سے پوری ہو سکتی ہے جو ان مضامین میں ماہر ہو اور اس کے دل میں ہمدردی ہو۔

ممکن ہے کہ اس رسالہ کے معائنہ کے بعد کچھ عبرت حاصل ہو اور چند ذی علم اور لائق اصحاب اس قسم کی کتابیں تیار کرنے کی طرف متوجہ ہو جائیں اور ایک مکمل سلسلہ تصانیب تیار کر دیں۔

میں اسی سلسلہ بیان میں صاف طور پر اعلان کرتی ہوں کہ دربارِ بھوپال ہمیشہ ایسی مفید تصنیفات و تالیفات کی امداد کے لئے آمادہ ہے۔

پھر خانہ داری حصہ اول کے دیباچہ میں یوں دعوت دی جاتی ہے :-
”میں جب انگریزی میں اس قسم کی کتابوں کو دیکھتی ہوں تو اس وقت میری یہ حسرت بہت بڑھ جاتی ہے ان ہی کتابوں کے سلسلہ میں میری نظر سے ایک کتاب گذری جو کل

نام ”بلک آف دی ہوم“ ہے جو ۶ جلدوں میں شائع کی گئی ہے اور قریباً دو ہزار صفحے ہیں اس کتاب میں کسی بات کو جو خانداری کے متعلق ہو خواہ وہ کسی ہی جزئیات میں کیونہ داخل ہو نہیں چھوڑا گیا میں نے اس کا ترجمہ کرایا اور پھر ترجمہ کو بالائستیاب دیکھا، جوں جوں میں ترجمہ دیکھتی تھی میرا شوق بڑھتا جاتا تھا اور بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ایسی ہی کتاب اردو میں بھی ہو جس سے اردو داں خواتین فائدہ حاصل کر سکیں لیکن اس کام کو میں نے اپنی فطرت سے باہر پایا کیونکہ مجھے اپنے فرائض حکومت سے جو احکم الحاکمین کی طرف سے میرے ذمہ عائد کئے گئے ہیں اتنی فرصت ملنی دشوار کہ میں اپنی توجہ ایسی تصنیف و تالیف کی طرف مبذول کر کے لئے نئے اصول قائم کروں مگر چونکہ میں نے اس امر کو بھی اپنا قومی اور ملکی فرض سمجھا ہے کہ جب تک مجھے ذرا بھی فرصت ملے کچھ نہ کچھ ملک و قوم کے لئے اور خصوصاً خواتین کے لئے وقت صرف کروں۔ اس بنا پر میں نے ”بلک آف دی ہوم“ اور شمل اس کے دوسری کتابوں کو پیش نظر رکھ کر اس کام کو شروع کر دیا ہے مجھے امید ہے کہ اس سے خواتین فائدہ حاصل کریں گی اور قابل و عالم اصحاب کے لئے یہ کتاب ایک نمونہ ہوگی کہ وہ اس قسم کی تصنیفات و تالیفات میں مصروف ہوں اور اس سے بہتر و مکمل چیز ملک و قوم کے سامنے پیش کریں۔“

اسی کے ساتھ سرکار عالیہ نے اشاعت کتب کی مالی امداد یا مطبوعہ کتابوں کے کثیر نسخے خرید فرما کر یا نقد النعام عطا کر کے مصنفین و مؤلفین کی حوصلہ افزائی کی اور خصوصاً مصنف خواتین اس فیاضی سے زیادہ اور ہمیشہ متمتع ہوئیں۔

سرکار عالیہ کی یہ کوشش مشکور ہوئی اور آج سلسلہ کے مقابلہ میں ہم اس موضوع پر کثیر لٹریچر پاتے ہیں جو اس سے پہلے بہت ہی کم نظر آتا تھا۔

سرکار عالیہ نے اس سلسلہ کے ساتھ بچوں کے لئے بھی اخلاقی اسباق کا ایک سلسلہ کتب شائع فرمایا اس سلسلہ میں بارغ عجیب اور اخلاق کی چار ریڈیں نہایت دل چسپ ہیں اور جس ضرورت سے کہ یہ کتابیں تیار ہوئی ہیں اس کو اخلاق کی پہلی کتاب کے دیباچہ میں سرکار عالیہ نے یوں ظاہر فرمایا ہے کہ :-

”اگرچہ اخلاقی سبقوں کا یہ سلسلہ میں نے اپنے خاندان کے بچوں کے لئے تشلیع کیا ہے لیکن میرا یہ مدعا ہے کہ اور بچوں کو بھی اس سے فائدہ پہنچے۔
 اُردو میں اس موضوع پر بہت کم کتابیں ہیں جو نصاب کے طور پر کام آئیں حالانکہ ضرورت ہے کہ بکثرت ایسے سلسلہ ہوں جو مسلمانوں کے مدرسوں کی ابتدائی جماعتوں میں پڑھائے جائیں اور جہاں ایسے مدرسے نہ ہوں وہاں گھروں پر البتہ تمام رکھا جائے۔
 مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ عام طور پر ایسے اخلاقی اسباق تعلیم کا جزو عظم ہونے چاہئیں۔

میں نے اس کتاب میں سبقوں کو خالص مذہبی نقطہ نظر سے لکھا ہے کیوں کہ انسان کے دل پر وہ بات جلد اثر کرتی ہے جو مذہب کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہو اسی لئے میں نے جابجا آیات و احادیث سے کتاب کو زینت دی ہے اور مصفاہ کے لئے مسلمانوں کے صحیح اور تاریخی واقعات لکھے ہیں۔

میری رائے میں ابتداء سے بچوں کو چھوٹی چھوٹی آیتیں اور حدیثیں بر زبان ہونی چاہئیں تاکہ وہ موقع بہ موقع ان کو استعمال کریں جس سے تقریر تحریر میں زور پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے ان کو اپنی مقدس کتابیں زیادہ دیکھنے اور یاد کرنے کا شوق پیدا ہو گا۔

اسی طرح اسلامی روایات و حکایات سے دل میں جوش اور اتباع کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔

بہر حال میں نے ان مقاصد کو ملحوظ رکھ کر یہ خاکہ تیار کیا ہے اور مجھے اس سے زیادہ کوئی خوشی نہ ہوگی کہ اپنی قوم کے قابل ترین اشخاص کے علم سے قوم کے بچوں کے لئے ایسی کتابیں دیکھوں

امید ہے کہ میرا یہ ناچیز تحفہ میری قوم کے بچوں کے لئے کار آمد ہو گا اور انکے والدین کو دیکھ کر مجھے دُعا کے خیر سے یاد کرتے رہیں۔ میں خدا سے دعا کرتی ہوں کہ میرے خاندان اور قوم کے بچوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق ہو۔“

آخری زمانہ میں سرکار عالیہ کی توجہ ڈومیسٹک سائنس (اصول خانہ داری) پر زیادہ مبذول تھی وہ انگلستان سے ایک بہت بڑا ذخیرہ کتب ساتھ لائی تھیں ان میں سے بعض کتابیں منتخب کر کے ان کا بہ صرف کثیر ترجمہ کرایا اور چونکہ دست برداری حکومت کے بعد وقت میں ایک حد تک گنجائش ہو گئی تھی۔ اس لئے بعض کا خود بھی ترجمہ کرتی رہیں۔ ترجمہ کی یہ محنت و زحمت جو سرکار عالیہ نے بنفس نفیس برداشت کی اس کی وجہ یہ تھی کہ ترجمہ کرتے وقت جو خیالات کہ ہندوستانی معاشرت و ضروریات کے متعلق پیدا ہوں ساتھ ہی ساتھ ان کو بھی تسلیم ہندو فرمائیں۔

سرکار عالیہ نے مسلمان عورتوں میں کئی تعلیم اور ان کے خیالات میں جمود کا ایک سبب یہ بھی محسوس کیا کہ اخبارات و رسائل کی صورت میں کوئی محرک چیز نہیں ہے اس بنا پر انھوں نے لاہور کے قدیم اور مشہور اخبار ”تہذیب نسواں“ کی سرپرستی کی اور اس کی ۱۴ سو روپیہ سالانہ امداد مقرر فرمائی ساتھ ہی دالریاست سے ایک رسالہ ”ظل السلطان“ شہانہ سرپرستی میں شائع کرایا۔ اُس وقت اردو میں دو تین زمانہ رسالہ تھے جو کبھی وقت پر شائع نہ ہوتے تھے اس طرح بالواسطہ زمانہ لٹریچر کی اشاعت بھی سرکار عالیہ کی رہنمائی سے ہے۔

سرکار عالیہ نے اگرچہ زمانہ تعلیم کے متعلق امداد و کوشش میں بجا امکان پورا حقہ **ایک پیغام** لیا۔ امدادیں مقرر کیں عطیات دیئے۔ قومی کارکنوں کو پرائیوٹ ملاقاتوں میں غیرت اور پبلک اسپیس میں توجہ دلائی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک کوئی تنظیم نہیں ہوئی اور جن مسلمانوں کو خدا نے تنظیم تعلیم نسواں کی قابلیت عطا کی ہے اور انھوں نے اس ذمہ داری کو بھی قبول کیا ہے انھوں نے افسوس ایک بڑا ناموفق ہاتھ سے کھو دیا۔

آخر زمانہ میں سرکار عالیہ اس غفلت و جمود سے سخت متاثر تھیں۔ ۱۹۲۶ء میں انھوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ دہلی کے ممبروں کو ایک پیغام کے ذریعہ سے مسلمان عورتوں میں ابتدائی تعلیم کی اشاعت و توسیع پر خاص توجہ دلائی اور اس مجرمانہ غفلت سے چونکا ناپا باوجود جدید و قدیم تعلیم کے حامیوں میں اس ضروری فرض کی طرف سے جو بے پروائی برتی گئی تھی اس سے

۱۔ یہ رسالہ مولف سوانح کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔

انہیں ہشیار کیا اس پیغام میں صاف طور پر اُنکے جذبہ مذہب کے یوں اپیل کی کہ :-
 ”یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آزادی کے اس پرغور زمانہ میں مذہب کی مناقضت کے فرائض
 صرف وہی انجام دے سکتے ہیں جو مذہب سے واقف ہوں۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں
 اس لئے علم و مشائستگی اور مذہب کی خاطر عورتوں کی ابتدائی تعلیم کا مسئلہ اور اس کا
 نصاب و نظام جلد طے ہو جانا چاہیے تاکہ مردوں کی حالت بھی درست ہو سکے اور اسلام
 اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ قوم اسلام میں قائم رہے۔“

ایک زنانہ کالج کی تحریک | ۱۹۱۲ء میں سرکار عالیہ نے ملک کے سامنے ایک تجویز پیش کی
 کہ ہر امپریل محب کوئن میری کی تشریف آوری کی یادگار میں دارالسلطنت
 میں تمام اقوام ہند کا ایک زنانہ کالج بنایا جائے اور اس تجویز کو تنقید اور اہل ملک کی رائے معلوم کرنے
 کے لئے بکثرت شائع کیا والیان ملک اور ہمارا اینوں اور بیگیات کے پاس پرائیوٹ خطوط کے ساتھ
 بھیجا ملک کے تمام اخبارات اور تمام اقوام نے بر محل اور ضروری تصور کیا۔ اور ہر طرف سے اس کی تائید
 کی گئی۔ کچھ اعتراضات بھی ہوئے اور اُن کے جوابات بھی شائع کئے گئے۔

اکثر والیان ملک ہمارا اینوں اور بیگیات نے بہت پسند کیا۔ بزرگوار الیڈ نظام الملک آصفیہ
 سابع اور دیر باکینسر مہاراجہ کشمیر و گوالیار، راجگڑھ، نرسنگدھ، دھار کی ہمارا فی صاحبات اور سکیم صاحبہ
 جنجیرہ نے اور خود سرکار عالیہ اور خاندان کی بیگیات محترم نے گراں قدر چندے اس متحدہ مقصد کے
 لئے عطا کئے لیکن کچھ توجہ بک عظیم کی وجہ سے اور کچھ اس لئے کہ دہلی میں زنانہ میڈیکل کالج ضروری سمجھا
 گیا اس اسکیم پر عمل نہ ہو سکا اور چندے واپس کئے گئے۔

آل انڈیا لیڈیز ایسوسی ایشن | اس میں شک نہیں کہ بیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان
 کی عورتوں میں اپنی تعلیم کی جانب خود توجہ شروع ہو گئی تھی
 کہ ہر کسٹنس وایسر لئے وگور زجنرل کشور ہند کو اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ عورتوں کے تعلیمی
 معاملات میں عورتوں کی امداد حاصل کی جائے سرکار عالیہ نے بھی اس ضرورت کو محسوس فرمایا کہ

نہ صرف تعلیم میں بلکہ ان مسائل نسوان میں بھی جن میں اختلاف مذہبی نہ ہو ہندوستان کی جملہ اقوام کی عورتیں متفقہ گوشش کریں چنانچہ سرکار عالیہ نے ایک ایسی انجمن کے قیام کی تجویز کی جس میں کل اقوام ہند کی عورتیں شریک ہو کر اپنی ترقی و تعلیم اور حفظِ صحت کے ذرائع اور دیگر مسائل پر تبادلہ خیالات اور غور و بحث کریں۔

اس تجویز کو ہر ہائی نس میونسپلٹان مشاہدہ نو بیگم صاحبہ نے سرکار عالیہ کے معاون کی حیثیت سے عام طور پر شائع کیا اور خاص طور پر ہمارا فی صاحبات، بیگمات اور ملک کی تمام تعلیم یافتہ خواتین کچے پاس بطلب رائے و حصول ہمدردی ارسال کیا۔

اس تجویز کے شائع ہوتے ہی اکثر مہارانیوں بیگیوں اور جلیل القدر تعلیم یافتہ خواتین نے اتفاق ظاہر کیا بعض کو مختلف وجوہ سے اس کے کامیاب ہونے میں شک پیدا ہوا کہیں کہیں اس کو یور وپین تقلید کے نام سے موسوم کر کے قطععی اختلاف کیا گیا لیکن یہ تجویز روز بروز عملی شکل اختیار کرتی رہی۔ ہر کسٹنسی لیڈی جیسفورڈ نے اس کا پیٹرن ہونا منظور کیا۔ ہر کسٹنسی لیڈی ولنگڈن (کینیڈا) ہر کسٹنسی لیڈی نپلینڈ (مڈراس) ہر کسٹنسی لیڈی روملڈشے (کلکتہ) لیڈی اوڈوائر (پنجاب) نے اس کو بہت پسند کیا۔

آخر مارچ ۱۹۰۷ء میں اس کا ایک ابتدائی جلسہ بمقام بھوپال ایوان صدر منزل میں آل انڈیا لیڈیز ایسوسی ایشن کے نام سے منعقد ہوا جس میں ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی اقوام کی خواتین اور یورپین لیڈیز شریک تھیں۔ ۲۶ مارچ سے ۲۹ مارچ تک برابر اجلاس ہوئے اور مختلف مسائل اور ریلیوشنوں پر بحثیں ہوئیں۔

سرکار عالیہ نے اس ایسوسی ایشن کے اجلاس اولیں کا اپنی صدارت سے افتتاح فرمایا اور ایک نہایت زوردار اور پُرکاز معلومات خطبہ صدارت ارشاد کیا یہ ایڈریس بجائے خود مسائل نسوان میں ایک واقع مرتبہ رکھتا ہے اور زمانہ لطیف کا طرہ امتیاز ہے۔

اس تقریر میں مشترکہ انجمن کی ضرورت و فوائد کو بیان کر کے زمانہ ملکی انجمنوں کے کاموں کا اعتراف کیا گیا تھا پھر ہمدردان وطن اور حکومت کے مابین تقسیم عمل کے اصول پر اپنے فرائض کو سرگرمی کے ساتھ ادا کرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے انگلستان اور دیگر ممالک کی خواتین کے کاموں

کو بطور مثال کے پیش کیا اس کے بعد اس درجہ کا جو خواتین کو تہذیب و تمدن میں حاصل ہے احساس تازہ کیلئے قدیم و جدید زمانہ کی مسلمان ہندو اور پارسی اقوام کے علی شوق اور کارناموں کا تذکرہ تھا اس کے بعد زنانہ سوسائٹیوں اور مدرسوں وغیرہ کی طرف اشارہ تھا اور ان کو ہندوستان کی آبادی کے لحاظ سے ناکافی ظاہر کر کے باقاعدہ اور مسلسل کوشش کی تحریک تھی اسی سلسلہ میں حکومت سے فیاضانہ امداد کی توقع کے ساتھ ہزار کسٹنس لارڈ جیمس فورڈ کی اس تقریر کو جو انھوں نے سلسلہ ۶ میں عورتوں کے ڈیولپمنٹ کے جواب میں کی تھی "لنوائن ہند کے آئندہ مستقبل کے لئے فال نیک اور ان کی سرگرم کوششوں کے لئے خاص قوت و اثر قرار دیا تھا۔ اس کے بعد تعلیم و طبی امداد کی کمی کو دکھا کر ملانی مافات کی طرف توجہ دلائی تھی اور اپنی کوششوں میں انگلش لیڈیز سے اعانت و ہمدردی حاصل کرنے کو ضروری قرار دیتے ہوئے اعلیٰ احکام کی لیڈیز کے اُن کاموں کی جو لنوائن ہند کے لئے وہ کرتی رہتی ہیں شکر گزاری تھی اور اس پیغام شاہانہ کا جو ملکہ معظمہ کو اُن میری قیصرہ ہند نے لیڈی جیمس فورڈ کے ذریعہ سے ہندوستانی عورتوں کو بھیجا تھا حوالہ دیتے ہوئے اس سے گراں قدر نتائج و اثرات ظاہر ہونے کی امید کی تھی اس کے بعد زنانہ و مردانہ تعلیم کے فرق کو دکھا کر مذہبی تعلیم پر بہت زور تھا۔ مادری زبان میں کورس اور استانیوں کے متعلق بھی خیالات ظاہر فرمائے تھے۔

بونہ میں پروفیسر کاروس کی زنانہ یونیورسٹی پر اظہار مسرت تھا اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے امید ظاہر کی تھی کہ وہ ملک کی عام مشترکہ زبان میں عورتوں کی تعلیم کے لئے بھی کوشش کرے گی اس کے بعد عام ترغیب و تحریص کے سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ مسلمان عورتوں کے اُن حقوق کی جانب جو وہ اپنے گھروں میں رکھتی ہیں اشارہ کرتے ہوئے تعلیم کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اس تقریر کا یہ آخری جملہ نہایت ہی پُر زور تھا کہ :-

”خواتین! آپ سب قوت مشترکہ بے کام لے کر اس مقصد عظیم میں کامیابی حاصل کریں ہم کو اپنی کمزوری اور ضعف تخلیق کا خیال نہ کرنا چاہیئے کیوں کہ تاریخ شاہد ہے کہ ان ہی ضعیف ہاتھوں نے دنیا میں بڑی بڑی چیزیں سر کی ہیں۔“

مگر بعض وجوہ سے پھر اس کے اجلاس منعقد نہ ہو سکے تاہم اس ضرورت کا احساس تعلیم یافتہ خواتین کے عام طبقہ میں پیدا ہو گیا چنانچہ اس کے بعد کلکتہ میں اس قسم کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی مگر اس کا

بھی پہلا ہی اجلاس ہو کر رہ گیا۔

شعبہ تعلیم مجلس خواتین ہند | البتہ ۱۹۱۵ء میں بمقام ادیار (مدراس) خواتین ہند کی مجلس
 (آل انڈیا وومینس ایسوسی ایشن) کے نام سے سیاسی و
 معاشرتی حقوق کے تحفظ کے لئے قائم کی گئی وہ ہندوستان کا میا بی کے ساتھ اپنے مقاصد کی تکمیل
 میں مصروف عمل تھی۔ اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر اس کی شاخیں قائم ہوئیں لیکن اس
 انجمن کی کارکن خواتین نے یہ محسوس کر کے کہ جب تک عورتوں میں تعلیم کی اشاعت کافی طور پر نہ ہوگی
 وہ اپنا حقیقی اور فطری درجہ حاصل نہیں کر سکتیں اس لئے کانفرنس کے ساتھ ایک مستقل جہد کا نہ
 شعبہ تعلیم نسواں کے متعلق قائم کیا جس کا پہلا اجلاس ۱۹۱۵ء میں بمقام پونہ منعقد ہوا اور دوسرے
 اجلاس کا انعقاد فروری ۱۹۱۶ء میں بمقام دہلی ہوا۔

صدارت اجلاس دوم | اس اجلاس کی صدارت سرکار عالیہ نے فرمائی جس میں بہت بڑا حصہ
 ہندو عیسائی اور سکھ خواتین کا تھا جو مختلف اقطار ہند سے مجتمع ہوئی
 تھیں۔ ایک کافی تعداد یوہین لیڈریز کی بھی تھی مسلمان خواتین بحیثیت نمایندہ برائے نام تھیں لیکن
 مقامی خواتین کا معقول حصہ تھا۔

۸ فروری کی صبح کو ۹ بجے سرسوتی بھون میں جو ایک وسیع پردہ و اعمارت ہے کانفرنس کا
 اجلاس شروع ہوا حاضرین نے نہایت جوش و مسرت کے ساتھ سرکار عالیہ کا استقبال کیا اور سرکار عالیہ
 نے ایک نہایت جامع خطبہ صدارت اُردو میں ارشاد فرمایا جس کی مطلوبہ کاپیاں اُردو انگریزی
 میں اسی وقت تقسیم کی گئیں۔

سرکار عالیہ نے شکریہ صدارت کے سلسلے میں زنانہ تعلیم کی اہمیت کا اظہار کر کے قطع ہند
 کی مختلف مذاہب خواتین کا ایک مقصد کے لئے جمع ہونے کو ایک نعمت قرار دیا اور اس ضرورت
 پر زور دیا کہ عورتیں ہی صنعتی تعلیم کی مشکلات کا حل کریں۔ پھر ملک کے عام افلاس اور قدیم ہم و ملج
 کی پابندی کا تذکرہ فرماتے ہوئے تعلیم اور اس کے متعلقہ لوازم و اسباب اور بیرونی اثرات
 و خارجی حالات سے جو مشکلات ہیں ان پر اشارہ کر کے اجمالی تبصرہ فرمایا۔ عام افلاس کے
 متعلق ارشاد کیا کہ :-

”تعلیم انانٹ کے راستہ میں سب سے بڑا حائل ہمارے ملک کا عام افلاس ہے
 افلاس کے مضر اثرات سے ہمارے لڑکوں کی تعلیم بھی پاک نہیں ہے اور اس بارہ
 میں جو آسانی اور فراوانی آج کل دُنیا کے ہر مذہب اور تمدن ملک میں موجود ہے اس کا
 عشرِ عشر بھی یہاں نہیں۔ ظاہر ہے کہ جس ملک میں فی کس ماہانہ آمدنی کا اوسط ڈھائی
 روپیہ ہو وہاں کے عوام سے اشاعتِ تعلیم میں کافی حصہ لینے کی کیا امید ہو سکتی ہے یہ
 آمدنی تو اتنی قلیل ہے کہ اس عالمگیر گرائی کے زمانہ میں ایک آدمی دونوں وقت سیر
 ہو کر روکھی روٹی بھی نہیں کھا سکتا چہ جائیکہ وہ تمدنی اور تعلیمی ضروریات میں ادا کرے۔“
 پھر لڑکیوں کی تعلیمی نسبت کو بیان کر کے رفعِ افلاس کے لئے فضول و بیجا مصارفِ السداؤ خانہ دار کی حصول
 حفظِ صحت، دستکاری اور بالخصوص قدیم سادگی معاشرت پر خواتین کی توجہ مبذول کی اور کم سنی
 کی شادی کے شدید نقصانات پر فرمایا کہ :-

”لڑکیوں کی تعلیم میں ایک اور بہت بڑی روک کم سنی کی شادی ہے یہ بڑی ہم ملک کے
 ہر فرقہ میں کم و بیش موجود ہے اور اس کی وجہ سے لڑکیوں کی جسمانی، دماغی اور اخلاقی
 نشوونما کا بہترین زمانہ بیکار ہو جاتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے سبب سے وہ
 اور گونا گوں آلام و انکار میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور ان میں امراض و اموات کی کثرت
 اوسط عمر کا اخطا طم و زور اور ناقص بچوں کی افزائش اور آئندہ نسلوں کی خلقی پست خیالی
 اور طبعی دونوں سمیٹی یہ سب براہِ راست اسی رواج کے نتائج ہیں لیکن میری عزیز بہنو! میرا
 یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں کوئی رسم جاری ہوئی ہے اس میں ضرور کچھ نہ کچھ
 فائدے اور مصلحتیں ہی ہوتی ہیں اس لئے ہم کو لازم ہے کہ ہم جس بات پر بحث کریں اس
 میں تصویر کے دو سر رخ پر بھی نظر ڈالیں تاکہ ہم بے سوچے سمجھے اپنے بزرگوں کو بڑا
 بھلا نہ کہنے لگیں اور اس میں جو بُرائیاں ہوں ان کو چھوڑ کر اس کی خوبیوں کو اختیار
 کر سکیں میں کم سنی کی شادی کو بھی اس نگاہ سے مستثنیٰ نہیں سمجھتی ہمارے ملک کی حالت
 یورپ اور امریکہ سے مختلف ہے اور ہمارا طرزِ معاشرت بھی ان سے جدا ہے سرد ملکوں
 میں جو عورتوں اور مردوں کے شباب کی ہوتی ہے اس عمر میں ہمارے یہاں کے

آدمی ادھیڑ سمجھے جاتے ہیں غالباً یہ اور اسی قسم کے اور اسباب یہاں اس رسم کے موجب ہوئے ہوں گے جو بتدریج بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی کہ اب وہ بلاشبہ ہمارے ملک کے لئے ایک کلفت اور ہماری کروڑوں بہنوں کے واسطے ایک مصیبت بن گئی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس میں جو افراط پیدا ہو گئی ہے اسے کم کر کے اس کو اعتدال پر لایا جائے کیوں کہ بہترین کام وہی ہے جو اعتدال کے ساتھ ہو لوگ خود بھی اب اس کی خرابیوں کو سمجھنے لگے ہیں۔ ہندوستان کی مختلف حکومتوں کو بھی اس کے سبب اب کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ قریب زمانہ میں اس میں ایسی مناسب روش اختیار کر لی جائے گی جو سب کے لئے مفید و موزوں ہوگی گذشتہ سال بھی آپ کی کانفرنس نے اس پر کافی روشنی ڈالی تھی اور اس کے متعلق رزلویشن بھی پاس ہوئے تھے لیکن یہ اس قدر ضروری اور اہم معاملہ ہے کہ جب تک اس کا قرار واقعی اسناد نہ ہو جائے تب تک ملک کے ہر گوشہ سے اس کے خلاف صد ابلہن کر جائے اور رائے عامہ کی اصلاح میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے۔“

پھر دیگر معاشرتی خرابیوں کی اصلاحات اور حصول حقوق وغیرہ کا ذریعہ محض تعلیم ہی کو قرار دے کر مسئلہ نصاب پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

”انتخاب مضامین کے وقت مذہب کی طرف خاص توجہ ہونی چاہیئے اور ہماری صنعتی خصوصیات کو فروغ دینا نہ کرنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خیال رکھا جائے کہ عام طور پر ہمارے ملک کی لڑکیاں اپنی تعلیم کے لئے غیر محدود وقت نہیں دے سکتیں اس لئے ان کا اضافہ باسلیم ایسا مختصر اور جامع ہونا چاہیئے جسے وہ ایک معین مدت میں پورا کر سکیں اور اس کے بعد اگر وہ مزید ترقی کرنا چاہیں یا ان کو کسی خاص شعبہ فن میں تکمیل کرنے کا شوق ہو تو وہ اس میں جاسکیں محض حصول معاش کی نیت سے علم تو کسی کے واسطے بھی قابل تعریف نہیں ہو سکتا اور بالخصوص لڑکیوں کی تعلیم کی غایت و غرض تو اس سے بہت اعلیٰ و ارفع ہونی چاہیئے کیوں کہ میرے نزدیک ان کا فریضہ زندگی یہ نہیں ہے کہ وہ کشاکش مہنتی کے میدان میں مردوں کے مقابل ہو کر ان سے آگے

بڑھنے کی کوشش کریں بلکہ ہمارے خیال میں ان کا مقصد حیات یہ ہے کہ وہ بجا آؤں
فرائض کے امتحان میں مردوں کے پہلو پہلو کھڑے ہو کر باہم ایک دوسرے کے روحانی
سکون اور قلبی اطمینان کا باعث ہوں۔ ہمارے ملک کے مردانہ نصاب میں فنون لطیفہ کی
طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے لیکن صنف لطیف کو ان سے محروم رکھنا فطرت انسانی
کے ساتھ بڑا ظلم ہے۔

اس کے ساتھ ان کی جسمانی تربیت کا بھی کافی انتظام ہونا چاہیے کیوں کہ یقیناً
کوئی ایسا نظام تعلیم مکمل اور صحیح نہیں کہا جاسکتا جو دماغی نشوونما کا تو مدعی ہو لیکن روحانی
ترقی اور جسمانی تربیت کو نظر انداز کر دے یہ تمام قوائے انسانی یکساں توجہ کے محتاج
ہیں اور جو طریقہ تعلیم ان میں سے کسی ایک کو بھی بیکار چھوڑے وہ بلاشبہ ناقص و
قابل اصلاح ہے۔“

اسی سلسلہ میں موجودہ طریقہ و معیار امتحان میں جو غیر ضروری بار طلباء کے دماغ و ذہن اور
حافظہ پر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے اس کی اصلاح کی ضرورت واضح فرمائی
اور ان تمام مشکلات کے حل کی جانب قومی یونیورسٹیوں کو توجہ دلائی، معلومات کی ضرورت ظاہر کرتے
ہوئے فرمایا کہ :-

تعلیم انات کی ترقی و اشاعت کے لئے لائق معاملات کی ضرورت ناگزیر ہے۔
اس لئے میں طبقہ مرفہ کی خواتین سے یہ استدعا کروں گی کہ وہ اپنے ملک کی خدمتِ عالی
کو محسوس کر کے اپنی بچوں کی تعلیم کے انتظام میں حسب استطاعت اعانت کریں اور اگر
اتنا ایثار کریں کہ اپنے خالی وقت کا کچھ حصہ اپنے محلہ کی بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے
دیدیں تو بلاشبہ ایک بڑی حد تک یہ وقت رفع ہو سکتی ہے اور میراثی خیال یہ ہے کہ
جس طرح بعض خواتین ملکی و شہری خدمات مثلاً آنریری مجسٹریٹ اور پرنسپل کمشنری کے
لئے وقت نکال سکتی ہیں۔ اسی طرح وہ اپنی جنس کی تعلیمی خدمت بھی انجام دے سکتی ہیں
بہر حال یہ ضرورت عارضی اور چند روزہ ہے جب ملک میں تعلیم عام ہو جائے گی تو مسئلہ
کی یہ کمیابی نہیں رہے گی۔ اور زیادہ آسانی سے اس کا انتظام ہو سکے گا۔“

پھر کانفرنس کو ان الفاظ کے ساتھ علمی ہدایت کرتے ہوئے اپنا خطبہ صدارت ختم کیا کہ:-
 ”ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس بات کا عزم مصمم کر لیں کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر عمل بھی کرنے کی کوشش کریں گے اور جن تجاویز کو ہم اس جلسہ میں پاس کر رہے ہیں ان کو واقعیت کا جامہ پہنانے میں بھی کوتاہی نہ کریں گے کیونکہ یہی ترقی کا راز ہے ہماری اس کانفرنس میں گزشتہ سال بھی بہت سی تجویزیں ہوئی تھیں اور مجھے اس کی بڑی خوشی ہے کہ ان ہی تجویزوں کے تحت میں ملک کے متعدد حصوں میں جلسے ہوئے اور ہماری مجوزہ تحریکات کی پرچوش تائید کی گئی اور ایک حد تک ان پر عمل پیرا ہونے کی سٹی بھی ہوئی اس سے مجھے امید ہوتی ہے کہ انشاء اللہ آئندہ بھی تعلیم نسواں کی اشاعت اور اصلاح میں ہماری یہ کانفرنس ایک زندہ اور پائیدہ محرک ثابت ہوگی اور یہ مجلس ملک کے لئے اتفاق و اتحاد کا ایک نمونہ بنے گی جس پر آئندہ کی تمام ترقیوں اور کامیابیوں کا انحصار ہے“

سرکار عالیہ کا یہ خطبہ نہ صرف لٹریچر کے اعتبار سے فصیح و بلیغ ہے بلکہ باعتبار غور و فکر و تجربہ اور معنوی پہلو سے ہر لحاظ سے تعلیم کے متعلق جو اس وقت تک زیر بحث ہے حد درجہ بصیرت افروز ہے۔
 یہ کانفرنس تین دن جاری رہی اور ۱۹ رزولوشن پیش اور پاس ہوئے اجلاس سے قبل جو رزولوشن اسٹیڈنگ کمیٹی میں پیش ہوئے تھے ان میں بعض اس قسم کے بھی تھے جیسے کہ مذہبی تعلیم کو نصاب تعلیم سے اس لئے خارج کرنا کہ اس سے تعصب و منافرت پیدا ہوتی ہے یا ڈانس کو تعلیم کے ساتھ لازمی قرار دینا مختص القوم تعلیم گاہوں میں طلباء و طالبات کو نہ بھیجنا، ظاہر ہے کہ اس قسم کے رزولوشن جو ایسی کانفرنس میں پیش ہوتے جہاں مختلف المذاہب اور مختلف القوم خواتین جمع تھیں اور جن میں مذہبی و قومی احساس بھی کامل طور پر موجود تھا تو لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ اس کانفرنس کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں سرکار عالیہ نے اپنے دلائل و انز سے ان کو خارج کرایا اور جھنور محلہ کو اس میں وقت کا بہت زیادہ حصہ صرف کرنا پڑا کانفرنس کی کارروائی میں ایک اہم سوال تقریروں اور رزولوشنوں کی زبان کا تھا علمی العموم تمام تقریریں انگریزی میں ہوتی تھیں اور رزولوشن بھی انگریزی میں پیش ہوتے تھے اور وہ خواتین جو انگریزی سے ناواقف تھیں بحث میں حصہ لینا تو کجا رزولوشن

کا مطلب سمجھنے تک سے مجبور تھیں۔

کارروائی اجلاس پر سرکار عالیہ کا تبصرہ | سرکار عالیہ نے ان تمام دفتروں کو محسوس فرما کر اپنی اختتامی تقریر میں ایک جامع تبصرہ کیا اور جن رزلوشنوں کا تعلق پرائیوٹ کوششوں سے ہے ان کے متعلق سرگرم کوشش جاری کرنے پر توجہ دلائی خصوصاً کم سنی کی شادی کے افراد پر پرائیوٹ کوششوں کے تذکرہ میں فرمایا کہ:-

”کم سنی کی شادی کے افراد پر کانفرنس نے جو کوشش شروع کی ہے اس کی کامیابی حقیقتہً ملک کے لئے ایک بڑی رحمت ہوگی لیکن اس میں ہماری ہی کوششوں سے کامیابی ہوگی۔ مسلمانوں میں یہ رواج کم ہے تاہم جو کچھ ہے چند سختی حالات کے ماسوا زیادہ تر اطلاق اور محتاجی کے سبب ہے اگرچہ شرعی قانون نے بالغ ہونے کے بعد اس رشتہ کے توڑنے کا عورت کو اختیار دیا ہے لیکن علی العموم یہ اختیار بہت کم عملی صورت اختیار کرتا ہے اور عورتیں صبر و تحمل کے ساتھ اپنی قسمت پر قانع ہو جاتی ہیں اگرچہ وہ کلیفات زندگی میں مبتلا رہتی ہیں اسلئے ہماری جماعت کو کسی بل کی منطوری اور نفاذ پذیر ہونے کے انتظار کے بغیر اپنے ذاتی اثر سے اس قبیح رسم کو روکنا چاہیئے کیونکہ بل خواہ کسی صورت میں پاس ہو سوسائٹی کی عملی کوششوں کا محتاج رہے گا۔“

جلسوں کی کارروائیوں میں ملکی زبان استعمال کرنے کی ہدایت کے بعد مسائل مذہبی کو معرض بحث میں لانے کے متعلق فرمایا کہ:-

”بعض مسائل ایسے ہیں جن میں مذہب کا تعلق ہو جاتا ہے اب ہم ان رزلوشنوں کی شکل میں لا کر بحث و مباحثہ کریں تو یہ طریقہ محفوظ نہیں ہے ہندوستان میں مختلف اور متعدد مذاہب کے پیرو ہیں اسلئے کوئی رزلوشن اس قسم کا نہ ہو جس میں کوئی مذہبی پہلو نمایاں ہو اور مذہبی حیثیت سے اس پر بحثیں شروع ہو جائیں اس سے لازمی طور پر اختلاف پیدا ہوگا اور متحدہ مقصد کو نقصان پہنچے گا ہماری کانفرنس کے قیام کو ابھی دو ہی سال ہوئے ہیں اور اگر تیز رفتاری کی جائے تو اندیشہ ہے کہ ہم ٹھوکر کھائیں گے اور دوسروں کو ہنسی کا موقع ملے گا۔“

آل انڈیا فنڈ قائم کرنے کی تحریک | جو رزولوشن کہ اس کانفرنس میں پاس ہوئے
ان میں حسب ذیل ایک اہم رزولوشن یہ تھا کہ

جس کو خود جلیل القدر صدر کانفرنس نے چیر سے پیش کیا :-

”تعلیم نسواں کی ترقی کے لئے ایک آل انڈیا فنڈ قائم کیا جائے اور ایک کمیٹی
مقرر کی جائے جو اس کے لئے روپیہ جمع کرے اور اس کے مصرف کے متعلق اپنی تجاویز
اسٹیٹنگ کمیٹی کے سامنے پیش کرے“

درحقیقت کانفرنس کے تمام عمل کا دار و مدار اسی رزولوشن پر اور تمام مقاصد کا انحصار ایسے
ہی فنڈ پر ہو سکتا ہے جس کے متعلق عین موقع پر حضور مدوحہ نے توجہ دلائی اور نہ صرف توجہ دلائی
بلکہ اسی وقت پانچ ہزار روپے کے عطیہ کا اعلان بھی فرمایا اور فہرست عطیات کھلوادی اور اسی جلسہ
میں تقریباً ۲۵ ہزار روپیہ کے چندے لکھے گئے۔

اس فنڈ کے جمع کرنے کے لئے جو کوششیں عمل میں آئیں اور اپیل شائع کی گئی اس میں بھی
سرکار عالیہ نے حصہ لیا اور اس کے علاوہ بھی کانفرنس کی مالی امداد کی۔ فروری ۱۹۲۸ء سے جنوری ۱۹۲۹ء
تک جو سرکار عالیہ کی صدارت کا زمانہ ہے کانفرنس کی تمام کارروائیوں میں دلچسپی لی اور اسکی کوششوں
اور کامیابیوں کو ہمیشہ عمیق دلچسپی کے ساتھ ملاحظہ فرماتی رہیں۔

مختلف مساعی اور فیاضیاں | ان مساعی جلیلہ کے علاوہ سرکار عالیہ نے متعدد زنانہ مدارس
انٹیڈوشن، انجمنوں وغیرہ کو بھی امدادیں عطا فرمائیں۔

چنانچہ مدرسہ طبیبہ دہلی کی شاخ تعلیم دایاں کلکتہ کا مدرسہ نسواں، الہ آباد اور لکھنؤ کے
زمانہ کلب، سداسیون بمبئی لیڈی رڈنگ کالج دہلی اور دیگر ادارات وغیرہ حضور مدوحہ کی فیاضی
سے بہرہ ور ہیں۔

انجمن بہبودی زچگان و اطفال کے | ۱۹۱۸ء میں ہرکلسنی لیڈی جمیفورڈ نے ملکہ معظمہ
کوئن میری قیصرہ ہند کی سرپرستی میں ہندوستانی
افتتاح میں شرکت اور اظہار خیالات
کی جس کی ہندوستان کو اشد ضرورت تھی لیکن اس سے قبل لیڈی ویلنگڈن نے بھی اس قسم کی تجویز

کی تھی اور سرکار عالیہ سے اس میں مشورہ کیا تھا۔

تجویزی نقشہ نہایت مفید اور ضروری تھی حضور مدد و حصہ نے اس میں بہ لحاظ ضروریات معتامی ترمیم کر کے بھوپال میں اس کا عمل درآمد شروع کر دیا تھا لیکن وہ صرف ایک مقامی تجویز تھی اور اب لیڈر جمہیہ نے تمام ہندوستان میں اعلیٰ پیمانہ پر اس کو رائج کرنا چاہا۔ اسی سلسلہ میں بمقام دہلی آخر ہفتہ فروری ۱۹۲۲ء میں زنانہ طبی ایسوسی ایشن نے زچگی اور بہبودی اطفال کے عملی تجربات اور تدابیر کے متعلق ایک نمائش منعقد کی جس میں سینما اور میجاب لالینوں اور مصنوعی حالات سے بہت سے مفید تجربات دکھائے گئے، اور تفتہ ریلوں کا بھی ایک سلسلہ قائم کیا گیا ماہرین فن کے علاوہ چند ذی مرتبت قابل مردوں اور عورتوں نے بھی تقریریں کی تھیں۔

سرکار عالیہ کی تقریر کا اقتباس اکیس اور ایک معرکہ الآرا تقریر بھی فرمائی جس میں نہ صرف غبا بلکہ امرا کے گھروں میں بھی اصول حفظانِ صحت سے بے پروائی برتنے پر افسوس تھا۔ ماؤں کی صحت اور اس کی ضرورت قیمتی خیالات تھے اور اس کی بے پروائی سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں ان کا نہایت دردناک الفاظ میں تذکرہ تھا۔ نیک دل کوئن و کٹوریہ کے زمانہ سے اس قسم کی نیکی کے کاموں اور امدادوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اس کا تشکر آمیز بیان تھا مگر اسی کے ساتھ یہ شکوہ بھی تھا کہ :-

”لیکن جب عورتوں کی ضروریات اور کثرت آبادی کے لحاظ سے ان امدادوں کو دیکھا جاتا ہے تو وہ بہت کم نظر آتی ہیں اور ان میں ابھی بہت زیادہ وسعت کی ضرورت معلوم ہوتی ہے خصوصاً وہ پہلی امداد جو زچگی کے وقت ہر ایک عورت کو ملنی چاہیے بہت ہی کم حاصل ہوتی ہے“

ساتھ ہی باشندگان ملک کو اس انتظام اور عمل میں دل چسپی لینے پر متوجہ کرتے ہوئے زمانہ قدیم کی دایوں کی قابلیتوں کا تذکرہ کر کے ان کی روز افزوں کمی پر افسوس تھا۔ اسی سلسلہ میں عورتوں کے لئے حفظانِ صحت کی لازمی تعلیم پر بھی بحث کی تھی اور ساتھ ہی مادری زبان کے ذریعے سے اس تعلیم کی وسعت پر زور دیا تھا اور طبیبہ کالج کے زمانہ مدرسہ دانیوں کی تمثیل پیش کی تھی جس میں ڈاکٹری اور یونانی اصول کو ملا کر تعلیم کارزاراں اور کامیاب انتظام کیا گیا

ہے۔ پھر خواتین ہند سے اپیل کی تھی کہ وہ خود مستعد ہوں۔ ایسی تعلیم کا انتظام کریں اور اس لیگ کے فیض و اثر کو ہر جگہ پہنچائیں اس کے بعد فرمایا کہ:-

اب ایک اور رنج و غم کی حالت ہے جو ان بچوں کی نسبت ہر جگہ طاری ہے جن کو عالم وجود میں آتے ہی غذا کے لئے احتیاج ہوتی ہے۔ اکثر ماؤں کا دودھ ناکافی غذا کی وجہ سے سوکھ جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے یا بیماری کی وجہ سے خراب ہو جاتا ہے جس کے خراب اثر کا فوراً ہی اندیشہ ہوتا ہے لیکن ان کو خالص اور اچھا دودھ بازار میں بھی میسر نہیں آتا یا اگر غریب و مفلس ہیں تو وہ اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتے پھر ان غریب عورتوں کو روزی کمانے کے لئے مزدوری کی سخت محنت کرنی پڑتی ہے اور بچہ کے پیدا ہونے کے قبل و بعد دونوں زمانے نہایت تکلیف و پریشانی اور شقت میں گزرتے ہیں۔

کیدل گر امید ہو سکتی ہے کہ ان ماؤں کی اولاد مضبوط، صحت مند اور طاقتور ہوگی۔ اسی طرح سرزمین ہند کے بہت سے بہترین دماغ ابتدائی مصیبتوں سے بدتر بن جاتے ہیں اس لئے بچوں کی حالت بھی خاص توجہ کی محتاج ہے۔

تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ لندن کی ایک کانفرنس نے جو ان ہی تکلیفوں کے دور کرنے کے لئے قائم ہوئی تھی ایسی عورتوں اور بچوں کے لئے جو انتظام تجویز کیا تھا وہ کسی قدر ترمیم کے ساتھ ہر جگہ قابل عمل ہو سکتا ہے یعنی ہر جگہ بچوں کے لئے قابل اطمینان اور صاف دودھ مہیا کرنے والے ڈپو یا دکانیں ہوں اور عورتوں کو دلالت و رضاقت کے ایسے زمانہ میں جس میں راحت و سکون کی اشد ضرورت ہے اس قسم کی مدد دی جائے کہ وہ چند دن کے لئے مزدوری اور محنت سے بے فکر ہو جائیں، اگر دولت مند عورتوں کی فیاضی کا رُخ اس طرف ہو جائے تو یہ دونوں کام کچھ مشکل نہیں اور ہر جگہ آسانی سے اس کا انتظام ہو سکتا ہے غرض ایسی بہت سی تدابیر ہیں جن پر عمل کرنے سے عورتوں اور بچوں کو اس قسم کی بہت سی امدادیں مل سکتی ہیں مگر ان تمام باتوں کا اختصار پبلک کی فیاضی اور خود باشندگان ہند کے احساس پر ہے۔

آخر میں سرکار عالیہ نے پھر حفظانِ صحت وغیرہ کی تعلیم پر زور دیتے ہوئے تمدنی و معاشرتی ترقیات کے ساتھ امراض کی ترقیات پر بھی اشارہ کر کے ہندوستانی معاشرت کے لحاظ سے لڑکوں کے مدارس میں بھی اس تعلیم کے لزوم پر توجہ دلائی تاکہ مرد اور عورتیں دونوں اشتراکِ عمل سے قوم کی نگہداشت کر سکیں۔ یہ لحاظ مطالب و معافی اور ملکی ضروریات کے حضور مدد و حصہ کی یہ مبسوط تقریر خاص قسم کی تھی جس کو سامعین نے نہایت توجہ سے سنا۔

سرکار عالیہ کا ایک مضمون | اس کے بعد حضور مدد و حصہ نے اسی لیگ کے آرگن میٹرنٹی اینڈ چائلڈ ویلفیئر انڈیا کے نمبر ۱۱۱ اشاعت دسمبر ۱۹۷۱ء میں ایک مکتبہ الامام مضمون شائع کرایا۔ جس میں ان ہی مقاصد کی تکمیل اور حصول کے مطابق زمانہ امن میں اخطا آبادی کے اسباب، بچوں کی کثرتِ اموات عورتوں پر حفاظتِ بچکان کی ذمہ داری وغیرہ پر بحث کر کے اور جہالت اور ذرائعِ معاش کی کمی و پست حالت کو تمام خرابیوں کی بنیاد قرار دے کر متوسط اور آسودہ حال طبقے کو ہمدردی اور گورنمنٹ کو امداد پر توجہ دلائی تھی اور پھر طبقہ متوسط کے لئے طبی جماعتوں کو اس طرح متوجہ کیا کہ:-

”ہمارے اس میڈیکل گروہ کو جو شب دروز انسانی ہمدردی کے کاموں میں مصروف ہے آبادی کے موروثی بیماریاں غیر صحت بخش ماحولِ قدیم رسوم اور ذاتِ برادی کے تعصبات کو مد نظر رکھ کر اس حصہ کے لئے بھی سادہ اور سہل عمل اور کم خرچ اصول وضع کرنے پر اپنی توجہ مائل کرنی چاہیئے اور تبلیغ و اشاعت کے ذرائع ایسے اختیار کرنے چاہئیں جو مؤثر و مقبول ہوں۔ اس ملک میں صدیوں سے ویدک اور بعدہ یونانی طریقہ کے علاج و معالجے جاری ہیں اور ہر حصہ ملک کی کثیر آبادی کا حصہ ان ہی سے مانوس ہے پس ہمارے یہ اصول ان ہی طریقوں پر زیادہ مبنی ہونے چاہئیں تاکہ وہ قبولیت عام حاصل کر سکیں۔“

اس وسیع ملک کے حصص میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اور مختلف رسم الخط جاری ہیں۔ جہاں تک کہ تحریری اور تقریری ذرائع کا تعلق ہے وہاں یک ممتامی رسم الخط کو ذریعہ بنانا چاہیئے اور ملک میں بہ کثرت ایسا لٹریچر شائع کرنا چاہیئے۔

جن چیزوں کو کہ ان کے سامنے پیش کیا جائے وہ ایسی ہوں جو اڑاں اور آسانی
 مہیا ہو سکیں اور لوگ اُن سے کچھ واقفیت بھی رکھتے ہوں جو لوگ اس کام پر مقرر کئے جائیں
 وہ غیر مانوس نہ ہوں خصوصاً ہندوستانی عورتوں سے زیادہ کام لینا چاہیے اور جہانگیر
 ممکن ہو ان کاموں کے لئے مقامی عورتیں ہی آمادہ کی جائیں کیونکہ وہ ہر حیثیت سے بمقابلہ
 اجنبی عورتوں کے بہت اچھی طرح اپنا اثر بڑھا سکیں گی۔ مقامی کام کرنے والی عورتیں اگرچہ
 ابتدائیں مشکل مہیا ہوں گی۔ لیکن مشکل کچھ زیادہ نہیں۔ مختلف قسم کی ترغیبات اس شکل
 کا حل ہیں ان ترغیبات میں اس انسانی ہمدردی کی جزا ہے جو یقیناً مشرقی عورت کے لئے جس
 میں بڑی حد تک روحانیت کا اثر موجود ہے سب سے بڑی ترغیب ہوگی۔

مجھے امید ہے کہ اگر ان طریقوں پر جو اجمالاً بیان کئے گئے ہیں عمل کیا جائے گا تو پہلا
 ایسوی ایشن کا مقصد یقیناً بہت جلد پورا ہوگا اور جس ہمدردی انسانی کے جذبہ سے اس
 کو قائم کیا گیا ہے اس کے نتائج اطمینان بخش اور جلد حاصل ہوں گے۔ ہماری ایسوی ایشن
 کی ایکم کی جس قدر کثرت سے تبلیغ ہوگی اسی قدر اس کا اثر قوی اور دائرہ وسیع ہوگا کیونکہ
 اس کی بنیاد ہی ایسے انسانوں کی خالص ہمدردی پر ہے جو بے بس اور مجبور محض ہوتے ہیں
 لیکن پھر وہی قصور انسانیت اور ایوانِ مذہب کو تعمیر کرتے ہیں قوموں کو بناتے اور آبادیوں
 کو بساتے ہیں اور وہی ماؤں کا سرمایہ مسرت ہوتے ہیں۔“



مغربی تقلید اور غیر معتدل آزادی کی مخالفت

سرکارِ عالیہ کو اپنے ہم جنس طبقہ سے جو ہمدردی اور مسائلِ ترقی سے جو دل چسپی اور شغف تھا
 اس کا اندازہ ان مساعی اہم سے ہوتا ہے جن کا ایک جملہ تذکرہ ان اوراق میں موجود ہے لیکن اسی
 کے ساتھ تعلیم و آزادی نسوان کی جن اصول کے ماتحت اور جن شرائط و قیود کے ساتھ حامی تھیں وہ بھی حضورِ
 مدوحہ کی متعدد تقریریں سے نمایاں ہے۔

سہ ملاحظہ ہو سکالرشپ ہوار (مجموعہ تقاریر متعلق مسائلِ صنفی)

سرکار عالیہ جہاں مردوں کے تعصبات اور صدیوں کے مسلسل جابرانہ رویہ پر پیشہ افسوس فرماتی اور عورتوں کی ترقی میں ساعی رہیں وہاں اُن کی غیر معتدل آزادی کی بھی سخت مخالفت تھیں وہ عورتوں کو صرف آزادی اور حقوق کے اس سطح پر لانا چاہتی تھیں جو مذہب اسلام نے اُن کے لئے تجویز کی ہے وہ ہندوستان اور یورپ دونوں کو افراط و تفریط میں دیکھ کر ایک نئی شاہراہ اعتدال بنانا چاہتی تھیں اور خود ان کی زندگی اسی اعتدال کا نمونہ کامل تھی۔

انھوں نے بارہا صاف صاف فرمادیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے حقوق و فرائض کی سطح کو ایک کر دینا مقصود نہیں اور ان دونوں جنسوں میں ایک حد فاصل قائم رکھنا چاہیئے جسے بہ لحاظ قدرتی فرائض کے خود خدا تعالیٰ نے قائم کر دیا ہے اس نکتہ کو شاید اُن سے بہتر کوئی نہیں سمجھتا تھا کہ عورتوں کا اصلی فرض زندگی خانہ داری کو انجام دینا ہے اولاد کی تربیت و تعلیم اُن کے فرائض کے اہم الامور ہیں پس وہ اگر عورتوں کو اُن کی جاہلانہ زندگی سے نکال کر تعلیم و تہذیب کی سطح پر لانا چاہتی تھیں تو اس کا مقصد یہ تھا کہ بذریعہ تعلیم و تربیت کے عورت کو اس کے فرائض منزلی کے لئے زیادہ مستعد و تیار بنایا جائے اور قدرت کا اس کی تخلیق سے جو مقصود حقیقی ہے وہ حاصل ہو۔

سرکار عالیہ نے اس سلسلہ کو بہ کرات و مرات اپنی تقاریر میں بیان فرمادیا ہے اور ترغیبِ تعلیم کے ساتھ ہی اس مقصد کو بھی واضح طور سے سمجھایا ہے۔

یورپ سے مراجعت کے بعد ۱۹۱۲ء میں حالات سفر پر لیڈر کلب میں جو تقریر کی تھی اس میں یورپین خواتین کی تعلیم وغیرہ کے حالات اور اُن کے دیگر اوصاف کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ:-
 ”لیکن میں اس تعلیم کے ساتھ اُس آزادی کو پسند نہیں کرتی جو اعتدال سے متجاوز ہو چکی ہے اور ہمارے یہاں کی پرورشین ناخواندہ بلکہ خواندہ عورتوں کو کبھی اس کا خیال نہیں گذر سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ آزادی جو سرزمینِ یورپ میں ہے وہاں کے مناسب ہو یا یہ آزادی مذہبِ عیسوی کی تلقین و ہدایت کے مطابق ہو مگر ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے کسی طرح اور کسی زمانہ میں میرے خیال میں نہ موزوں لگتی اور نہ خدا تعالیٰ کے حکام کبھی غیر مفید ہو سکتے ہیں پس ہم کو اس مقولہ پر عمل کرنا چاہیئے خذ ما صفا و دع ما کدما، اچھی چیزوں کو لے لو اور بُری چیزیں کو چھوڑ دو، مسلمان عورتوں کو کبھی اس

آزادی سے زیادہ کی خواہش نہیں کرنی چاہیے جو مذہب اسلام نے ان کو عطا کی ہے اور وہ آزادی اسی آزادی ہے جو عورت کو اپنے حقوق سے مستفید ہونے اور کام خرابیوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔

ہماری قومی تاریخ ہم کو بتا رہی ہے کہ مسلمان عورتوں نے اسلام اور شعائر اسلام کا پابند رہ کر دنیا میں کیسے کیسے کام کرائے نمایاں کئے کیسے علوم و فنون میں سنگماہ حاصل کی۔ ان کی تربیت و تعلیم نے کیسے کیسے ادب و انصاف اور مشہور اشخاص پیدا کئے اور کیوں جاؤ خود بھوپال میں اسی نتیجہ تعلیم پر نظر ڈالو اور گزشتہ دونوں فرماں وامیکات کے حالات دیکھو جو تعلیم کے اعلیٰ نتائج ہیں۔

غرض تعلیم حاصل کرو اور پابند طریقہ اسلام رہو تاکہ تمہاری قومی ترقی ہو اور تم کو ہر قسم کی کامیابیاں حاصل ہوں۔

سرکار عالیہ نے عورتوں اور مردوں کی مساوات کے متعلق ایک تقریر میں اپنی رائے یوں ظاہر کی تھی کہ:-

”خواتین! میں سمجھتی ہوں کہ یہ ایک بڑی غلطی ہوگی کہ عورتیں تمام ملکی اور تمدنی امور

میں مردوں کی مساوات کا دعویٰ کریں ان کو اس دائرہ سے باہر نہیں جانا چاہیے جو مدت قدرت نے ان کے چاروں طرف کھینچ دیا ہے نہ اس معاملہ میں ان منطقی دلیلوں کی پروا کرنی چاہیے جو اس مساوات کے متعلق کی جاتی ہیں۔ مستثنیٰ اور خاص مثالیں سب پر حاوی نہیں ہوتیں۔ ہر عورت چاند سلطانہ، ضیہ بیگم اور نواب سکندر بیگم نہیں ہو سکتی۔ صد ہا سال میں تاریخ کوئی ایسی مثال پیدا کرتی ہے جو خداوند کریم کی قدرت کا محض ایک ثبوت ہوتی ہے ایسی مساوات سے گھر کی خوشیاں برباد ہو جاتی ہیں اور خانہ داری کا لطف جاتا رہتا ہے۔ ہاں جو حقوق خدا نے ایک دوسرے کے مقرر کر دیئے ہیں ان کو مانگنا اور لینا چاہیئے۔

اسی سلسلہ میں سرکار عالیہ کی ایک معرکتہ الآراء تقریر مسلم گزٹ انٹرنیشنل کالج علیگڑھ کے ایک

ایڈریس کے جواب میں ہوئی تھی جس میں جب ذیل مضامین پر بحث کی ہے۔

(۱) تعلیم نسوان کے متعلق عام طور سے قومی توجہ نہ ہونے کا تاریخی سبب۔

(۲) عہد رسالت میں مردوں کے ساتھ ساتھ زنانہ تعلیم کا آغاز۔

- (۳) زمانہ حال میں عورتوں کی تعلیمی ضرورت کا احساس -
- (۴) نصابِ تعلیم کے متعلق اختلاف اور اس کے سہ گانہ حصص -
- (۵) مخصوص اور قومی مدارس کی ضرورت -
- (۶) مخلوط مدارس میں اسلامی تعلیم و تربیت کا فقدان -
- (۷) ایسے نصاب اور معیارِ تعلیم کی ضرورت جس سے لڑکیاں پرائیوٹ طور پر استفادہ حاصل کر کے مسلم یونیورسٹی کے پرائیوٹ امتحانات میں شریک ہو سکیں -
- (۸) علمی سند کی ضرورت -
- (۹) قومی نصابِ تعلیم تیار نہ ہو سکے پر افسوس -
- (۱۰) مادری زبان ذریعہ تو سید تعلیم -
- (۱۱) تربیتِ اخلاق ذریعہ کتب و امثال -
- (۱۲) تعلیم یافتہ لڑکیوں میں آزادی اور تقلیدِ غیر کا رجحان -
- (۱۳) آزادی نسواں -
- (۱۴) مسلمان کی حیثیت سے احکامِ اسلام کی پابندی کا لزوم -
- (۱۵) آزادی کا صحیح مفہوم -
- (۱۶) تقلید اور آزادی کا فرق اور معیارِ تہذیب -
- (۱۷) مردوں سے تصادم و مقلبلہ کا خطرہ اور اس کا مثبتہ نتیجہ -
- (۱۸) قرآن مجید سے ترقی و فلاح کے اسباب -
- (۱۹) عورت کا مقصدِ آفرینش -
- (۲۰) تحفظ و قارِ ذاموس کے طریقے اور پردہ -
- (۲۱) تبرجِ جاہلیت اور زمانہ موجودہ کا فیشن -
- (۲۲) حجابِ ستر کی تکلیف شرعی اور حیا کی تعریف -
- (۲۳) تمدنی - معاشرتی اور علمی ترقیوں میں عورتوں کا حق اور حصہ -
- (۲۴) عورتوں کی مذہبی تعلیم اور اس کی ضرورت -

ان مباحث کی ابتدا میں اپنے استحقاقِ نصیحت کو یوں ظاہر کیا ہے کہ:-

خواتین! میری عمر تتر سے زیادہ ہے گو میری قابلیت محدود ہو لیکن میرا تجربہ وسیع ہو
اسلئے میں اپنی صنف اور بالخصوص مسلمان عورتوں کی حالت پر کچھ کہنے کا منصبِ استحقاق
رکھتی ہوں اور اس لئے آزادی اور تقلید پر اپنے خیالات کسی تفصیل کے ساتھ ظاہر
کروں گی۔

پھر آخر تقریر میں نہایت حسرت کے ساتھ فرمایا ہے:-

”خواتین! میں نے جو کچھ آپ کے سامنے کہا ہے اس کو اپنا فرض سمجھا ہے اور ممکن ہو
کہ پھر ایسا موقع ملے کہ میں آپ سے خطاب کروں اس لئے یہ درخواست بھی کرتی ہوں کہ
آپ میری اس تقریر کو از اول تا آخر اپنے اوقاتِ فرصت میں غور کے ساتھ مطالعہ کریں اور
اپنی خلصہ اور سچی خلصہ کی نصیحت پر دل سے غور و خوض کرتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ اسلامی احکام
کی پابندی اور قوانین اسلام پر چلنے کی توفیق و بہت عطا فرمائے تاکہ مذہب اسلام کی شمع
تقلید کی باتمند سے جھللا نہ جائے۔“

اب میں آپ سے دعا کی طالب ہوں اور خود خداوندِ کریم سے یہ دعا کرتی ہوں کہ
رَبَّنَا اقْبَلْ صَلَاتَنَا اِنَّكَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْ لِّمُسْلِمٍ
لَا تُؤْمِنُ دُرِّيَّةً اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاِرْنَا مَا سَكَنَّا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ
اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ“

کوئی شک نہیں کہ عورتوں کی جس قدر مختلف حالتوں کا مشاہدہ اور یورپ، مصر، حجاز، ترکی اور
ہندوستان کی عورتوں اور بالخصوص مسلمان عورتوں کی نسبت جو تجربہ تھا اور عام مسائلِ نسواں پر اس
تجربہ اور غور و مشاہدہ کی بناء پر جو عبور تھا وہ آج بسیط دنیا میں شاید ہی کسی اور خاتون کو حاصل ہو۔
اس تقریر میں تقلید و آزادی کے متعلق جو کچھ ارشاد کیا ہے وہ حقیقتاً ایسا مضمون ہے جس کی بار
بار پڑھنا چاہیئے اور یورپ کی تقلید میں دیگر ممالک اور خاصہ ہندوستان میں رفتار ترقی اور اس کے
نتائج کو مد نظر رکھ کر اس نصیحت پر غور کرنا چاہیئے۔

بھوپال سے باہر سرکارِ عالمیہ کی ۱۹۲۲ء میں یہ آخری تقریر بھی لیکن بھوپال میں ایک اور موقع پر بھی

تیز رجاعت کی ذہنیت اور اعتدال سے تجاوز پر اپنی ایک تقریر میں حسب ذیل خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔

”یہ ایک قانون قدرت ہے کہ جن قوموں بلکہ جن افراد میں اپنی حق تالیفوں کا احساس اور ان کے حصول کا ولولہ پیدا ہو جاتا ہے یا ایک حال سے نکل کر دوسری حالت اختیار کرنے پر آمادگی ہو جاتی ہے جس کو ہم انقلاب سے تعبیر کرتے ہیں تو اس وقت طبیعتوں میں ایک ایسا جوش پیدا ہو جاتا ہے جس سے علمی العموم انسان اعتدال پر قائم نہیں رہتا یہ دور قوموں اور انسانوں کی زندگی میں نہایت سخت سمجھا جاتا ہے۔ بعض اوقات اصلاح ہو جاتی ہے اور بعض اوقات ان خرابیوں اور برائیوں کی جگہ دوسری برائیاں اور خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں یہی حالت اس وقت خواتین اسلام کی ہے وہ ایک دور انقلاب سے گزر رہی ہیں اور ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے جو گزشتہ چند صدیوں تک ان میں رہیں آمادہ و کمر بستہ ہیں مگر اس نازک موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انسان ایک ایسے جسم کا نام ہے جس میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو روح سے موسوم ہے اور یہ انسان اچھی طرح یہ بات جانتا ہے کہ اس قوت کے نکلنے ہی جسد انسانی لاش یعنی ”کچھ نہیں“ رہ جاتا۔ اس لئے مقدم امر یہ ہے کہ پہلے توجہ ایسے علم کی جانب ہو جس کا تعلق روح سے ہے یعنی مذہب کی ضرورتی تعلیم حاصل کی جائے اپنے اور اپنے خالق کے تعلقات سمجھ لئے جائیں اور وہ اخلاق حسنہ پیدا ہوں جن سے روحانی نجات حاصل ہو سکے۔ اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر میں نے مدرسہ حمیدیہ کی بنیاد ڈالی اور آپ کے عزیز فرماں روا نے اپنے نام سے موسوم کرنے کی اجازت دی اور اس کے لئے معقول اخراجات عطا کئے اسی تعلیم کو میں ہر جگہ اور ہر ملک میں تمام خواتین اسلام کی زندگی کا سب سے پہلا فرض سمجھتی ہوں اس کے بعد دنیاوی زندگی ہے جس کے لئے تمدن و معاشرت لازمی و ضروری اور اب عالم اسلامی میں جو خوابیدہ قوتیں بیدار ہو رہی ہیں اور جو احساس دلوں میں پیدا ہو گیا ہے اسکا لازمی نتیجہ تمدنی و معاشرتی رسوم و حالات میں عظیم الشان تغیر و تبدیلی بھی ہے لیکن ہمارا مصلح نظر یہ ہونا چاہیے کہ ایک بُرائی سے نکل کر دوسری برائی میں مبتلا نہ ہو جائیں اور وہ اعتدال

قائم رہے جس سے تلف شدہ حقوق بھی حاصل ہوں اور عورتیں تمدن و معاشرت اور علوم و فنون میں بھی عروج حاصل کریں جنسیت قائم رکھیں فطری فرائض ادا کرنے کے قابل ہیں اور یہی وہ مطلب نظر ہے جس سے ہمیشہ روحانی پاکیزگی اور روحانی سکون حاصل رہے گا۔ خالق کائنات نے عورتوں کی ذات سراسر سکینہ یعنی تسلی بنائی ہے اور جب عورت ان مشاغل کو اختیار کر لگی جو اس سکینہ کے متضاد ہوں گے تو وہ گویا فطرت سے متقابل اور متصادم ہوگی اور وہ یقیناً پاشش پاشش ہو جائے گی۔

موجودہ زمانہ سے قبل بھی مختلف قوموں نے تمدن میں عروج و کمال حاصل کیا ہے روم، یونان کا تمدن آج تک ضرب المثل ہے۔ ایرانی و ہندوستانی تمدن کی داستانیں بھی موجود ہیں۔ عربی تمدن آج تک آثار قناریہ کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے اور پھر آج یورپ کا ترقی یافتہ تمدن بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ عورت عروج تمدن کے ہر دور میں ایک زبردست ہستی رہی ہے اس نے قدیم و جدید تمدن میں حصہ لیا ہے لیکن اس امر پر ہم کو غور کرنا چاہئے کہ اس نے اس تمدن میں شریک ہو کر کس قسم کے نتائج پیدا کئے اگر وہ نتائج فطرت جنسی کے مطابق ہیں اور عورت کا شرف و عزت اور ناموس و وقار باقی رہتا ہے تو بلاشبہ وہ قابل قبول ہیں اور اگر حالت برعکس ہے تو یقیناً وہ تمدن ہمارے مناسب حال نہیں۔

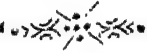
موجودہ تمدن جو یورپ کی پیداوار ہے اس حالت کا انقلابی نتیجہ ہے جو سو اسیں صدی تک علی العموم یورپ میں عورتوں کے حقوق انسانیت و مدنیت کے متعلق رد نہا سکتی جب یہ تمدنی انقلاب شروع ہوا تو عورتوں نے زبردست حصہ لیا اور وہ کامیاب ہو گئیں لیکن ساتھ ہی حدود اعتدال پر قائم نہ رہ سکیں اور آج آزادی نسواں کا مسئلہ پھر حکما اور عقلاً یورپ کے ذہنوں اور دماغوں میں ہیجان پیدا کئے ہوئے ہے۔

اے خواتین اسلام باشریعت اسلام کے احکام بہت صاف ہیں آپ سب ان کو دیکھ سکتی ہیں اور جہاں کہیں کچھ تذبذب اور اطمینان قلب کی ضرورت ہو وہاں روشن خیال اور غیر تعصب علماء سے مدد لے سکتی ہیں۔ آپ کے سامنے تاریخ اور سیمین ان احکام کا بکثرت اور واضح نمونہ عمل بھی موجود ہے اس لئے حیثیت مسلمان کے آپ

پہلے ان واجب التعمیل احکام کا مطالعہ کریں اور پھر آپ خود بھی بہتر فیصلہ کریں گی۔
اس قدر نصیحت ضرور کروں گی کہ اس انقلابی حالت میں اس وقت تک کوئی راستہ
اختیار نہ کریں جب تک غور کامل اور معلومات کافی حاصل نہ کریں:-

لیکن سرکارِ عالمیہ مسلمان عورتوں کو چھوٹی موٹی کی پتی بنانا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کی عین آرزو
تھی کہ مسلمان عورت میں علم کے ساتھ ہی بہادری اور بہمت کی وہ حقیقی روح موجود ہو جو عہدِ عربِ اسلام
کی خواتین میں تھی اور اسی بنیاد پر انھوں نے اپنے ملک میں گرل گائڈ کی تحریک کو قبول کیا اور اس کو
نمائشی نہیں بلکہ اصلی رنگ میں لانے کی کوشش فرمائی۔

سرکارِ عالمیہ نے اس تحریک کا اجرا اور اس کی حمایت جس اصول پر کی وہ ان کی تقریروں سے
نمایاں ہے اور کون اس بدیہی امر سے انکار کر سکتا ہے کہ قومی زندگی کے لئے عورتوں میں ایسی اسپرٹ
پیدا ہونے کی اس قدر ضرورت ہے۔ -



خواتین کے نام پیغامِ احسریں

۱۹۳۷ء میں پرنس آف ولز لیڈرز کلب میں ہدایت اعلیٰ انتظامات کے ساتھ ہفتہ اطفال
منایا گیا تھا جس کا افتتاح سرکارِ عالمیہ کے دست مبارک سے ہونے والا تھا لیکن دو تین دن قبل
مزاج گرامی ناساز ہو گیا اس لئے بذاتِ خاص تشریف نہ لاسکیں تاہم اس موقع کے لئے پیغام
شفقت تحریر فرما کر بھیجا جو سرکارِ عالمیہ کے شیخانہ و ہمدردانہ خطباتِ عالمیہ میں سب سے آخری مخاطبت
ہے۔ اس کی مخاطب اگرچہ خواتین بھوپال تھیں لیکن بالواسطہ تمام خواتین ہندوستان اس کی مخاطب ہیں۔
”میں اپنی اس مسرت کو بیان نہیں کر سکتی جو مجھے ان کوششوں کو دیکھ کر ہوئی ہے جو

۱۵ اس نمائش کا افتتاح علیا حضرت جناب ہر بانئ من میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ دم اقبالہا
نے فرما کر حضورِ محمدؐ کے اس پیغامِ عطاؤت کو سنایا۔

اعلیٰ حضرت نواب سکندر صولت افتخار الملک بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ اور ان کی گورنمنٹ کے اکیان و عہدہ داران رعایائے بھوپال کی ترقی کے متعلق عمل میں لارہے ہیں آج کے پُرسرست جلسہ میں ضرور شریک ہونی لیکن میری عدم شرکت کی وجہ محض اصول حفظِ صحت ہی کی پابندی ہے جس کے متعلق میں ہر فرد انسانی کے لئے متمنی ہوں۔

آپ یقین کریں کہ میں اس وقت چشمِ تصور سے آپ کے جلسہ اور آپ کے جویشنز اہماک کو دیکھ رہی ہوں اور اپنے دل میں اسی مسرت کا اساس پاتی ہوں جو غیر محدود و مستقل کی اصلی مثالوں سے لبریز ہے ساتھ ہی میں اس دُعائیں مصروف ہوں کہ خداوندِ جلّ و علا آپ کے فیاض و عزیز فرمانروا کے سایہ عاطفت میں آپ کو قہرِ سم کی سرسبز عطاکرے اور ان تمام ترقیوں میں جو ایک تمدن ملک کے باشندوں کو حاصل ہوتی ہیں روز افزوں اضافہ کئے۔

آج جس غرض اور جن مقصد کے لئے آپ سب جمع ہیں وہ ایسا اہم مقصد اور ایسی عظیم الشان غرض ہے کہ جس کی تکمیل کے لئے تمام دُنیا کے باشندے خواہ وہ کسی ملکِ ملت سے متعلق ہوں آرزو مند رہتے ہیں آفرینش کی ابتدا سے انسان کی روح کی گہرائی میں اس کا جذبہ و ولایت کیا گیا ہے اور انسانی ارتقا کے ہر دور میں اس کے ساتھ وابستہ رہتا ہے ہم اس مقصد و غرض کو "تندرستی اطفال" یا اصولِ حفظانِ صحت کے مطابق بچوں کی غور و پرداخت کے مختصر جملوں میں بیان کر سکتے ہیں اس کا نہ صرف قوموں اور ملکوں کی ترقی و منزل اور آزادی و غلامی سے تعلق ہے بلکہ وہ انسانی انفرادی زندگی کے ہر مرحلہ سے بھی تعلق رکھتا ہے اور اس لئے ہر اُس گھر میں جہاں کوئی بچہ ہے ہم اس کو محبت کے پاکیزہ جذبہ کے ساتھ نمایاں طور پر دیکھتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی ناقابلِ تردید ہے کہ اس کے حصول کی تدبیر میں عموماً غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور جب وہ غلطیاں مسلسل اور متواتر ہوتی ہیں تو انفرادی نقصان کا مجموعی اثر اقوام و ملل تک پہنچتا ہے اس بنا پر متمن قوموں نے زمانہ تعلیم کی اشاعت اور تربیتِ اطفال کے باقاعدہ طریقوں کو رائج کر کے ان غلطیوں اور ان کے ہلاک اثرات کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور کاملِ اصولِ حفظِ صحت پر بچوں کی تربیت کے لئے وسیع پیمانہ پر انتظامات کئے ہیں

بھوپال میں بھی آپ کے بیدار مغز اور فیاض فرمانروا نے ایسے انتظامات کی وصحت تکمیل پر اپنی توجہات کو فیاضانہ طور پر بندول کیا ہے اور آپ کی خوش قسمتی سے ان انتظامات کا تعلق ہزارائی نس کی گورنمنٹ کے ایک ایسے رکن حکومت سے ہے جو علوم حفظانِ صحت میں مستند اور ماہر شخصیت ^{سلطہ} ہے اور جو نہایت جوش و اہنگ کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہے تو اب تمام رعایائے بھوپال کا یہ کام ہے کہ وہ ان انتظامات سے فائدہ حاصل کرے۔ مجھے یقین ہے کہ رعایائے بھوپال ان انتظامات سے بہرہ کافی حاصل کر کے اپنی اور اپنی نسلوں کی صحت و تندرستی کی حفاظت کرے گی۔

رعایائے بھوپال کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ وہ بہت سی بہترین روایات کی حامل ہے ایک صدی سے کچھ ہی زیادہ عرصہ گزرا کہ جب بھوپال کی رعایا نے شہر کی فصیلوں کے اندر و باہر دو زبردست حملہ آوروں کے مقابلہ میں جو ان سے دس بار گنا زیادہ تھے مدافعتِ جنگ میں نہ صرف اپنی ہستی کو فدا ہونے سے بچا لیا بلکہ تاریخ میں ایک لازوال شہرت حاصل کر لی۔ اس کی وجہ ان کے جسمانی قوی کی مضبوطی اور دل و دماغ کی قوت ہی تھی۔ اسی طرح امن و امان کے زمانہ میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں اور ان ہی کی ذہنی قابلیتیں نشو و نما پاتی ہیں اور ان ہی کے دماغ صاف و بیدار ہوتے ہیں جن کے قوائے جسمانی کی نشو و نما بہترین طریقوں پر ہوتی ہے۔

اصلاح رسوم

سرکارِ عالیہ اصلاحِ رسوم کی زبردست حامیوں میں تھیں اور اس کے علمی امثال و نظائر سے ان کی زندگی کی کوئی شاخ خالی نہ تھی علاوہ اس کے وہ جہشیت ایک مصلح کے ہمیشہ اپنا فرض سمجھتی تھیں کہ اصلاحِ رسوم کا خیال جہاں تک ممکن ہو عام ہو جائے اور ہر خاندان اس کو اختیار کرے جو عورتیں

سلطہ عالی مرتبت ڈاکٹر سعید الظمخانی مشیر المہام صیغہ تعلیمات و حفظانِ صحت -

مشرقیاب حضوری ہوتیں اُن کو اخلاق و مذہب اور عقلی مصلحت اندیشیوں کے مختلف و مؤثر پیرایوں میں عموماً نضالِ دل پذیر فرماتیں تاکہ رفتہ رفتہ رسم و رواج کی بندشیں و پھیلی ہوتی جائیں اور عورتوں کے خیالات روشن ہوں چنانچہ اسی خیال سے فردوسی سلاطین میں پرنس آف ویلز کلب کے جلسہ میں ایک زبردست تقریر بھی فرمائی تھی جس کی تہدید میں فرمایا تھا کہ:-

”مجھے ایک عرصہ سے اس امر پر یقین ہے کہ اگر مسلمانوں کی تقریبات کی رسومات میں اصلاح ہو جائے تو ایک بڑی حد تک افلاس کی مصیبت دور ہو جائے گی اور ان کو گناہوں اور بد اخلاقیوں سے جو ان رسومات کا لازمی نتیجہ ہیں نجات ملے گی۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے ان فضول اور غیر شرعی مراسم کا میلان عورتوں میں بہت زیادہ ہے اور اگر عورتیں ان رسومات کو مٹانا چاہیں تو بے آسانی نہ ٹا سکتی ہیں میرا خیال دقیقین نیا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے ہے جس قدر عقلمند لوگ گزرے ہیں اور موجود ہیں سب کچھ ہی خیال اور یقین ہے۔ میری والدہ نوابشاہ جہاں بیگم صاحبہ کبھی اسی پر غور نہ کرتی تھیں چنانچہ ہمیں سے بعض نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ میری خادی میں کئی فضول اور نامشروع رسم ادا نہیں کی گئی تھی اور حتی الامکان دوسروں کے لئے بھی اسی کی کوشش کی تھی۔ مسلمانوں میں اس وقت جو رسم جاری ہیں اُن میں کچھ تو وہ ہیں جو غیر اقوام کے میل جول سے پیدا ہوئیں لیکن بالآخر مسلمانوں کی قومی رسمیں بن گئیں اور کچھ وہ رسمیں ہیں جن کو مذہب نے بتایا اور اخلاق و اسلام میں داخل ہوئیں۔ اور وہ مسلمانوں کے لئے واجب و مسنون ہیں لیکن ان میں بھی افراط و تفریط کر کے نہایت مضر بنا لیا ہے۔“

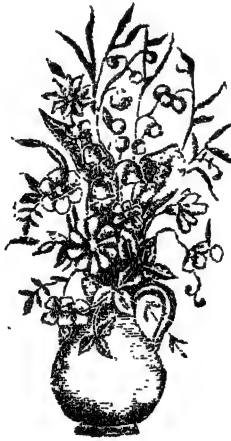
اس کے بعد پھر تمام رسوم پر ایک جامع تبصرہ تھا جو خواتین اسلام کے غور و مطالعہ کے قابل ہے۔ اس اصلاح کے سلسلے میں ایک موقع پر قاضی ریاست کو اُن کی سفارش پر اس طرح توجہ دلائی ہے کہ:-

”قاضی صاحب کو خود اس جانب توجہ کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کو اسراف سے روکیں۔ چھ روپے تنخواہ والے کو کیا بیٹیں روپے بچاؤ منترعی میں کافی نہیں ہیں۔ قاضی صاحب خود غور کریں

کہ اسلام نے ہر بات کو کس قدر آسان کر دیا ہے۔ اگر لڑکی کو جہیز دینا ہے تو قاضی صاحب کا ردائی ہر محل کی کر کے زیور بنا سکتے ہیں۔

ہم کبھی تقریبات میں فضول خرچی روا نہیں رکھتے۔ خصوصاً علما و شرع متین کو ایسی سفارشات سے علیحدہ رہنا چاہیے جو خلاف سنت اور داخل اسراف ہوں۔

لیکن ایک دوسرے موقع پر اخراجات تقریبات کے معیار کو بھی اس طرح بتا دیا ہے کہ:-
 ”آپ تمام صاحبان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کو فضول رسوم سے نفرت ہے اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نے دیا ہے تو تقریبات میں رسوم کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچایا جائے کیونکہ بعض یہی ایسی ہوتی ہیں کہ جن سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن یہ سب متمول ہونے پر منحصر ہے یہ نہیں کہ خود کھانے کو نہیں مگر تقریبات کر کے اور زیر باری میں پھنس گئے۔“



سفر و سیاحت

سرکار عالیہ نے صد تیس ہونے کے بعد تیس سال کے دوران میں ہندوستان اور ہندوستان کے باہر متعدد سفر کئے، شہنشاہی دربار: اس وقت کے انگریزوں میں شریک ہوئیں بعض ریاستوں میں عزیزانہ مراسم کے لحاظ سے بحیثیت مہمان تشریف لے گئیں۔ چند مرتبہ علی گڑھ میں وزیر اور چانسلر کی شان سے رونق افروز ہوئیں، بیرون ہند اس لئے جج اور جج ایڈوکیٹ ریمٹمنٹ کے لئے حرمین شریفین گئیں۔ اور دو مرتبہ یورپ کا سفر کیا۔ ان سفروں میں سرکار عالیہ نے ہمیشہ ”سیرو و فی الارض“ کے منشا کو ملحوظ رکھا اور بہترین نتائج اخذ کئے۔

ہندوستان کے سفر

سفر ہندوستان کے سلسلہ میں سب سے پہلے ۱۸۵۲ء کے دربار کارونیشین منعقدہ دہلی دہلی میں شریک ہوئیں دربار ۱۸۵۲ء کے بعد یہ دوسرا موقع دارالسلطنت دہلی میں شہنشاہی تقریب کی شرکت کا تھا۔

سرکار عالیہ کا کمپ بھنگ کی طرح پرنسپل کیا گیا تھا جس پر ایک سبز جھنڈا شان و شوکت کے ساتھ نمایاں صورت میں لہرا رہا تھا اس پر ہلال کا خوشنما دائرہ اور زرد و زری سے عربی فارسی کے درخندہ طعنے صاف ظاہر کر رہے تھے کہ یہ ایک مسلمان والئی ملک کا کمپ ہے، اس کمپ میں سب سے زیادہ قابل دید چیز ایک اونچی قنات تھی جو وسط میں نصب کی گئی تھی اور چاروں طرف سے پردہ نشاہی کا احاطہ کئے ہوئے تھی، باغ نہایت خوبصورتی سے لگایا گیا تھا اور صبح سے شام تک ریاست کا شہر بنیڈ بجا رہتا تھا۔

دیراکسلینڈو میرائے اور لیڈی کرزن، دیررائل ہائینسز ڈیوک اور ڈچر آف کنٹ کے خاندان

کے وقت سرکار عالیہ کے لئے پلیٹ فارم پر ڈیروں کی قطار کھے واسے سرے پر ایک چھوٹا سا
نگین شامیانہ نصب کر دیا گیا تھا جس کے دروازہ پر زلفیت کی چلن پڑی ہوئی تھی سرکار عالیہ اسی میں
تشریف فرما ہوئیں اور دیر اکیلینز اور ڈوک وڈ چر آف کناٹ نے شامیانہ کے پاس تشریف لا کر
ملاقات کی۔

یکم جنوری کو جب ایفی تھیٹر میں ہز اکیلینسی دیس رائے کی تقریر کے بعد روسا پیش ہوئے تو سرکار عالیہ
نے بھی اپنی جگہ سے نہ نٹن تک تشریف لے جا کر پرنسپل ہونے کی وجہ سے اپنی مبارکباد بصورت
تحریر پیش کی جو ہاتھی دانت کے ایک کاسکٹ میں رکھی ہوئی تھی اور کاسکٹ متعدد پیش بہا جواہرات سے
مُصع تھا جس پر نواب احتشام الملک عالی جاہ جنت آشتیاں اور تینوں صاحبزادوں کی تصویریں کندہ
تھیں اس کے بعد دیگر خاص خاص تقریرات دربار میں شرکت کی۔

۱۹۱۱ء کا دربار دہلی | دوسری مرتبہ ۱۹۱۱ء کے مشہور دربار تاجپوشی میں شریک ہوئیں جب دربار
خاص میں حضرت شہنشاہ معظم نے باریابی عطا فرمائی تو سرکار عالیہ
نے اس موقع پر ایک فصیح و مختصر تقریر میں مبارکباد دی اور ایک ایڈریس پیش کیا جو کشتی کی شکل کے کاسکٹ
میں رکھا ہوا تھا اور اُس کے کمروں میں سرکار عالیہ اور خاندان کے ممبروں کی تصویریں تھیں اور اس کشتی
کو ہندوستانی ملاح کھے رہے تھے۔

ایڈریس پیش کرتے ہوئے سرکار عالیہ نے انگریزی میں کہا کہ :-
”یہ تحفہ ہمارے جہانزاد بادشاہ کے لئے ہے۔“

ملک معظم نے بہت پسند فرمایا اور ارشاد کیا کہ یہ تحفہ میرے شوق کے مطابق ہے۔
سرکار عالیہ کا یہ زمانہ قیام درباروں اور تقریروں میں شرکت کے علاوہ مختلف النوع مصروفیتوں میں گذرا۔
اس موقع پر ایک معزز انگریز خاتون میری فرانسس لینڈنگٹن بھی بطور ستیاج آئی ہوئی تھیں اور
تادمہ مرتبہ سرکار عالیہ سے ملاں انھوں نے ممی سلطانہ کے دوٹین میگزین میں جولندن کا ایک موقر سالہ
سے سرکار عالیہ کے مختصر حالات تحریر کرتے ہوئے اپنی ملاقات کا حسب ذیل تذکرہ کیا ہے۔
”جب میں دربار کے موقع پر دہلی گئی تھی تو مجھ کو اپنی خوش نصیبی سے ایک بار سے زیادہ علیا حضرت
سے ملنے کا موقع حاصل ہوا آپ کا شاندار خیمہ تھا خاص ملاقات کے.....“

خیمہ میں ملک معظم اور ملکہ معظمہ کی تصویریں تھیں جو ملک معظم اور ملکہ معظمہ نے خود عطا فرمائی تھیں یہ تصاویر خوبصورت رنگا رنگ جینی چوکھٹوں میں لگی ہوئی تھیں۔ نادرو کیا بقالین بچھے ہوئے تھے اور پہلوؤں میں خوبصورت ریشم کے پردے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔

دربار کے اگلے دن علیا حضرت خاص خاص یوہین خواتین اور نیز بہت سی انیوں اور دیگر ہندوستانی خواتین کو سہ پہر کے وقت پارٹی میں مدعو فرما رہی تھیں آپ نے مجھ کو یہ اتخار بخشا تھا کہ میں دیگر مہانوں سے نصف گھنٹہ پیشتر آؤں تاکہ کچھ لطف گفتگو رہے چنانچہ میں قریب قریب انگریزی اور امپریل افواج کے شاندار منظر کو دیکھ کر براہ راست آئی تھی۔

فطرتی طور پر آپ کا پہلا سوال یہ تھا کہ ہندوستان کے باقی ماندہ بڑی رسالوں کے ساتھ ساتھ وکٹوریہ لائسنسز بھی اچھا معلوم ہوتا تھا یا نہیں؟

میں نے علیا حضرت کو یقین دلایا کہ پریڈ کے وسیع میدان میں وکٹوریہ لائسنسز کے مقابلہ میں کیا مارچ پارٹ کیا پر جوت اور سرپ رنٹا میں کسی نے بھی اس سے زیادہ بچھڑتی اور بہادری کا ثبوت نہیں دیا۔

اگرچہ صبح آپ کے لئے مایہ ناز تھی لیکن افسوس کی گھٹا بھی چھائی ہوئی تھی آپ کے منجھلے فرزند (جو آپ کو اس لئے زیادہ عزیز ہیں کہ انھوں نے ایک نیک مسلمان کی حیثیت سوسے نمایاں اعزاز حاصل کیا تھا یعنی وہ حافظ قرآن ہیں) سخت بیمار تھے اور وہ ان بڑی بڑی تقریبات میں بالکل شریک نہ ہو سکے اس واقعہ سے چند روز پیشتر علیا حضرت نے ملکہ معظمہ سے اس موقع پر جبکہ ملکہ معظمہ نے آپ کو تخلیہ میں شرف باریابی عطا فرمایا تھا (اپنی پریشانی خاطر کا اظہار کیا تھا) ملکہ معظمہ نے جو ہر وقت ہمدردی کے لئے تیار رہتی ہیں اور جو ان کی طبیعت کا خاتمہ ہے) اپنے خاص سرجن سر ہوبلاک چارلس کو اس نوجوان کے دیکھنے کے لئے بھیجا تھا۔ سرجن کو کو نے جو رائے دی وہ بالکل سرت خیز نہ تھی چنانچہ جب علیا حضرت اس امر کا تذکرہ فرماتی تھیں تو اُن کے چہرے سے غم کی جھلک نظر آتی تھی اور اُسی کے ساتھ آپ کی اس شکر گزاری اور افتخار کا اظہار بھی صاف صاف نمایاں تھا جو ملکہ معظمہ کی چارتر تشریش خاطر سے پیدا ہوا تھا۔

میزبان کی حیثیت سے آپ بہمہ وجہ کامل تھیں ہر شخص بے تکلف تھا آپ اپنی فہانت

اور اوراک سے معلوم کر لیتی تھیں کہ ہر ایک مہمان کو کس کس بات سے خاص دلچسپی ہے، چاہے اور انواع و اقسام کی بہ کثرت یورپین انداز کی کیک کے ساتھ ساتھ عجیب و غریب مشرقی ٹھٹھایاں بھی موجود تھیں اور بڑے بڑے پھلوں کے نمونے شکر پر نقش تھے جو جہلی معلوم ہوتے تھے۔

اس خاص موقع پر نہیں بلکہ اس سے پہلے تقریب دربار کے موقع پر آپ نے ایک بڑی بیاری بات کہی کسی حرف گیر شخص نے یہ شکایت کی تھی کہ جلوس کے وقت ملک معظم اور ملکہ معظمہ کی سواری کے لئے ہاتھی نہ تھے یہ کسر ضرور رہ گئی۔ علیہا حضرت نے آہستہ سے کہا، کیوں ہلکتے ہیں نے حسب معمول نپا تلا جواب دیا کہ مشرقی شان و شوکت کے لئے یہ ضروری ہے غرض کہ اس قسم کی باتیں کیں علیہا حضرت نے کسی قدر زور سے جواب دیا کہ ”لا حول ولا قوۃ یہ بھی کوئی بات ہے۔ دہلی کا پہلا فاتح گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا ملک معظم جارج نے بھی جو ہمارے دلوں کا فاتح ہے یہی کیا ہے۔“

اس دربار کے بعد بھی متعدد مرتبہ دہلی جانے کا اتفاق ہوا۔ روسا، ہند کی اعلیٰ تعلیم کی کانفرنس اور چیف کانفرنسوں کے اجلاسوں میں شریک ہو کر نہایت بیدار مغزی اور دل چسپی سے عملی حصہ لیا اور کانفرنس اور رائل بعد اس ڈور میں بھی شریک ہوئیں جو روسا، ہند نے امپریل وار کانفرنس کے ہندوستانی ممبروں کو دیا تھا۔ دوسرے موقع پر آئرلینڈ مسٹر مانینگو سے بھی ملاقات ہوئی اور دیر تک مختلف معاملات پر گفتگو ہوتی رہی۔ لیڈی ہیملی کی درخواست پر دہلی میں ایک زنانہ باغ کا افتتاح کیا جس کا انتظام لیڈی موصوفہ نے ہندوستانی عورتوں کے لئے کیا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں آل انڈیا یو مینس ایسوسی ایشن کے شعبہ تعلیم نسوان کی صدارت فرمائی اور ۱۹۲۹ء میں چائلڈ اینڈ میٹر نیٹ ویل فیئر کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائیں لیکن نارسا ذی طبیعت کی وجہ سے شریک نہ ہو سکیں۔

چونکہ یہ مقام سنٹرل انڈیا کا ہیڈ کوارٹر ہے اس لئے سرکار عالیہ کو یہاں کئی مرتبہ تشریف اندور لے جانے کا اتفاق ہوا۔

۱۹۲۷ء میں ہزار ایل ہائمنس پرنس آف ویلز (یعنی شہنشاہ ملک معظم جارج پنجم) سے یہیں ملاقات ہوئی۔ اور حضور مدوح الشان نے سرکار عالیہ کو جی، سی، آئی، ای کا متعہ عطا فرمایا۔ ڈیلی کالج کونسل کے اجلاس اندور ہی میں منعقد ہوتے ہیں اور ان اجلاسوں میں عموماً

تشریف لے جاتی تھیں۔

پہلی مرتبہ جب سرکار عالیہ اس اجلاس میں شریک ہوئیں تو کونسل کا رنگ بدل گیا اور آریسل کرنل ڈیلی نے اس کا اعتراف ہمارا اجہ سیندھیہا کے خاص الفاظ میں اس طرح کیا کہ :-
”مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب یورہائیٹس پہلی مرتبہ ڈیلی کالج کی مینجنگ کمیٹی کے ایک جلسہ میں شریک ہوئی تھیں تو ہمارا اجہ سیندھیہا نے اسی جلسہ سے واپس آکر ہم سے کہا تھا کہ اس سے پہلے تمام معاملات ایسی صفائی اور خوش انتظامی کے ساتھ طے نہیں گئے۔“

۱۹۱۱ء میں شملہ تشریف لے گئیں جہاں لارڈ مینٹون نے جی، سی، ایس، آئی کا متعہ دیا۔ اس موقع پر سرکار عالیہ نے پہلی مرتبہ یورپین بچوں کا فنیسی بال ملاحظہ کیا۔ لیڈی ڈین کی پارٹی میں بہت سی ہندوستانی خواتین و بگیاات سے ملاقاتیں ہوئیں۔

اسی سال کے آخر میں الہ آباد کی مشہور عالم نمائش کو بہ نظر معائنہ ملاحظہ فرمایا۔ یہاں الہ آباد مہامنڈل بھاکے جلسہ میں شریک ہوئیں جو رانی پرتاب گڈھ نے قائم کی تھی۔ اس جلسہ میں حضور ممدوحہ کا ارادہ کسی تقریر کا نہ تھا لیکن تمام تقریریں انگریزی میں ہونی تھیں اور بہت زیادہ عورتیں نہ تو ان کو سمجھ سکتی تھیں اور نہ کارروائی میں حصہ لے سکتی تھیں۔ اس لئے حضور ممدوحہ نے اردو میں تقریر کر کے مہامنڈل بھاکے فوائد وغیرہ بیان کئے اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

۱۹۱۱ء کے موسم گہوارا کا کچھ حصہ بوری میں گزارا تھا اور مراجعت فرماتے ہوئے محمدان کالج کے معائنہ کی غرض سے علی گڑھ میں قیام فرمایا کلاسوں کو بحالت تعلیم ملاحظہ فرما کر سائنس لیبارٹری اور بورڈنگ ہاؤس، لٹن لائبریری، اسٹریچ ہال، نظام میوزیم، اسکول اور انگلش ہاؤس وغیرہ کا معائنہ کیا، سرسید، سید محمود، اور نواب محسن الملک کے محاربات پر فاتحہ پڑھی اور مسجد بھی۔ دوران معائنہ میں مختلف سوالات اور رہارک کئے زنانہ اسکول اور اس کی عمارت کے نقشہ ملاحظہ فرمائے اور اسکول کے متعلق ہر مسئلہ پر خیالات کا اظہار فرمایا۔ شام کو خواتین سے ملاقات کی اور زنانہ مسائل پر گفتگو رہی۔

پھر ۲۵ فروری ۱۹۱۱ء کو تشریف لے گئیں اور اس موقع پر کئی دن تک قومی کاموں میں مصروف رہیں۔ زنانہ بورڈنگ ہاؤس اور زنانہ کانفرنس کا افتتاح اور صدر دفتر کانفرنس ”سلطان جہاں منزل“

کاسنگ بنیاد نصب کیا۔

اس سفر میں بمبئی کی ممتاز خاتون زہرہ بیگم فیضی بھی معیت میں تھیں جو واقعہ نگاری میں یدِ طولیٰ رکھتی ہیں انھوں نے تمام واقعات سفر کو قلمبند کیا جو قوی نقطہ نظر سے بھی بہت دلچسپ ہیں وہ لکھتی ہیں کہ:

”ہم لوگ یعنی ہر بانی سن نواب بیگم صاحبہ خیرہ اور میں سرکار عالیہ (فرمانروائے بھوپال)

کے ساتھ ۲۵ فروری کو سویرے علیگڑھ روانہ ہوئے سرکار عالیہ کا سیلون نہایت نفیس اور

اسباب آرائش سے معمور ہے۔ ہلکے آسمانی رنگ کا فرنیچر ہے اور ایسے ہی پردے اور

قالین وغیرہ ہیں جس سے موزونیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ لکڑی کی چیزوں پر بھی گھنے نقش

و نگاریں جو نہایت نفوذ میں خواجگاہ میں تمام ضروری چیزیں موجود ہیں اور بڑے آرام کے

ساتھ سفر ہو سکتا ہے گول کمرہ اگرچہ کشادہ ہے مگر اسی کے ساتھ اور بھی کمرے ہیں غرض

اس سیلون میں سفر کرنے سے کلیقات سفر جہاں تک ممکن ہے ضرور دور رہتی ہیں۔ مجھے

پہلے ہی دفعہ اس میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا لیکن سرکار عالیہ کی صحبت ہی بجائے خود ایک

عجیب نعمت ہے۔ آپ کی بیدار مغزی و دراندیشی اور ذہانت حیرت میں ڈال دیتی ہے آپ کے

ہم سفر ہونے میں ہم دونوں کو عجیب لطف حاصل ہوا۔ چونکہ ہماری گاڑی قریباً نصف گھنٹہ

لیٹ جاتی، ٹوئڈلہ میں پنجابیل نہ مل سکا۔ اس لئے وہاں فوراً آپیشیل تیار ہوا اور ہم سب

الاجتہ بچتے علیگڑھ داخل ہوئے۔ اسٹیشن پر صاحبان ذوی الاحترام مع مسبب ان

اشراف خیر مقدم کے لئے موجود تھے۔ ان سب صاحبوں کو پرنس حمید اللہ خاں سلمہ اللہ

تعالیٰ نے سیلون ہی میں سرکار عالیہ کے حضور میں باریاب کرایا اس کے بعد سیلون لپی

جگہ لگایا گیا جہاں پردہ کا انتظام تھا۔ وہاں ہم سب اترے اور روار ہو کر پہاڑوں کے آگے

جو پارٹی کے قیام کے لئے تجویز کیا گیا تھا۔ اس موٹر کو خود پرنس لائے تھے اور یہ دیکھ کے

مجھے تو بہت اچھا معلوم ہوا کہ اپنی والدہ کے بار محبت کو پرنس آپ اٹھائے چلے ہیں۔ پہاڑوں

نواب فیاض علی خاں صاحب وزیر جے پور کی کوٹھی ہے اور نہایت آرام دہ اور وسیع ہے

لے یعنی ٹرسٹی صاحبان۔

کالج کے جلسہ محرز جہاں اس کو بھی میں مقیم ہوتے ہیں۔ بہت سی بی بیاں روز ملاقات کے لئے آتی تھیں اور سرکار عالیہ ان لوگوں کو کیسے نکل، بردباری اور عمدگی سے تعلیم نہاں کے لئے ترغیب دلاتی اور بحث کرتی تھیں۔ سرکار عالیہ اس قدر سادہ مزاج ہیں اور ایسے ملائم لہجہ اور مؤثر الفاظ میں گفتگو کرتی ہیں جس سے لوگوں کے دل سخر ہو جاتے ہیں۔ بخود ایک اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ اتنا تو میں یقین کرتی ہوں کہ انھوں نے طبقہ نہاں کے اُبھارنے میں جو کوششیں کی ہیں اور کر رہی ہیں اگر لڑکیوں کی قسمت سیدھی ہے تو ان ہی کے عہد حکومت میں ان کیلئے ضرور کچھ تو ہو جائے گا۔

۲۷ فروری کو سرکار عالیہ نے عمارت کانفرنس کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور ایک مفید تقریر فرمائی۔ وہاں بڑی رونق اور بڑا مجمع تھا۔

۲۸ فروری کو اسٹریچی ہال میں ٹرسٹیان کالج کا ایڈریس قبول فرمایا اور یہ ایک نیا قدم تھا کہ گیلری میں خواتین کے لئے بھی انتظام تھا۔ سُنتی ہوں کہ بعض اشخاص نے اس انتظام پر اعتراض کیا تھا۔ جدا جانے کب یہ تقصبات دُور ہوں گے اور یہ لوگ احکام الہی کو سمجھیں گے۔ خیر ۱۲ بجے تک تمام ہال طلبائے کالج اور معزز آدمیوں سے بھر گیا۔ سب کو کچھ عجیب فرحت پیدا ہوتی ہے۔

تمام لڑکوں کے سر پر سرخ فز (ترکی ٹوپی) نے ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی اور جب وہ ہلتے یا چلتے پھرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ بحر احمر لہریں مار رہا ہے۔ اس وقت اتفاق سے ترکی ہلالِ احمر کے ممبران ڈاکٹر عدنان بے اور ڈاکٹر کمال بے بھی جو علیگندھ میں موجود تھے شریکِ جلسہ تھے۔

صاحبِ کلکٹر ضلع، صاحبِ کمنشنر اور صاحبِ انسپکٹر جنرل پولیس اور چند یورپین لیڈرز جنٹلمین بھی موجود تھے غرض تمام ہال آدمیوں سے بھرا ہوا تھا۔

نواب حاجی محمد اسحاق خاں آنریری سکریٹری نے اجازت کے بعد بجانب ٹرسٹیان ایڈریس پڑھا۔ ایڈریس کے بعد سرکار عالیہ نے ایک دل چسپ تقریر فرمائی۔

اس تقریر کے وقت عجب قسم کی متضاد کیفیتیں پیدا ہوتی تھیں کبھی زور و شور کے چیر ز ہوتے تھے کبھی ایک ایسا سنا ہوتا تھا جو شفقانہ لُصاح کے اثر سے ہوتا ہے۔ اسپیج قریباً ۲۰ منٹ میں ختم ہوئی۔

شام کو کرکٹ کے میدان میں تشریف لے گئیں۔ وہاں کالج کی باہمی مقابلہ کرنے والی ٹیموں میں سے کامیاب ٹیم کو شیلڈ عنایت فرمایا۔ آج کل کالج کے کپتان پرنس حمید اللہ تھا ہیں اور جب سے یہ کپتان ہوئے ہیں کرکٹ کو خاص رونق ہو گئی ہے ان کی ٹیم مشہور اور بڑی بڑی ٹیموں کو ہرا چکی ہے یہ بھی عجب حُسن اتفاق ہوا ہے کہ کالج کے اس معت ابلہ کی کامیاب ٹیم کا کپتان بھی بھوپال کا طالب علم تھا جو سرکار عالیہ کی فیاضی کی بدولت کالج میں تعلیم پا رہا ہے جس وقت شیلڈ لینے کے لئے اس طالب علم کا نام پکا لگایا اور وہ سامنے آیا تو بڑے زور و شور کے ساتھ چیر ز دیئے گئے چونکہ کرکٹ کے مصارف بہت ہیں اور کرکٹ ٹیم کالج کی عزت و شہرت کا باعث ہے اس لئے سرکار عالیہ نے دوسروں پر یہ مہوار اس کلب کو عطا فرمائے یہاں سے ٹرسٹیوں کے کلب میں تشریف لے گئیں اور وہاں بھی تعلیم نسواں کے متعلق بہت دیر تک بحث ہوتی رہی۔

ڈاکٹر ضیاء الدین جو اپنی تعلیم کے لحاظ سے ہماری قوم میں ایک بڑے ممتاز شخص ہیں افسوس ہے کہ تعلیم نسواں کے متعلق محدود خیالات رکھتے ہیں۔ اس موقع پر ان سے بہت پُر لطف گفتگو ہوئی۔

اس تقریر کو کالج کی ان تمام تقریروں میں جو آج تک اسٹریچی ہال میں کی گئی ہیں سب سے اعلیٰ شمار کیا جاتا ہے ہر بانی نس نے کالج کے چہرے پر سے نفتاب اٹھا کر یہ تقریر کی تھی اور تمام اہم مسائل پر انھوں طلباء و اسٹان اولڈ بوائز اور ٹرسٹیز، مشیعہ سنی کے تعلقات، کالج کی توسیع و انتظامات، اس کی عظمت و شہرت، طلباء و اسٹان کے فرائض، گورنمنٹ کے ساتھ تعلقات، محسنین کے احسانات سب پر اپنے خیالات ظاہر فرمائے۔ اس تقریر کے اس حصہ میں جہاں طلباء کو خاص طور پر مخاطب کر کے نصیحت فرمائی ہے وہ نہایت پُر اثر ہے۔ ۱۲

یکم مارچ کو وہ جلسہ ہوا جس میں قومی ترقی کی علامتیں نظر آتی تھیں ٹھیک گیارہ بجے سرکار عالیہ کے ہمراہ ہم دونوں اسلام آباد بورڈنگ اسکول کی رسم افتتاح دیکھنے کے واسطے گئے، ہم لوگ بورڈنگ کے پھانک پر اترے۔ اور سرکار عالیہ سلطانہ بورڈنگ ہاؤس کا سنگ بنیاد رکھنے تشریف لے گئیں، سرکار عالیہ نے اس بورڈنگ کا سنگ بنیاد رکھنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن جب وہاں تشریف لے گئیں اور شیخ عبداللہ نے اس کی فوری ضرورت کی ایڈریس میں ظاہر کیا اور ان کو سرکار عالیہ نے قابل توجہ سمجھا تو سنگ بنیاد رکھنا منظور کیا اس رسم کے وقت بھی سرکار عالیہ نے جبتہ اور زبانی تقریر فرمائی اور نہایت فصاحت کے ساتھ تعلیم نوں کی ترقی و اشاعت کی طرف توجہ دلائی۔

ہم بورڈنگ اسکول کے پھانک میں داخل ہوئے وہاں عجب نظارہ دکھائی دیا معزز بیگمات اور خواتین موجود تھیں۔ تقریباً دو سو سے زائد بی بیائیں اور بچے تھے پھانک سے بورڈنگ ہاؤس تک سب کے سب مختلف رنگ مختلف وضع کے لباس پہنے دھوپ میں بے سایہ کھڑے تھے یہ دیکھ کر مجھے بہت برا معلوم ہوا کہ اس قدر بے انتظامی ہے، کاش شامیانہ ہی لگا دیا ہوتا کہ تمازت آفتاب سے چہرے نہ جھلسے جب ایسی بدظنی ہوتی ہے تو جلسہ کی خوشی بھی کافور چلتی ہے آنے والیاں کیا کہہ سکتی تھیں وہ طوعاً و کرہاً اغماض کر گئیں.....

ہرانی انس یکم صاحبہ بخیرہ ادریس بی بیوں سے کچھ لے کچھ نہ لے اور بورڈنگ میں چلے گئے اور وہیں سرکار عالیہ کا انتظار کرتے رہے۔ ہماری طاقت سے باہر تھا کہ ہم ایسی سخت دھوپ کی تکلیف برداشت کر سکتے البتہ سایہ میں بیٹھ کر رنگا رنگی جگمگاتے لباس دُور سے دیکھنا ایک حد تک لطف پیدا کرتا تھا لیکن جب یہ خیال آتا تھا کہ یہ بیچاریاں خود تکلیف اٹھا کر ہماری آنکھوں کے لئے لطف کا سامان پیدا کرتی ہیں تو برا معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سرکار عالیہ بورڈنگ میں رونق افروز ہوئیں سب بی بیائیں استقبال کے لئے دروازہ تک آئیں۔ بعد حمد و ثنا اور درود کے سرکار عالیہ نے قفل کھولا اور کوڑا کھول کر بورڈنگ میں داخل ہوئیں اور ان کے بعد سب بی بیائیں اندر چلی گئیں تمام کمرہ بھر گیا تھا اور واقعی ایک خوشی پیدا ہوتی تھی کہ مختلف دیار و امصار کی بی بیائیں بعید مسافت طے کر کے صرف شرکت کی غرض سے یہاں تک آئی ہیں خداوند کریم کا شکر ہے کہ جس

نے ہم سب کو ایک جگہ جمع کر دیا اور موقع دیا کہ تبادلہ خیالات کر سکیں اس کے بعد جلسہ شروع ہوا پہلے عبداللہ بیگم نے ایڈریس پڑھا اس کے بعد سرکار عالیہ کی تقریر ہوئی سرکار عالیہ کی تقریر کے بعد محمود بیگم صاحبہ نے شکریہ ادا کیا پھر ”رجسٹر“ غائب بیگم صاحبہ کے اشعار پڑھے گئے۔ اس قدر کارروائی کے بعد جلسہ ختم ہوا۔ ایڈریس سرکار عالیہ کو کارچوبی کام کے خلیطہ میں پیش کیا گیا۔ ہار پہنائے اور مجلس برخاست ہوئی۔ نماز ادا کرنے کے لئے مہلت دی گئی۔ ذرا سستا کئے اس کے بعد لیڈرز کانفرنس سرکار عالیہ کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اکثر بی بیوں نے تائید میں تقریریں کیں سرکار عالیہ سرپرست اور صدر مقرر ہوئیں۔ بارہ والس پرنڈنٹ بنائی گئیں ۶۰ کے قریب ممبر ہوئیں۔ نفیس و بہن صاحبہ سکریٹری اور محمود بیگم صاحبہ جو انٹسٹیکوٹ قرار دی گئیں۔ ممبری کی فیس چھ روپیہ سالانہ مقرر ہوئی۔ ہربائی نس ذاب بیگم صاحبہ خجیرہ اور دیگر اولوالعزم خواتین نے عطیات و وظائف کا اعلان کیا۔

اس کے بعد سرکار عالیہ نے اپنی مصنفہ کتابیں تقسیم فرمائیں اور کانفرنس ختم ہو گئی۔ اس کے بعد ایک پارٹی میں گئے جس میں ہمیں بھی موجود تھیں۔ پارٹی ختم ہونے پر ہم چلے آئے۔ یہ بھی ایک عجیب قابل بیان لطیفہ ہے کہ بورڈنگ کے افتتاح کے وقت سرکار عالیہ نے کبھی سے قفل تو کھول دیا لیکن بلی چونکہ انگریزی وضع کی اور نئی ہونے کے باعث بہت سخت تھی اسلئے حضور عالیہ سے کوششوں کے ساتھ بھی نہ کھلی اور کئی بی بیوں نے کوشش کی مگر بے فائدہ۔ اس وجہ سے سب کے دلوں میں ایک بے چینی سی پیدا ہو گئی آخر بیگم خواجہ عبدالجبار صاحب بیرٹ نے آگے بڑھ کر وقت کے ساتھ کھول لیا مگر اس جدوجہد سے ان کے ہاتھ میں ایک زخم آ گیا اس واقعہ کو ملاحظہ کر کے ذاب بیگم صاحبہ خجیرہ نے اس وقت بہت زور فرمایا کہ ”خواتین دیکھو تعلیم نسواں کے دروازے ہیں زبردستی اور دقتوں سے ہی نہیں لیکن آخر کار کھولنے میں ہم لوگ کامیاب ہو گئے ہیں“ یہ فقرہ ایسا بر محل اور دل فریب تھا کہ اس پر خوب ہنسنے پڑا اور خجیرہ زہرے

تیسری مرتبہ فردی سلطان جہاں منزل کا افتتاح کرنے تشریف لے گئیں اس موقع پر سلطانہ یہ ایک نہایت خوشنما اور وسیع عمارت ہے جو سرکار عالیہ اور خاندان شاہی کی فیاضی سے تعمیر ہوئی۔

سرکار عالیہ کی تقریر پہلے سے بھی زیادہ صاف بیانی کے ساتھ تھی جس میں قومی تعلیم کے جملہ مسائل پر بحث فرمائی تھی اور اُن نقائص پر جو اشاعتِ تعلیم میں کارکنوں کی غلطیوں کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں شفقت آمیز نصیحت اور قومی سرمایہ کو کفایتِ شعاری کے ساتھ خرچ کرنے کی ہدایت تھی اور چوں کہ اس وقت حکومت کی پیش کردہ شرائط پر مسلم یونیورسٹی کے قبول کرنے یا نہ کرنے کے سوال نے نہایت اہمیت اختیار کر لی تھی اس لئے اس کے متعلق بھی نہایت آزادی کے ساتھ اظہارِ رائے فرمایا۔

مرحوم نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی بھی اس موقع پر موجود تھے تقریر کے بعد انھوں نے سرکار عالیہ سے عرض کیا کہ ”کاش ان نصاب پر عمل کیا جائے“ اس کے بعد تین مرتبہ مسلم یونیورسٹی کا نوکیشن میں شرکت کی غرض سے اور ایک مرتبہ کورٹ کے اجلاس میں تشریف لے گئیں۔

لاہور چونکہ ہزار سرلوئیس ڈین لفٹنگ گورنر پنجاب اور اُن کی بانو نے محترم لیڈی ڈین نے جن سے اوریرینہ اور خاندانی مراسم تھے بہ اصرار مدعو کیا تھا اس لئے ۱۹۱۲ء میں لاہور تشریف لے جا کر کئی دن قیام کیا۔ علاوہ مشہور مقامات کی سیر کے زنانہ مدارس وغیرہ کو دل چسپی سے ملاحظہ فرمایا اور خواتین لاہور کی درخواست و اصرار سے ایک زنانہ ہال کا زنانہ جلسہ میں سنگ بنیاد رکھا اس موقع پر حضورِ مدوحہ نے ایک دل چسپ تقریر فرمائی جو ترقی و اصلاح نسواں کے مسائل و تدابیر پر مشتمل تھی، زیب النساءِ عظیم کے مقبرہ پر بھی گئیں یہ مقبرہ لاہور سے چند میل کے فاصلہ پر نہایت کثیف و غلیظ مقام پر واقع ہے راستہ بھی غلاظت اور کثافت سے بھرا ہوا تھا قدم قدم پر عفونت و بدبو تھی تقریباً ایسے راستہ پر ڈیڑھ دو فرلانگ پیادہ جانا پڑا مقبرہ پر بھی صفائی نہ تھی اور اس کو کثیف انسانوں اور مویشیوں کا سنگن بنا دیا گیا تھا۔ اگرچہ سرکار عالیہ کی نفاس مزاج کے لحاظ سے وہاں جانا نہایت تکلیف دہ تھا مگر بغیر کسی اظہارِ نفرت کے ایک خاص جذبہ کے ساتھ یہ راستہ طے کیا اور وہیں جا کر فاتحہ پڑھی پھر اس عبرت انگیز منظر کو حسرت و تاسف سے چند منٹ ملاحظہ کرتی رہیں اسی اثر سے اس کی صفائی و درستی کے لئے گورنمنٹ پنجاب کو ایک محقول رقم بھی تفویض فرمائی۔

۱۰ بعد کو حکمہ آثارِ قدیمہ کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ مقبرہ زیب النساءِ عظیم کا نہیں ہے۔

لکھنؤ دینی تال | سرکار عالیہ اور حمزہ مسٹن اور لیڈی مسٹن سے نہایت گہری راہ و رسم تھی۔ ان کی دعوت و اصرار پر ایک مرتبہ لکھنؤ اور دوسری مرتبہ دینی تال تشریف لے گئیں۔

دینی تال میں ہزار نے سرکار عالیہ کے اعزاز میں ایک بڑا ڈنر دیا۔ سرکار عالیہ نے زبانی تقریر میں جو بہت طویل تھی ہزار نے اور لیڈی مسٹن کی جہاں نوازی کا شکریہ ادا کیا۔ ہزار نے اور لیڈی صاحبہ نے سرکار عالیہ کے قیام دینی تال کو دل چسپ بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھانا نہ رکھا۔ اور خود کاٹ گودام تک استقبال و مشایعت کی۔

گوالیار | سرکار عالیہ متعدد مرتبہ گوالیار تشریف لے گئیں آنجنابی ہمارا جہ سیدھیہ کی والدہ ماجدہ اور سرکار عالیہ میں خواہرانہ محبت تھی اور خاندانی تقریبات میں دونوں طرف سے ہمیشہ دلی خلوص کے ساتھ شفقت و الفت اور محبت کا اظہار ہوتا رہتا تھا۔

پہلی مرتبہ ہمارے بیویوں میں بیگم حرم فیضی بھی تھیں جو شادی سے قبل ادبی و قومی دنیا میں عظیم سگ فیضی کے نام سے مشہور رہی ہیں۔ انھوں نے اس سفر کے حالات نہایت تفصیل و قابلیت سے قلم بند کئے ہیں۔ لہذا اس سلسلہ میں ان ہی کو درج کیا جاتا ہے جو نہایت دل چسپ اور نتیجہ خیز ہیں :-

”جو محبت و بہر دی گوالیار اور بھوپال کے شاہی خاندانوں میں ہے اس کی وجہ سے ہماری ہر دفعہ سرکار عالیہ نے گوالیار تشریف لے جانے کا قصد کیا۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ یہ پہلا ہی موقع ہے کہ وہ کسی ہندوستانی ریاست میں تشریف لے جا رہی ہیں۔ جب انھوں نے فرمایا کہ مجھ کو بھی ان کے ہمراہی میں چلنا ہو گا تو مجھ کو بے حد خوشی ہوئی، کیوں کہ ان کے خاندان گوالیار ہمارے معزز دوست رہے ہیں اور باوجودیکہ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے سفر کئے ہیں لیکن کسی نہ کسی خاص اتفاق سے ان کی عنایت آمیز دعوت کبھی قبول نہ کر سکی تھی۔ مجھے اس موقع کے حاصل ہونے سے بے حد خوشی ہوئی، اول تو اس وجہ سے کہ حضور سرکار عالیہ کی ہمراہی ہے دوسرے اپنے عزیز دوستوں سے ملاقات ہوگی۔“

جمہرات - ۱۱ مارچ ۱۹۱۵ء | بھوپال سے گوالیار تک راستہ میں کوئی بات قابل تذکرہ پیش نہیں آئی سوائے اس کے کہ حضور عالیہ کا سلون (گاڑی) نہایت تکلفات سے آراستہ و پیراستہ تھا اور حضور عالیہ کی عقل و حکمت کی باتوں اور ان کی خوشگوار ہمراہی میں راستہ

بالکل معلوم بھی نہ ہوا جس وقت گوالیار ٹرین پہنچی تو ہزاری نس ہمارا جہ صاحب بہادر دیندیا
نے گاڑی میں داخل ہو کر حضور سرکار عالیہ کا خیر مقدم کیا پھر تھوڑی دیر بعد سڑ جاوٹن رزٹنٹ
تشریف لائے اور جب دستور سلام وغیرہ ہوئے اور رسمی طور پر خیر مقدم کے الفاظ دوہرائے
گئے۔ اس وقت انجن ٹرین سے حضور سرکار عالیہ کی گاڑی علیحدہ کر کے اس پرائیویٹ پلیٹ
فارم پر لے گیا جہاں پر پردہ کے لئے قاناتیں کنارے تک لگی ہوئی تھیں سفید اور بانائی فرش
بچھا ہوا تھا اور پھولوں اور ٹاڈکے درختوں سے خوب سجایا گیا تھا۔ وینگ روم اس موقع
کے لئے مثل گول کمرہ کے آراستہ تھا۔ ہمارا انیٹکھیا راجہ صاحبہ ہمارا انیٹکھیا راجہ صاحبہ
اور ہمارا جہ صاحب کی ہمشیرہ منورہ صاحبہ نہایت شاندار ساڑھیاں پہنے ہوئے اور کپتے
ہوئے ہیروں اور جواہرات میں لدی ہوئی یہاں پر ہمارا انتظار کر رہی تھیں اور انھوں
نے نہایت تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ چار خواہیں جو عمدہ ہلکے رنگ کے ٹیل کی
ساڑھیاں باندھے تھیں جن پہنہراٹھپتہ وغیرہ لگا تھا اور اسی قسم کا زیور گلے میں کانوں اور
ہاتھوں اور چاندی کا زیور پاؤں میں پہنے ہوئے نہایت ادب سے ہنہراہیر سے جڑا ہوا
پاندان اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے کھڑی تھیں۔

یہ رواج بڑودہ میں بھی ہے کہ جب کبھی ہمارا انیٹکھیا راجہ صاحبہ گائیکو اڑکو کیس تشریف
لے جانا ہوتا ہے خواہ وہ ایک بے ضابطہ ٹی پارٹی ہی کیوں نہ ہو تو وہاں خواہیں پہلے
سے پہنچ جاتی ہیں اور ہمارا انیٹکھیا راجہ صاحبہ موصوفہ کی آمد اور حکم کا انتظار کرتی ہیں۔

غرض ہم پورے اسٹان کے ساتھ محل پر گاڑیوں میں پہنچے اور حضور سرکار عالیہ کے
پہنچنے پر توپوں کی سلامی سر ہوئی۔ سبے بلاس ایک عالی شان محل ہے جس میں دو سو یا زیادہ
کمرے ہیں اور یہ وسط میں ایک مربع سفید عمارت ہے اور اس کے چاروں طرف وسیع میدان
ہے جس میں ہوں کہ مختلف ڈیوڑھیوں میں موڑیں جاتی ہیں۔ ہمارا جہ صاحب، بڑی ہمارا انیٹکھیا
صاحبہ، جنگو راجہ صاحبہ اور چھوٹی ہمارا انیٹکھیا راجہ صاحبہ اور ان کا چھوٹا بچہ میری کملاراجہ

۱۹ میری کملاراجہ صاحبہ ہزاری نس کی صاحبزادی تھیں جن کو ہزار میری بھتیجی کوئن میری قیصرہ ہند نے اپنا نام مبارک ”میری“
عطا فرمایا اور ۱۹۱۳ء میں ایک حادثہ سے انتقال ہو گیا۔

سب اس محل میں رہتے ہیں اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ کثیر تعداد کمروں کی ہے اور ہر ایک کے پاس میں سے لے کر کچیس تک سلیقہ دار ہوشیار اور صاف پوشاکیں پہننے والے خواہصیں ان کی خدمت کے لئے موجود رہتی ہیں۔

ہماری گاڑی منو محل کی ڈیوڑھی کے پاس جا کر ٹھہری جہاں پر ہم اترے اور ایک سنگ مرمر کے احاطہ میں جس میں سنگ مرمری کا فوارہ چل رہا تھا داخل ہوئے ایک بڑے زینہ سے جو بالکل سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا اور جس کا جنگلا شیشے کا تھا ہم اوپر کی منزل میں پہنچنے محل کے نیچے کا حصہ کم و بیش جہازوں کے استقبال کے لئے سجا ہوا تھا اور اوپر کی منزل کا حصہ ان کے رہنے کے لئے تھا ہم زینے کے اوپر پہنچے اور وہاں گول کمرہ میں داخل کئے گئے یہ کمرہ بہت بڑا ہے اور اس پر سنہری کام خوب کیا گیا ہے اس میں قدیم سنہری تصاویر منقش ہیں اور وہ طرح طرح کے پردوں اور سالن سے آراستہ ہے۔ یہاں پر مشرقی شان و شوکت کی حقیقی حالت کا فوراً اثر ہوتا ہے۔ خاندان گو الیار کی معز خواتین اور سرداروں کی بیویاں عمدہ پوشاکیں اور زیورات پہنے ہوئے یہاں پر ہم سے ملیں اور خواہصوں کی جماعتیں جو عمدہ اور خوبصورت لباس اور زیورات سب ایک ہی قسم کا پہنے ہوئے تھیں یہاں پر وقتاً فوقتاً خدمت کے لئے ادب سے کھڑی ہوتی تھیں کمرے کے بیچ میں مٹلا کر سیاں رکھی ہوئی تھیں یہاں پر ہم بیٹھے اور ہمارے چاروں طرف اس طور سے وہ خواتین بیٹھیں کہ ایک شاندار گروپ بن گیا۔ اس کے بعد عطر و پان کی رسم عمل میں آئی۔ جڑاؤ پاندان اور عطر دان میں گلابیاں اور عطر پیش کیا گیا گلاب پاشیوں میں عرق گلاب بھرا ہوا تھا جو چھڑکا گیا۔ چاندی کی کشتیاں جو پھولوں کے ہاروں سے بھری ہوئی تھیں پیش ہوئیں، دستور یہ ہے کہ جو کشتیاں ہمارے سامنے پیش کی جائیں ان کو چھو لو اور ان کا سالن ہمارے کمروں میں بھیج دیا جاتا ہے اور ہمارے گلے میں بٹنا دیئے جاتے ہیں چند منٹ کے بعد ہمارا فی صاحبان ہم کو ہمارے کمروں میں لے گئیں جن میں ہم بہت سے کمروں اور سنگ مرمر کی غلام گردنوں میں سے ہو کر پہنچے جہاں پر تاروں کے درخت اور دیگر اقسام کے پودے وغیرہ خوبصورتی سے لگائے گئے تھے ہمارے قیام کے کمرے موجودہ زمانے کے تمام سالن آرائش سے مکلف تھے میں نے اپنے کمرے میں جا کر قیام کیا اور وہاں پر ایک

خاص قسم کے اطمینان اور راحت کا احساس ہوا۔ منہ وغیرہ دھونے اور کپڑے بدلنے کے بعد ہم ایک بالالا خانے پر بیٹھے جہاں سے وسیع میدان نظر آتے تھے اور وہاں چارپنی اور باوجودیکہ اب ہورہا تھا اور گھٹا چھارہ ہی تھی تاہم دل پر چاہتا تھا کہ موٹر کار میں ٹھیکر گھوڑ دوڑ کے میدان میں ہوتے ہوئے جو ابھی گوالیار میں بناسے بازار کی جانب چلیں جہاں پر زیڈنٹ صاحب رہتے ہیں اس کے تھوڑی دیر بعد گرج اور بجلی کی چمک کے ساتھ بارش ہونے لگی اور بہت زیادہ اوسلے پڑے مگر مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوئی کیونکہ اس سے گرمی کم ہوگئی۔

سارے آٹھ بجے ہم نے کھانا کھانے کے کمرے میں جس میں سنگ مرمر کا فرش تھا کھانا کھایا ہندوانی قدیم طرز کی پیالیوں میں جو گل خالص نقرہ کی تھیں قسم قسم کی رکاریاں تھیں۔ قلیہ، وال وغیرہ تھیں یہ سب پیالیاں ایک نقرئی تھالی میں سجادی گئیں تھیں اقسام اقسام کے چاول چینی کی طشتوں میں میز پر لگا دیئے گئے تھے اور سب کے سامنے میز پر رکھے گئے تھے اچار چٹنیاں دودھ کی بنی ہوئی چیزیں چار پانچ قسم کی روٹیاں، چپاتیاں، باقر خانی، پھلکے وال، کھیر کی قاقیں، مٹھائیاں وغیرہ وغیرہ اس قسم کے لذیذ کھانوں کو بیٹھ کر کھایا اور ان سے حظ اٹھایا، ہمارا بیوی صاحبہ گوالیار کے باورچی نہایت عمدہ قسم کے کھانے پکاتے ہیں، اسلامی زردہ، پلاؤ، کباب وغیرہ بھی ایسے ہی عمدگی سے پکائے گئے تھے جیسے کہ برہمنی سودی پوریاں شیر قند وغیرہ وغیرہ۔

حضور سرکار عالیہ کھانے کے بعد ہی اپنے کمرے میں تشریف لے گئیں لیکن ہم ہمارا بیوی جگموراجہ صاحبہ کے گول کمرے میں بہت رات تک بیٹھے ہوئے گاتے اور باتیں کرتے رہے یوم جمعہ ۱۲ مارچ ۱۹۱۷ء | باوجود رات کو دیر تک جاگتے رہنے کے میں صبح ہی اپنی تھوڑی دیر کی نیند سے جس کا مجھے موقع ملا سوکراٹھ بیٹھی، بارش سے ہوا میں خوب خنکی پیدا ہوگئی تھی اور یہ نہایت ہی فرحت بخش تھی، ہندوستان کے میدانی مقامات کی گرم و خشک ہواؤں سے بڑا جس پیدا ہو جاتا ہے اور وہ سخت ناگوار معلوم ہوتی ہیں قریب ساٹھ فوج کے ہڑائیں جناراجہ صاحب بہادر سرکار عالیہ کو ہسپتال دکھانے لے گئے۔ میں اور جگموراجہ صاحبہ ہمراہ تھیں، یہ ایک بڑی شاندار دفن گاہ عمارت ہے جس میں زنانہ اور مردانہ دونوں حصے ہیں۔

گوالیار کی پچھے کاری کا کام واقعی قابل دید ہے۔ اقلیدس کی شکلیں جو نفاست سے بنائی گئی ہیں وہ نہایت ہی خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔

ہسپتال مشرقی طرز کی ایک نہایت عمدہ عمارت ہے لیڈی ڈاکٹر میٹرن اور ان کے اسٹاف نے دروازہ پر ہمارا استقبال کیا اور ہم کو چاروں طرف لیجا کر وہ سب چیزیں دکھلائیں جو معمولاً ایک اعلیٰ درجہ کے ہسپتال میں اس زمانے کے لحاظ سے ہوتی ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی افسرگی کا کام ہے کیونکہ اس میں طرح طرح کی بوئیں اور مریضوں کے کراہنے کی آوازیں آتی ہیں۔ وہاں نرسوں اور دایکوں کی تربیت بھی تین برس کی کامل پڑھائی سے کی جاتی ہے۔ یہاں روانگی کے وقت عطر و پان کی معمولی رسم ادا کی گئی۔ اس کے بعد ہڑ ہائی نس نے محل پہنچنے سے پیشتر شہر کی سیر کرائی۔ جدید گوالیار (لشکر) کی آبادی حقیقت میں کچھ خوشنما نہیں معلوم ہوتی۔ نئے چوک میں چند عمدہ عمارتیں ہیں اور شہر کی بڑی سڑک عمدہ ہے کیونکہ اس کے دونوں طرف نہایت عمدہ پچھے کاری کے بھر دے بنے ہوئے ہیں سکونتی مکانات کی آبادی شہر میں کم و بیش دور دور ہے۔

ہم چائے قیام پر دیر سے پہنچے اور نہایت ہی لذیذ کھانے کا لطف اٹھایا اس وقت کھانا دوسری قسم کا تھا مگر ویسا ہی خوش ذائقہ تھا۔ بلاشبہ یہاں کے باورچی ہمارا فی صاحبان کی قابل قدر نگرانی میں کھانا پکانے میں نہایت عمدہ ہمارت رکھتے ہیں۔ کھانے کے بعد حضور میر کا رعالیہ اپنے کمرے میں تشریف لے گئیں اور جبکو راجہ صاحبہ نے مجھ کو محل لے جا کر دکھلایا۔ میں دوسری منزل کے صرف دو مکان دیکھ سکی لیکن اسی میں دو گھنٹہ صرف ہو گئے اور بالکل تھک گئی۔

..... اس سیر میں وقت بہت زیادہ صرف ہو چکا تھا اس لئے ہم اپنے کمروں میں جلدی سے گئے وہاں جا کر پوشاک تبدیل کی اور گول کمرے میں جمع ہوئے جہاں حضور میر کا رعالیہ کی جانب سے گوالیار کے شاہی خاندان کو پوشاک پیش کرنے کی رسم عمل میں آئی حضور میر کا رعالیہ نے حسب معمول دریا دلی اور فیاضی سے ہر ایک کو شاباز عظیمی نہایت بیش قیمت دو شالے کمنو اب کے تھان، اشرفیاں زیورات اور بین خان خشک میوے اور سپاریوں کے پیش

کئے، ہمارا صاحب سیدھیہا کو انھوں نے آٹھ اشرفیاں پانچ سو روپیہ بچھا اور سنہرے کام کے دوشالے اور زربفت کی گڑیاں وغیرہ اور چار خوان خشک نٹس (سپاریاں اور گرمی دار میوے) کے دیئے ہمارا جی جنکو راجہ صاحبہ کو سنہرے دوشالے کھجانی کپڑے دو سو روپیہ بچھا دے ۱۵ اشرفیاں ہیرے اور لعل کی چوڑیاں اور چار خوان خشک نٹس کے دیئے ہمارا جی بچھا راجہ صاحبہ کو سنہرے دوشالے کھجانی کپڑے دو سو روپیہ بچھا اور ۱۵ اشرفیاں ہیرے اور زربفت کا بار اور چار خوان خشک نٹس کے دیئے۔

شری مہی منوراجہ صاحبہ اور ان کے شوہر سردار سیتو لے صاحب کو اسی قسم کی پوشاک سو روپے بچھا اور موتیوں کی جڑاؤ پہنچی اور چار خوان خشک نٹس کے دیئے چھوٹی بچی راجہ کملا صاحبہ کو حضور سرکار عالیہ نے پانچ ہزار روپے کی قیمتی پوشاکیں اور زیورات پہلے ہی سے بھیج دئے تھے لیکن انھوں نے ان کو بھی پانچ اشرفیاں اس وقت پہلے ہی مرتبہ دیکھنے کی وجہ سے دیں جب پوشاک دینے کی رسم ختم ہو گئی تو ہم ایک خوبصورت سر (گرمیوں کے) باغ میں گئے جس کے قطعات نہایت عمدگی سے بنائے گئے تھے اور جس میں بھری کی سایہ دار روشیں تھیں اور ایک پختہ بالا خانہ پانی کے کنارے بنا ہوا تھا اور کئی ڈیرے لگے ہوئے تھے یہاں حضور سرکار عالیہ کے عزیزانیں ٹی پارٹی تھی اور تمام خواتین گوالیار حضور سرکار عالیہ سے ملنے کے لئے جمع ہوئی تھیں۔ یہ زندہ دلی اور گفتگو کا ایک خوبصورت نظارہ تھا۔ وہاں پر مرہٹے خواتین زرق برق پوشاکیں زیب تن کئے ہوئے اور زیورات میں آراستہ قطاروں میں کھڑی ہوئی تھیں اور کچھ ادھر ادھر پھر رہی تھیں یورپین لیڈیاں بھی یہاں موجود تھیں اور ایک مشرقی و مغربی مجموعہ ہو کر عجیب خوشنما سماں ہو رہا تھا۔ چائے کا انتظام ایک خیمہ میں کیا گیا تھا۔ آسمان پر شام کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ دن کی روشنی جا کر رات کی تاریکی نے ہم کو گھیرنا شروع کیا تھا۔ بجلی کی چمک سے جواہرات اور سونے کے زیورات جگمگا رہے تھے خوش قسمتی سے ہم بارش سے پہلے ہی مکان پر پہنچ گئے۔ سکھیا راجہ صاحبہ ایک ایک خاتون سے جو پارٹی میں موجود تھیں نہایت خوش اخلاقی سے گفتگو اور تواضع کرتی تھیں۔

رات کے وقت کھانا فرش پر حقیقت میں پاتلوں کے طریقہ پر چٹا گیا تھا چکیاں جس پر

نشتیں قرار پائی تھیں اور جن پر کھواب کے گدے بچھے تھے تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے تمام مہمان و موجودہ خواتین کے واسطے بچھائی گئی تھیں۔ اور چاندی کی تپائیاں سامنے رکھی تھیں سونے کے پیالے اور ششیاں نہایت ہی لذیذ کھانوں کی بکھی تھیں اور چاندی کے شمعدان دونوں جانب ہر ایک نشست کے رکھے تھے اور ان کے بیچ میں خوشبوئیں جل رہی تھیں۔ یہ نظارہ مثل ایک الف لیلہ کے خوبصورت و غنی تصویر کے جو ایک ہونیوار صنّاع نے بنائی ہے معلوم ہوتا تھا اس طریقہ کے کھانے چُنے جانے کو ٹاٹ لاکے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ کھانے کے بعد طوائف کا ناچ اور گانا جگواراجہ صاحبہ کے پرائیوٹ دربار ہال میں ہوا۔ گوالیار میں اور ستار بجانے والے اور گانے والے ماہرین کے لئے مشہور رہے۔ اور پُرنے وقتوں میں بڑے مشہور لوگ ہوئے ہیں لیکن اس زمانہ کے گانے والے کچھ زیادہ عمدہ نہیں۔ نصف شب کے بعد یہ جلسہ برخاست ہوا لیکن ہمارا فی جگواراجہ صاحبہ اور میں رات کے دو بجے تک بیٹھے رہے۔

یوم ہفتہ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۱۶ء | آج کا دن پھر آنے والے کے لئے اس ضروری فرض سے شروع ہوا کہ پبلک کی درسگاہوں کو دیکھے۔ ہزار ہائی نس ہمارا جہ صاحب بہادر پٹنجا علیہ کو گرس اسکول دکھانے لے گئے۔ جگواراجہ صاحبہ اور بکھیاری صاحبہ اور میں بھی ہمراہ تھے۔ ہم لڑکیوں کے مدرسہ میں گئے۔ دراصل ہندوستان میں تعلیم نسواں ایک اہم مسئلہ ہو اور اب کچھ کچھ کوششیں ان کو تھوڑی سی تعلیم دینے کے لئے ہو رہی ہیں اور وہ کچھ تعلیم حاصل کرنے لگی ہیں۔ پبلک گرس اسکول کی عمارات نہایت نفیس، صاف اور روشن ہے مگر گرم پرنسپل نے ہم کو مدرسہ لے جا کر دکھلایا ہم نے کچھ عمدہ کشیدہ کڑھے ہوئے اور طالبات کے خود تیار کردہ بعض قسم کے کھانے دیکھے۔ سردار سس گرس اسکول پُرنے محل میں ہے یہ عمارت اپنی تعمیر کے لحاظ سے بڑی دل چسپ ہے۔

اعلیٰ تعلیم کی کوشش بیکار ہے کیونکہ لڑکیوں کی شادی بارہ برس میں ہونا لازمی ہے ہمارا فی صاحبہ نے کچھ خوبصورت کشیدہ کا کام جو لڑکیوں نے کیا تھا سرکار عالیہ کی خدمت میں تحفہ پیش کیا اس پُرنے محل میں کچھ قدیم ملازم رہتے ہیں اور سال میں مختلف قسم کے

مراسم کی ادائیگی ابھی تک اس محل میں کی جاتی ہے۔

سکھیا ہمارا فی صاحبہ سرکار عالیہ کو اور ہم کو اپنے مندر کے پاس لے گئیں جو محل کے اندر ہے ہم نے بہت سی جگہ گاتی ہوئی کمروں کو اونچے اور پائے والے ستونوں پر دیکھا سہ پہر کے وقت ہزبائی نس صاحبہ بہادر واطور کس کی عمارت دکھلانے کے لئے لے گئے جو شہر سے کئی میل کے فاصلہ پر ہے اس سے تقریباً بیس میل مربع زمین کی آب پاشی کی جائے گی جس سے سچید آمدنی ہوگی۔ ہم نے وہاں پر ایک نفیس چھوٹے سے مکان میں چھیل کے سامنے بنا ہوا ہے چار کا لطف اٹھایا اور پشتہ کے اوپر اور نیچے بھی ہم نے سیر کی سورج کا غروب ہونا اُس وقت خوبصورت معلوم ہو رہا تھا اور آسمان ایسا نظر آتا تھا کہ چمکنا ہوا سونا چھڑک دیا گیا ہے۔

اتوار ۱۴ مارچ ۱۹۱۷ء | آج صبح کو سب سے پہلے ہزبائی نس ہمارا ج نے سرکار عالیہ کو عجائب خانہ دکھایا۔ یہ ایک خوبصورت عمارت ہے اور اس میں بہت کچھ پتے کاری کا کام ہو رہا ہے۔ اس میں پرانے چند ہتھیار ہیں اور کثرت سے بھس بھرے ہوئے جانور ہیں جس سے یہ زیادہ تر قدرتی تباہی کنی اشیاء کا عجائب خانہ معلوم ہوتا ہے اور اس میں گوالیار کی مصنوعات بھی ہیں۔ چونکہ شہر سے فاصلہ پر اور محلات کے قرب میں ہے اس واسطے یہاں پر آدمی آسانی سے نہیں پہنچ سکتے اس لئے مقبول عام نہیں ہو جارا جہ صاحب کا ارادہ ہسپتال کو عجائب خانہ بنانے کا ہے اور اس میں زیادہ پیمانہ پر اس کا انتظام کریں گے۔ چونکہ منوراجہ صاحبہ سرکار عالیہ کو مدعو کر چکی تھیں اس لئے یہاں سے وہاں جانا ہوا۔ یہ ایک بڑا وسیع محل ہے جہاں پر یہ ملاقات کم و بیش بالمشافہ قسم کی تھی کیونکہ انھوں نے ہم کو پوٹائیں عطا فرمائیں اور حسب معمول عطر و پان کی رسم بھی ادا کی گئی۔ اُن کے شوہر سیتو لے صاحب آئے اور سرکار عالیہ کو سلام کیا۔ چار بجے ہزبائی نس نے آہستہ آہستہ ایک بڑی ٹرمیوے کی مثل موٹر کار میں قلعہ کی اور اس کے چاروں طرف کی سیر کرائی یہ پروگرام میں ایک ہنایت دل چپ کام تھا کیونکہ ہندوستان میں گوالیار کا قلعہ ہنایت ہی تاریخی اور دل چپ ہے بے شک اس قدر تھوڑا وقت

رہ گیا تھا کہ ہم کل قلعہ کو دو گھنٹہ میں دیکھنے پر مجبور ہوئے جو ایک عظیم الشان جگہ کے دیکھنے کے لئے ناکافی تھے۔

..... ہمارا صاحب بہادر نے لیٹری اسکول ان ہی قدیم عمارات قلعہ میں قائم کیا ہے سرکار عالیہ کے روبرو ہوائی بس مہدوح نے فوجی طالب علموں کا امتحان لیا ڈل بھی دکھائی گئی اور ایک قدیم عمارت کے سامنے وہاں کے پرنسپل صاحب کی بہن کی جانب سے چاہ پیش کی گئی ہر سہ ہمارا بی صاحبان سرکار عالیہ اور ہم سب نے چار نوش کی سامنے سے فرار کا منظر نظر آ رہا تھا۔

رات کے وقت ریاست کے کمرہ دعوت میں اسٹیٹ ڈزڈیا گیا شاندار رزق برق پوشائیں اور شریف خواتین کے زیورات بڑے بڑے جھاڑوں کی خوشنما روشنی میں جگمگا رہے تھے اور عمدہ پوشائیں پہنے ہوئے جو خواہشیں خدمات کے لئے وہاں پر مستعدی اور خاموشی سے کھڑی ہوئی تھیں ان کا نفیس رنگین لباسوں میں ادھر ادھر بھرتا ایک لطف پیدا ہو رہا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد ہم دربار ہال میں آئے اور وہاں پر خواتین سے بھرے ہوئے دربار میں حضور سرکار عالیہ نے ایک مختصر تقریر نہایت عمدہ الفاظ میں فرمائی جس میں اپنے میزبان کا شکریہ ادا کر لیا، آئے پر اظہار مسرت تھا جواب میں سکھیا ہمالی صاحبہ نے سرکار عالیہ کی تشریف آوری پر اظہار مسرت و شکر گزاری کیا۔ اس کے بعد سرکار عالیہ کے سامنے خلعتیں اور زیورات پیش کئے گئے جس میں کئی سنہری پوشائے کنخواب کے کپڑے بنارس کی ساڑھیاں وغیرہ تھیں اور ایک نہایت خوبصورت گلوبہ تھا جس میں موتی اور ہیرے لگے تھے۔ جب دستور اس پر ہاتھ رکھا گیا اور خواہشیں ان کشتیوں کو نہایت سلیقہ سے لے گئیں پھر دوسری خواہشوں کا جلوس آیا جو عیسائی سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ (سرکار عالیہ کے فرزند اصغر نواب زادہ میر حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر کی بیگم صاحبہ) کے لئے خلعت ہفت پارچہ لایا تھا۔ تمام خواتین نہایت ادب و سلیقہ کے ساتھ قدم قدم لے کر آ رہی تھیں خلعت علیحدہ علیحدہ خالوں میں سجا

ہوا تھا اور اُس کے جلوس میں عطر دان، گلاب پاش اور جڑاؤ پاندان تھا۔ سامنے حجرہ ہو رہا تھا اور تمام خواتین کرسیوں پر مودب بیٹھی ہوئی خاموشی سے سُن رہی تھیں۔ خلعت اسی طرح پیش کیا گیا اور اس پر ہاتھ لگا دیا گیا۔ اس خلعت پر بھی زرد اور موتیوں کی صرصر گلیو بند تھا۔ ایک ٹھسی زرد، ہیرے اور موتیوں کی اور سنہری ساڑھیاں اور کجواب کے کپڑے مرحمت ہوئے پوشاک دینے کی رسم حسب معمول عطر و پان اور پھولوں کے ساتھ نصف شب کو ختم ہوئی۔

ہر بانی نس سکھیا راجہ صاحبہ کچھ کو اپنے خلوت کے مکان میں تھوڑی دیر کے لئے لے گئیں۔ جہاں پر شہزادی مکمل راجہ ایک سنہری پلنگڑی پر آرام سے سو رہی تھیں اور خاموش خواہشیں چاروں طرف پہرہ دے رہی تھیں اُن کے پہلو میں ایک سنہرا پالنا پڑا ہوا تھا..... وہاں چکدار رنگارنگ کے کھلونے بچے کے کھیلنے کے لئے وہاں پر ب طرف پڑے ہوئے تھے۔

سکھیا راجہ صاحبہ ایک نہایت زیرک اور ملکہ مند خاتون ہیں اور مہاراجہ صاحب کی نابالغی کے زمانہ میں انہوں نے ریاست کا انتظام بطور مخنیف کے نہایت ہی متعدی اور مدبری کے ساتھ کئی سال تک انجام دیا ہے۔

شہزادی نس کو اپنی والدہ کی بزرگی اور شایستگی کا بے حد خیال ہے محل کے رہنے والوں میں جو اتحاد و اخلاق اور رعب و داب قائم ہے وہ پرانے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے جبکہ دلاوری اور شاعرانہ تخیلات مردہ نہیں ہو گئے تھے۔

اس عالی شان خانہ داری کا انتظام نہایت خوبی سے کیا جاتا ہے ہم جنگو راجہ صاحب کے گول کمرے میں واپس آئے اور کچھ گانا سنتے رہے باجہ خوب بیچ رہا تھا۔ رات کے دو بجے ہم وہاں سے رخصت ہوئے۔ اور اس جہان آبادی کا بے حد افسوس ہوا۔ چونکہ سرکار عالیہ دہلی تشریف لے جانے والی تھیں اور میوند سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ بھوپال واپس ہو رہی تھیں اس لئے شہزادی نس مہاراجہ صاحب بہادر نے اُن کے اعزاز کو ملحوظ رکھ کر منور راجہ صاحبہ کو ہدایت فرمائی کہ وہاں صاحبہ کے ہمراہ اسٹیشن تک جائیں چنانچہ وہ

تشریف لائیں اور جب تک ٹرین روانہ نہ ہو گئی وہیں رہیں ہزار ہائی نس کے ڈو ایڈ میکانگ بھی انتظام کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے بل تین بجے روانہ ہونے والی تھی اور ہم اپنے ڈبہ میں دو بجے سے چلے گئے یہ ایک گھنٹہ اور منوراجہ صاحبہ کے ساتھ دل چسپی گفتگو میں صرف ہوا۔ دہن صاحبہ کے ہمراہ میں بھی بھوپال واپس آئی سرکار عالیہ کے بھتیجے میاں سالار محمد خاں صاحب بہادر ہمارے ہمراہ تھے۔

پیر۔ ۱۵ مارچ ۱۹۱۵ء | پھر (جیسا کہ مجھے بعد کو علم ہوا) جس نے سبکی عاقلیہ ہزاری اسٹاف جس میں اس وقت مسٹر عبدالصمد منظر بی۔ اے لیٹری سکریٹری اور مہتمم تاریخ و فن محمد امین اڈیٹر ظل السلطان تھے) آفس میں طلب کیا گیا اور ہزار ہائیں ہمارا صاحب اپنے دست مبارک سے ہمارا پانچویں خزانہ اور زرین دوشالے مع گیلریوں کے عطا کئے۔ اس کے بعد سرکار عالیہ مع ہمارا بی صاحبہ کے شاہ غوث صاحب کے مقبرہ پر پرانے گوالیا تشریف لے گئیں شاہ غوث عہد اکبری کے شہو صاحب نسبت بزرگوں میں سے ہیں ان کی ذات کے ساتھ شہنشاہان مغلیہ کو ہمیشہ عقیدت رہی ہے ان کا مقبرہ قدیم سنگین صنعت تعمیر کا نمونہ ہے وہاں سے واپسی کے بعد حضور عالیہ ہزار ہائی نس کے پلیٹ فارم سے بذریعہ اسٹیل ٹرین کے دہلی روانہ ہوئیں شایعت کے وقت ہزار ہائی نس اور ہمارا بی صاحبان بھی تشریف رکھتی تھیں۔

آخر اگست ۱۹۱۵ء میں ہزارگز الٹیڈ ہائی نس نظام الملک آصفیہ سابع کی دعوت پر سرکار عالیہ حمید آباد | حیدر آباد تشریف لے گئیں۔ اور پانچ دن بشیر باغ میں قیام فرمایا علاوہ ان ملاقاتوں کے جو ہزارگز الٹیڈ ہائی نس اور بیگمات کرام سے ہوئیں مشہور مقامات کی سیر، زنانہ مدرسوں اور شفا خانوں اور یتیم خانہ وغیرہ کے ملاحظہ میں مصروف رہیں۔

ہزارگز الٹیڈ ہائی نس سے تعلیم نسواں اور خصوصاً عثمانیہ یونیورسٹی کی اہمیت و ضرورت اور تاج و فوائد پر گفتگو ہوئی اور سرکار عالیہ نے اس یونیورسٹی کے قیام کو دولت آصفیہ کے عظیم الشان کام اور یادگار سے تعبیر کیا۔

۳ ستمبر کو انجن خواتین دکن نے پبلک طور پر بشیر باغ کے ایک بڑے ہال میں ایڈریس پیش کیا۔

اس تقریب میں بکثرت تعلیم یافتہ اور امرا و عمائدین کی سبکیات و خواتین شریک تھیں۔ ایڈریس کے جواب میں سرکار عالیہ نے تقریر فرمائی جس میں بلحاظ ضرورت و موقع مسائل نسواں پر ظہار خیالات کرتے ہوئے خواتین دکن کو تعلیم اور مذہبی پابندی کی طرف توجہ دلائی۔ فرماں روا نے دکن کی توجہات و فیاضی اور خصوصاً عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام سے خواتین دکن کو فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی۔ حیدرآباد میں ایسے شاندار زمانہ جلسہ کا یہ پہلا موقع تھا جس کی یاد خواتین کے دل میں بہتائے مدینہ تک باقی رہے گی۔ ان مقامات کے علاوہ اوقات مختلف سرکار عالیہ بمبئی، کلکتہ، اجمیر، بڑودہ، میسور، آگرہ اور دیگر متعدد مقامات پر بھی تشریف لے گئیں۔

سفر حرمین الشریفین

ارادہ و انتظام سفر سرکار عالیہ نے ولیعہدی کے زمانہ میں کئی مرتبہ حج و زیارت کا ارادہ کیا مگر چند در چند وجوہ کے باعث پورا نہ ہو سکا، اب زمام حکومت دست مبارک میں لیتے ہی باوجودیکہ نظم و نسق ریاست اور اصلاحات ملک کا اہم مرحلہ سامنے تھا لیکن ادلے فرائض حج کا احساس اور خیال..... اور روضہ مطہرہ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر حاضری کا اشتیاق سب پر غالب تھا، چنانچہ اولین سال جلوس ہی میں عزم مصمم فرمایا اور امپریل گورنمنٹ کو بھی حسب ضابطہ اطلاع دیدی لیکن دربار کاروبار و نیشن دہلی منعقدہ سلطانہ کی وجہ سے ایک سال کا التواء ناگزیر ہو گیا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد انتظامات سفر شروع کر دیئے، وزیر ہند نے دولت عثمانیہ سے حفاظت و سہولت کے متعلق تمام ضروری مراتب طے کئے۔ چونکہ رمضان المبارک کا ہمینہ مدینہ طیبہ میں گزارنے کا شوق تھا اور یہ بھی خیال تھا کہ مبادا ایسے واقعات آجائیں کہ حج کے بعد مدینہ طیبہ میں حاضری نہ ہو سکے، اس لئے ماہ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ میں قصد روانگی کیا۔ ہمراہی میں کئی سو آدمیوں کا قافلہ مرتب ہوا اور ایک پورا جہاز زر و کرایا گیا، بمبئی کا قرظینہ بھی لازمی تھا لیکن سرکار عالیہ کی سہولت و مرتبت کے لحاظ سے پورے قافلہ کا قرظینہ بھوپال سے باہر ریلوے لائن کے

قریب باغات اور ایک موضع دیپ میں قرار دیا گیا۔

۲۱ رجب المرجب کو سرکار عالیہ نے اپنے ارادہ حج بیت اللہ کے متعلق جمیع اعلانات شاہی

رعیائے ملک محروسہ کے نام ایک اعلان کی اشاعت فرمائی جس کا ہر ایک فقرہ شفقت و عطوفت شاہانہ سے بھرا ہوا تھا اور عبدیت و فرائض حکومت کی اہمیت کے احساس کو نمایاں کر رہا تھا۔ اور اپنی رعایا سے درخواست تھی کہ اگر لاعلمی یا بطریق دیگر کسی کے حقوق ادا کرنے میں قصور ہوا ہو تو معاف کر دے اور مقبولیت حج اور معذرت واپسی کی دعا کرے۔

پھر ۲۴ رجب کو بعد نماز عصر مسجد آصفی میں اپنی عزیز رعایا سے مرخص ہوتے ہوئے اپنی زبان مبارک سے معافی طلب کی۔

یہ موقع عجیب درو انگیز تھا جتنے آدمی اندر اور باہر تھے سب زار و قطار رو رہے تھے اور خود سرکار عالیہ بھی چشم پر نم تھیں اور اس اثر کو سب سے زیادہ محسوس فرما رہی تھیں بایں ہمہ قلب مبارک کو سکون نہ ہوا۔ اور اسی شام کو حسب ذیل ایک اور اعلان شائع فرمایا۔

خدا کا شکر ہے کہ اُس نے محض اپنے لطف و کرم سے توفیق زیارت حرمین شریفین زاد شرفنا کی عطا کی۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہفتہ اول شہر شعبان الحظم سنہ حال میں ہم جہاز پر سوار ہو جائیں گے۔ سب پر یہ امر بخوبی عیاں ہے کہ جس روز سے اُس شہنشاہ حقیقی نے عنان حکومت میرے قبضہ اختیار میں دی ہے میں نے اپنی رعایا کو عزیز ترین سمجھ کر حتیٰ ممکنہ کی خبر گیری اور نگہداری اور فریاد رسی اور داد دہی کو اپنی راحت و آرام پر مقدم سمجھا اور اپنے محکومین کی آسائش و بہبود کی خیال ہمیشہ پیش نظر رکھا مگر مجھے اپنے خیال میں اطمینان کلی نہیں کہ آیا مجھ سے حقوق ان مبذول جو حق تعالیٰ نے میرے سپرد کئے ہیں کما حقہ ادا ہوئے یا نہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ اغفار الذنوب ہے اور اپنے بندوں کی خطائیں معاف فرماتا اُس کی شان کبریائی ہے اور مجھ کو اُس کے فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ غفور الرحیم مجھ پر اپنی رحمت مبذول فرما کر میری کل خطاؤں سے درگزر فرمائے کیونکہ میں ایسے سفر کو جاتی ہوں جو وسیلہ نجات و مغفرت ہے لیکن وہ نصف حقیقی حق العباد سے اُمی وقت چشم پوشی فرماتا ہے جبکہ اُس کے بندے اپنے حقوق معاف کر دیں۔ اس لئے سب سے عوامیہ استدعا ہے کہ ہماری محنت و جان کا ہی پر نظر کر کے جس کسی کی نسبت دانستہ و

نادانستہ جو کوئی خطا ہم سے واقع ہوئی ہو وہ بلند معاف کر دے اور ہر بصدق دل و صفائی
نیت دعا کریں کہ خدائے تعالیٰ اس سفر دور و دراز بحر و بر کو بخوبی انجام پہنچائے اور مع الخیر
عافیت ہم کو آپ لوگوں سے ملائے۔

اس اعلان کا اثر بھوپال کے درو دیوار پر طاری تھا اور ملک محروسہ میں کوئی دل ایسا نہ تھا جس
نے مضطرب ہو کر اپنی شفقت فرماں روا کے حق میں دعائیں نہ کی ہوں۔

۲۷ رجب کو حضور مجدد و صلح اراکین خاندان شاہی بارغ نشاط افزائیں قرظینہ

۶ شعبان کو ۱۲ بجے شب کے وقت اسپیشل ٹرین میں جو بارغ کے قریب ہی ریلوے لائن پر موجود تھی سوار
ہو گئیں ۸ شعبان (۳۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء) کو صبح ۷ بجے ممبئی میں سرکاری طور پر داخلہ ہوا۔ ٹرین سمندر کے
پلیٹ فارم تک گئی جہاں گارڈ آف آرمز بھی حاضر تھا اس نے اور قلعہ ممبئی کے ٹوپ خانہ نے سلامی می۔

ساحل پر اکبر نامی جہاز چشم براہ تھا سرکار عالیہ ٹرین سے اتر کر اس میں تشریف
فرما ہوئیں اور پانچ بجے شام کو حضور مجدد و صلح نے بسم اللہ مجرب دیا و مہر ہما

پڑھ کر اولیٰ یک کہتے ہوئے یہ مقدس سفر شروع کیا۔ اب بڑا مرحلہ کامران کے قرظینہ کا تھا، جو
بین الاقوامی قانون کے تحت ضروری و لازمی ہے لیکن اس کے متعلق بھی یہ رعایت کی گئی کہ کامران
کی جگہ بوسعید کو مقام قرظینہ قرار دیا گیا اس لئے جہاز براہ راست ۲۱ شعبان (۱۲ نومبر) کو اٹس
ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ یہاں شریف کے معتمدین استقبال کے لئے موجود تھے، ارکان سفارت خانہ
برطانیہ نے بیان کیا کہ شریف کی خواہش ہے کہ سرکار عالیہ پہلے بیت اللہ جائیں اور حج کے بعد خود وہ
اپنے انتظام سے مدینہ منورہ پہنچائیں لیکن حضور مجدد و صلح نے اپنے عزم و ارادہ کے مطابق اس خواہش کو
منظور نہ کیا علاوہ برائیں اسی ارادہ کے لحاظ سے یلیم براہرام بھی نہیں ماندھا تھا۔ ترکی گورنر متعینہ جہ
نے اطلاع دی کہ سلطان المعظم نے حضور مجدد و صلح کی حفاظت کی بہت تاکید کی ہے اور دوسرے آپ

سلہ اراکین خاندان میں نواب جنرل حافظ محمد علیہ اللہ تعالیٰ فر دوس مکالم اور ان کی بانو نے محترم جناب علیا حضرت
شہزادہ ولہن، اور نرہائی نس سکند صولت نواب افتخار الملک بہا درجن کی عمر اس وقت نو سال کی تھی ہمراہ تھے۔

اور فوجی جمعیت کو یمنہ سے مدینہ منورہ تک ہر کاب رہنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ ساتویں دن حکومت عثمانیہ سے اس قرطبیہ سے انتہی کی اطلاع موصول ہو گئی اور مدتِ معینہ سے تین دن پہلے جہاز یمنہ کو روانہ ہو گیا۔ معتدین شریف اور کچھ فوجی جمعیت بھی یہاں سے ہمراہ ہوئی۔ غرہ رمضان (۲۱) نومبر کو جہاز یمنہ پر پہنچا۔

یمنہ سے مدینہ منورہ کو روانگی | یہاں اکثر عمائدین و شیوخ نے استقبال کیا بعض اصحاب مدینہ منورہ سے بھی آگئے تھے۔ سرکارِ عالیہ شتی میں سوار ہو کر جب ساحل پر اتریں تو ترکی گارڈ آف آرنے سلامی دی اور توپخانہ سے ۲۱ شلک سلامی سر ہوئی۔ جائے قیام پر پہنچنے کے بعد سرکارِ عالیہ نے ایک درجہ سے رولق افروز ہو کر فوجی قاعدہ سے گارڈ آف آرن کا معاہدہ (انٹیکشن) فرمایا۔ اس موقع پر میجر میکوارٹ نے جو ٹیکل افسر کے طور پر اس بحری سفر میں ہمراہ تھے ایک مختصر تقریر کی جس کا مہمل یہ تھا کہ ترکی حکومت جس قدر سرکارِ عالیہ کی آسائش کا اہتمام کرے گی اسی قدر دو تین برطانیہ و عثمانیہ کے باہمی اتحاد و مسرت کا باعث ہو گا۔ ترکی افسروں نے جواب میں قسم کی امکانی آسائش کا اطمینان دلایا۔ یہاں پانچ دن قیام ہوا اور قیام گاہ پر ترکی فوج کا پہرہ استقامت قائم رہا۔

جن لوگوں کو (سعودی) دورِ حکومت سے قبل (سرزمینِ حجاز کی بادیہ بیانی) کا شرف حاصل ہوا ہے انہیں معلوم ہے کہ اس گلزار میں کیسے کیسے کانٹے بھی تھے اور ہر گام پر قدم شوق کا کس نہج سمحت امتحان ہوتا تھا۔ بدوؤں کے بسیوں گروہ اور قبائل تھے جن میں طمع و حرص حد سے متجاوز تھی اور اس کے پورا کرنے کے لئے بعض اوقات وہ حجاج کے حق میں پیغامِ ہلاکت بن جاتے تھے مگر عالیہ کے قافلہ کی شہرت وقت سے بہت پہلے تمام قبائل میں گونج گئی تھی اور وہ طرح طرح کے کریمانہ اور پٹما عانہ الادوں کے ساتھ درودِ قافلہ کے منتظر تھے۔ روانگی سے قبل پہلے موقع پر معتدین شریف کی طامعی سے اونٹوں کے ملنے میں قیتیں پیش آئیں انہوں نے غیر معمولی طور پر کرایہ میں اضافہ کر دیا بلکہ دوسرا اونٹ کرایہ پر لئے گئے اور اس انتظام میں خلافتِ توقع یہاں پانچ دن زیادہ قیام ہوا۔

۷ رمضان (بحسابِ رویت ہلالِ یمنہ جو ایک دن قبل ہوئی تھی) قریب بارہ بجے دن کے قافلہ روانہ ہوا۔ قافلہ کو رخصت کرتے وقت ترکی کمانڈر نے فوجِ محافظ کو مخاطب کر کے ایک

اکیچ دی جن کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

”اے میرے بچو! بیگم صاحبہ بھوپال مسلمان ہیں اور حج کے لئے تمہاری سرزمین پر آئی ہیں اس لئے جہاں تک تم سے ہو سکے ان کی اعانت و فرماں برداری اور حفاظت کرو اور یہ سچی تمہارے سلطان کا حکم ہے۔ دیکھو! ذرا سی فرو گذاشت میں تمہارے آقا کی ناراضی اور تمہاری قوم کی بدنامی ہو جائے گی۔“

مینور سے فوجی جمعیت کا بھی اضافہ کر دیا گیا تھا جس منزل پر قیام ہوتا قافلہ کے گرد محافظ فوج ایک حصار قائم کر لیتی، دو ایک مقامات پر دہشت انگیزی کی گئی اور خفیف مزاحمتیں ہوئیں اور اس کا مقصد صرف حصول زرتھا، دوسرے مقام پر سرکار عالیہ کچھ انعام دے کر اس خطرہ کو دفع کرنے پر آمادہ تھیں مگر کمانڈر نے اختلاف کیا کیوں کہ اس انعام سے خطرہ اور زیادہ شدید ہو جاتا۔ مینور منورہ تک بہتے قبائل کی آبادی تھی۔ ہر قبیلہ اسی طرح دہشت انگیزی کرتا اور ان سب کا دہن آذر کرنا ممکن نہ تھا۔ البتہ مقام خیف پر چند شیوخ نے امداد کی استدعا کی اور سرکار عالیہ نے محض اس خیال سے کہ ”یہ لوگ دیار عرب کے رہنے والے اور متحق الخیر ہیں“ چار ہزار روپیہ عطا کر کے ایک شریفی معتمد کے ذریعہ تقسیم کرایا اور الرضوان المبارک کو قافلہ بصحت و سلامتی بیردریش پر پہنچا۔ اس منزل پر حکومت کی طرف سے ترکی دستے مع توپخانہ استقبال کے لئے حاضر تھے جنہوں نے باقاعدہ سلامی دی اور ۱۲ فریزر کے دوسرے دن بیر علی پر قیام ہوا جو مدینہ منورہ سے ذویل کے فاصلہ پر ہے۔

۱۳ | رمضان المبارک کو بجے صبح مدینہ منورہ روانہ ہوئیں۔ ترکی فوج جلو مدینہ طیبہ میں داخلہ

شہر کے دروازہ (باب عنبرہ) پر سواری پہنچی، محافظ (گورنر) مدینہ اور ایک عہدہ دار حرم نے فوجی بینڈ اور توپ خانہ کے ساتھ استقبال کیا اور سلامی ادا کی گئی سرکار عالیہ سواری سے اتر کر ایک خیمہ میں تشریف لے گئیں جو آرام فرمانے کے لئے حکومت کی طرف سے نصب تھا۔ یہاں اعیان شرفائے مدینہ سے پس حلپن ملاقات کی اور سب ذیل تقریر فرمائی :-

”حضرات مقدس صفات، خدا کا ہزار ہزار شکر مجھ پر واجب ہے جس نے راستہ کی انتظام دشواریوں کو جنھوں نے میری نانی نواب سکندر بیگم صاحبہ خلدیش کو اس نعمت عظمیٰ سے

محمود رکھا تھا مجھ پر آسان کر کے میری تمنائے دیرینہ کو پورا کیا اور خاک پاک مدینہ منورہ سے میری آنکھوں کو روشن فرمایا۔ اور افضل ترین صلوٰۃ و سلام اس رسول مقبول پر جس کے روضہ مطہر کی زیارت کو میں کمال ارادت مندی ہر تن شوق ہو کر حاضر ہوئی ہوں اس کے بعد حضرت سلطان اعظم خلد اللہ ملکہ و سلطانہ کی مسافر نوازی کی منت پذیری میرے ذمہ لازم ہے جنھوں نے میرے اعزاز و احترام اور میری حفاظت و صیانت و آسائش و آرام کا انتظام پہنچ فرما کر مجھے بے حد زیر بار احسان فرمایا جناب والی صاحب مدینہ پاک و حضرت شیخ الحرم صاحب دو دیگر علماء و مشائخ اکابر کا شکریہ بھی تہ دل سے ادا کرتی ہوں جنھوں نے میرے استقبال کی تکلیف یہاں تک گوارا فرما کر مجھے مہون منت فرمایا جملہ افسران اعلیٰ و ماتحت و بہادر فوج ترکی جو جتدہ و مینبوع و بیردر ویش سے مجھے اپنی حفاظت و حمایت میں یہاں تک لائے ہیں ان کا شکریہ ادا کئے بغیر میں اپنی تقریر کو ختم نہیں کر سکتی جنھوں نے میرے آرام کے لئے مشقت و عرق ریزی مشابہ روزی اپنے اوپر گوارا کی۔

ترکی فوج کی جفاکشی اور مستعدی کی تعریف جس قدر میں سنا کرتی تھی اُس سے زیادہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی یہ بہادر فوج بڑی سرگرمی سے پیادہ یا ہمارے قافلہ کے ساتھ اس تمام راستہ میں دن بھر چلتی تھی اور رات کو نہایت مستعدی و خبرداری کے ساتھ میرے کیمپ کے گرد حلقہ باندھ کر پہرہ دیتی تھی، لیکن اس فوج کی جن مشقت نے مجھے سب سے زیادہ محفوظ اور متحیر کیا وہ یہ تھی کہ خطرناک مقامات پر یہ فوج نہایت بلند و دشوار گزار پہاڑوں پر بڑی تیزی کے ساتھ چڑھ جاتی تھی اور امن کی نسبت اپنا اطمینان کر کے پھر بے تکلف اتر کر میرے قافلہ کے ساتھ ہولیتی تھی۔ اگرچہ بعض نااعاقبت اندیش لوگوں نے میرے قافلہ پر متواتر گولیاں چلائیں لیکن اس فوج کی ہوشیاری و بہت سے نہ کسی کو ایسے اضرار کی جرأت ہوئی اور نہ ان گولیوں سے بفضلہ تعالیٰ میرے قافلہ کو کوئی ضرر پہنچا۔ یہ بھی حضرت سلطان المعظم کی حق توجہ کا اثر تھا کہ قبائل عرب کے شیوخ و اکابر راستہ میں آکر مجھ سے ملے اور اظہار

لہذا ب سکندریہ تک ہم ملے ج ج کے لئے گئیں تھیں مگر بدوؤں کی شورش اور راستہ کے خطرات کی وجہ سے مدینہ منورہ نہ جاسکیں۔

دفاکیشی اور اعانت پر آمادگی ظاہر کی میرے قافلہ کے ساتھ ساتھ رہے بہر حال اس کا رخیر میں جن صاحبوں نے مجھے مدد پہنچائی ہے میں ان کی سپاس گزار ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بایں کمرمت سلامت رکھے اور مقاصد بر لائے۔“

اس کے بعد بیواری تختِ رواں شہر میں داخل ہوئیں اور ایک وسیع اور موزوں مکان میں قیام ہوا لیکن چونکہ یہ حرم شریف سے دور تھا اس لئے مسجد نبوی کے باب مجیدی کے قریب انتظام کیا گیا اور جو تھے دن بعد سلام روضہ مطہرہ جدید مکان میں منتقل ہو گئیں اور حرم شریف میں حاضری دی اور ارکانِ زیارت ادا کئے اب روزانہ نماز عشاء مسجد نبوی میں ادا کرتیں، شیخ الحرم نے ایک جگہ سب سے الگ مخصوص کر دی جہاں کوئی نہ جاسکتا تھا اور بقول خود ”جس کے سبب سے ماہ مبارک رمضان میں جحدہ عبادت میری تقدیر میں لکھی تھی کر لی“ مدینہ طیبہ میں ڈھائی مہینہ قیام رہا اعیان و شرفا اور ارکانِ حکومت نے نہایت احترام و خلوص کا برتاؤ کیا خواتین عرب سے بھی ملاقاتیں ہوئیں اور دونوں جانب سے دعوتوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان کا طرز معاشرت بھی بنظرِ غائر ملاحظہ کیا۔ ترکی گورنر نے بھی عید اور خضعت کے دن بڑے اعلیٰ پیمانہ پر دعوتیں کیں۔ ریاست سے مکہ معظمہ کے متعدد اشخاص وظائف لاتے تھے مگر مدینہ منورہ کے کسی شخص کا وظیفہ نہ تھا سرکارِ عالیہ نے یہاں بھی معقول وظائف مقرر کئے اور متعدد اصحاب کو ہدایا اور فیاضانہ انعامات دیئے۔

پہلے مینوع اور جتدہ کے راستہ مکہ معظمہ جانے کا ارادہ تھا لیکن پھر براہ راست مدینہ طیبہ سے قصد کیا جو خطرات کہ پیش آچکے تھے اُن کے لحاظ سے سرکارِ عالیہ کا قافلہ شامی قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا فوجی جمعیت میں بھی کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ ۲۷ رذی قعدہ (۳۱ فروری ۱۸۸۷ء) کو احرام باندھا اور حرم نبوی میں حاضر ہو کر سلام خضعت پڑھا بعد عصر مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر بیر علی قریب کیا۔

۲۸ رذی قعدہ کو مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوئیں تیسری منزل پر بدوؤں کی طرف سے خطر محسوس ہوا اور فوراً حفاظتی تدابیر کر لی گئیں۔ چوتھی منزل میں انھوں نے سلسلہ کوہ کی آڑ سے گولیاں برسانی شروع کیں اس حملہ کا موثر جواب کسی قدر مشکل تھا کیونکہ حملہ آور پہاڑوں کے اوپر اور قدرتی

حصار میں تھے مگر ترکی بستہ بلا خوف و خطر پہاڑوں پر چڑھتا چلا گیا اور حملہ آوروں کو توپ خانہ کی زد میں لے آیا غرض میدان جنگ کا اچھا خاصا منظر بن گیا اور دو گھنٹہ سے زیادہ یہ معرکہ قائم رہا ایک ترک افسر سلمان آغا یوزباشی شہید ہوا۔ اور بدوؤں کی متعدد جانیں ضائع ہوئیں۔ بالآخر حملہ آور برہی طرح پسپا ہو کر منتشر ہو گئے اس کے بعد کوئی خطرہ پیش نہیں آیا۔

۱۲ ذی الحجہ (۲۳ فروری) کو ۱۲ بجے دن کے مکہ معظمہ میں داخلہ اور استقبال و قیام | میں داخلہ ہوا والی حجاز اور شریف مکہ نے فوجی استقبال کیا جمعیت موسیقی (بندہ) نے سلامی بجائی اور توپ خانہ نے شلک سلامی سرائی۔

مناسک و ارکان حج ادا کرنے کے بعد سرکار عالیہ ۲۱ ذی الحجہ تک مکہ معظمہ میں مقیم رہیں اس عرصہ میں اعیان و خواتین مکہ، ترکی حکام اور صر و دمشق کے عہدہ داروں سے سلسلہ ملاقات جاری رہا۔ ۲۲ ذی الحجہ کو پورا قافلہ فوجی معیت و حفاظت میں مکہ معظمہ سے روانہ ہوا۔ ۲۳ کی شام مراجعت کو مع الخیر جدہ پہنچا، جہاز اکبر منتظر قدم تھا، سرکار عالیہ نے اسی وقت تشریف لے جا کر استراحت فرمائی دوسرے دن قافلہ سوار ہوا اور سامان بار کیا گیا، ۲۵ کو جہاز نے ننگر اٹھایا اور ۸ محرم ۱۳۲۷ھ (۲۶ مارچ ۱۹۰۷ء) کو ساسل بمبئی پہنچا، گورنمنٹ بمبئی کی طرف سے مراسم استقبال ادا کئے گئے اکثر اراکین و متوسلین ریاست بھی خیر مقدم کے لئے حاضر تھے۔

قافلہ کا بڑا حصہ اسی دن بھوپال روانہ کر دیا گیا اور سرکار عالیہ نے چند دن بمبئی میں قیام فرما کر ۱۶ محرم (۴ اپریل) کو بھوپال کی جانب ہفت فرمائی۔

تمام ارکان و اعیان ریاست اور عامہ رعایا نے جس جذبہ و جوش اور عقیدت و خلوص کے ساتھ استقبال کیا وہ ایک ایسا پُر اثر نظارہ تھا جو الفاظ میں بیان ہی نہیں ہو سکتا۔ صرف نظر سے ہی تعلق رکھتا تھا، نہایت ہی تکلف کے ساتھ شہر کی آرائش کی گئی تھی ہر در و دیوار رعنائی و دل فریبی کا موقع تھا۔ ہر طرف رنگارنگ جھنڈیاں اور بیرقیں لہرا رہی تھیں، جا بجا متعدد دروازے بنائے گئے تھے جن کی سجاوٹ میں جذبات دل کی کار فرمائی نمایاں تھی،

ادنے سے اسے انگ کا شستہ کار و مزدور سے لے کر رکن ریاست تک کی متنفس ایسا تھا جو سیکر انبساط نہ ہو۔

سرکار عالیہ نے شاہی سیلون سے اتر کر پہلے ریاست کے دیکنگ روم میں استقبال کرنے والوں کا سلام تیریک قبول فرمایا اور پھر کبھی میں سوار ہو کر فوج درعایا کا جو سڑک کے دونوں جانب شائقانہ منظر بنایا حاضر تھی سلام لیتی ہوئی ایوان صدر منزل میں داخل ہوئیں۔

سرکار عالیہ حرمین الشریفین سے جو تبرکات لائی تھیں وہ بمبئی میں چھوڑ دیئے گئے تھے جو بعد میں ۱۰ ربیع الاول کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بھوپال لائے گئے، تمام عمائدین ریاست اسٹیشن پر حاضر ہوئے اور ایک جلوس مرتب ہوا جس کے ساتھ یہ تبرکات معینہ راستوں سے موتی مسجد میں زیارت کے لئے لائے گئے جہاں ایک ہفتہ تک عام مسلمانوں نے اُن کی زیارت کی۔

سرکار عالیہ کا یہ سفر پانچ ہینہ نہ یوم کا تھا اور ہر اس کے کہ ارض حجاز میں دو مرتبہ خطرات کا مقابلہ کرنا پڑا اور ہر طرح سلامتی و خیریت رہی، ان خطرات کی اصل وجہ نہ صرف بدوؤں کی حرص نہ آز تھی بلکہ ان کے بعض شیوخ بھی ہمہ تن طمع بن گئے تھے، خصوصاً شریف مکہ نے تو سازش کا ایک جان بچھا دیا تھا، جس کی ادنیٰ مثال یہ تھی کہ مزدوری تک کی قیمت لگا دی تھی یعنی وہی شخص مزدور ہو سکتا تھا جو شریف کو گراں قدر نذرانہ پیش کرے، اونٹوں کے گرایوں میں غیر معمولی اضافہ بھی اسی سازش کا سبب تھا، مکہ معظمہ میں سرکار عالیہ نے جس مکان میں قیام کیا تھا اس کا کرایہ ایک ہزار گنی قرار دے کر مطالبہ کیا حالانکہ مکان کا انتظام حکومت کی طرف سے کیا گیا تھا، تاہم سرکار عالیہ نے اس مطالبہ کے ادا کرنے کا حکم دے دیا لیکن والی (گورنر) نے شریف کی اس حرکت پر سخت ملامت کی اور یہ اصرار روپیہ دینے سے روکا، سرکار عالیہ چند مواقع پر نظر ہمدردی و ثواب جو کچھ ان لوگوں کو دینا چاہتی تھیں وہ ان کے اندازہ سے کم تھا اس لئے انھوں نے تحریف و حملہ سے اپنا دہن آذ بھرنا چاہا لیکن یہ امر سرکار عالیہ کی طبیعت کے خلاف تھا کہ کسی دہکلی، خوف اور خوشامد سے بے اعتدالی کے ساتھ جو د بخشش پر مائل ہوں البتہ جن شیوخ نے طامعی سے احتراز رکھا وہ امید سے زیادہ متمتع ہوئے اور پھر حرمین الشریفین کے مصارف تو موازنہ ریاست کا ایک جزو ہو گئے اور ہمیشہ ان میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

سیاحتِ یورپ

سیر و سفر کے تذکروں میں اکثر مثالیں یورپین لیڈر کی بڑی بڑی سیاحتوں کی موجود ہیں اور خال خال مشرقی بیگمات کے بھی حالات سفر نظر آجاتے ہیں لیکن ان میں سرکارِ عالیہ کی سیاحت فی واقعہ عظیم المثال ہے۔

سرکارِ عالیہ کا چوتھ سال کی عمر میں یورپ کی سیاحت کے لئے روانہ ہونا اور پھر مذہب و پردہ کی کامل پابندی کے ساتھ ایک عجیب حیرت ناک امر ہے۔ بے شک مشرقی بیگمات ہی نہیں بلکہ مسلمان خواتین ارضِ حجاز و بغداد اور کربلائے معلیٰ کو حج و زیارت کے لئے جاتی ہیں اور بعض ہندو رانیاں اور امیر عورتیں یورپ کو بھی گئی ہیں اور چند یورپین لیڈر نے دنیا کے اُن تمام حصص کی سیاحت کی ہے جہاں ریل و جہاز کے ذریعہ سے امکانِ سفر ہے لیکن سرکارِ عالیہ نے جس طرح سفر حجاز کیا وہ ناظرینِ پڑھ چکے ہیں اور سیاحتِ یورپ کے لئے جس طریقے پر قدم اٹھایا اور جس کو آخر تک نباہا وہ ناظرین کے زیرِ مطالعہ ہے۔ یہی تمام باتیں سرکارِ عالیہ کے سفر کو ایک ایسا سفر بناتی ہیں جس کی مثال اس سے قبل نہیں ملتی۔

بارِ اوّل

روانگی اور درمیانی مقامات کی سیر | اپریل ۱۹۱۱ء کو سرکارِ عالیہ سفرِ یورپ کے لئے بندوبست سے کالیڈونیا ائیر پورٹ پر سوار ہوئیں۔ دو صاحبزادے نواب جنرل حافظ حاجی محمد عبید اللہ خاں بہادر (مرحوم و مغفور) اور اعلیٰ حضرت اقدس بالقابہ، نیز ہرمانیئس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم معیت میں تھے۔ راستہ میں مارسیلز کی سیر فرمائی۔ یہاں ہندو

اس سفر کے حالات کو نہایت دل چسپ پیرایہ میں ہرمانیئس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم نے قلم بند کر کے سیاحتِ سلطانی کے نام سے شائع کیا ہے۔

سنے اپنے ملک کی ایک حلیل قدر والیہ ریاست کے اعزاز اور اپنے اظہار عقیدت کے لئے رُجوش اور شاندار استقبال کیا۔ چونکہ سرکار عالیہ پہلے فرانس کی سیر کرنا چاہتی تھیں اس لئے مارسیلز سے پیرس کو روانہ ہوئیں راستہ میں اٹلی، سسلی، پورٹ سعید کے مناظر بھی ملاحظہ کئے۔ پیرس میں وہاں کے تاریخی مقامات اور عمارات کی سیر فرمائی میوزیم کو ملاحظہ کیا جو نیولین بونا پارٹ کے ایوان سلطنت میں ہے اور جہاں لٹس پانز دہم قید کیا گیا تھا، سب سے بڑے گرجا کو بھی دیکھا جو شہر پیرس کی ناک سمجھا جاتا ہے۔ ہوٹل میں پہنچنے سے بہت پہلے اخباروں کے نامہ نگار فوٹو گرافر اور سینو میٹو گراف (متحرک تصاویر) کا تماشہ دکھانے والوں نے ہوٹل کی عمارت کے تمام دروازوں کو گھیر لیا تھا کہ مشرقی ملک کے آتے ہی اُن کی تصویریں لے لیں اور اخباروں میں خبریں دوڑا دیں لیکن یہ لوگ اپنے اس خیال کے پورا کرنے میں سخت بایوس تھے کیوں کہ انگریزی افسروں نے جو تھرکاب تھے دانشمندی اور حکمت عملی سے نہایت عجلت کے ساتھ سرکار عالیہ کو نیام گاہ کے کمروں میں پہنچا دیا اور یہ لوگ سوائے سفید سفید ٹوپی دار برقعوں کے جلوس کے اور کچھ نہ دیکھ سکے۔ لطف یہ ہے کہ اس پُر اسرار منظر نے اہل پیرس کے دلوں میں اور بھی اشتیاق بڑھا دیا کہ وہ سرکار عالیہ کے متعلق مزید حالات معلوم کریں مگر اُن کو کامیابی نہ ہوئی۔

انگلستان میں داخلہ اور ریڈ ہل میں قیام | پیرس کی سیر کے بعد سرکار عالیہ جہاز میں انگلستان لائی گئی جس کے سیلون کا دروازہ جہاز کے قریب ہو گیا۔ سرکار عالیہ سوار ہو کر ریڈ ہل میں داخل ہوئیں جہاں زمانہ قیام کے لئے ایک پرفضا عمارت کا انتظام کیا گیا تھا۔ مضامفات لندن میں ریڈ ہل سکون اور آس و سہوا کے لحاظ سے ایک بہترین قصبہ ہے جو لندن سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ چونکہ سرکار عالیہ مناظر قدرت کی شائق تھیں اور آبادی کے شور و شغب سے دُور رہنا پسند کرتی تھیں اس لئے خاص لندن میں قیام کرنا پسند نہ فرمایا اور اس قصبہ کو انتخاب کیا۔ یہاں اخبارات کے نمائندوں کو ایک حد تک سرکار عالیہ کے مشاغل معلوم ہونے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ ایک اخبار نے اس کے متعلق تحریر کیا تھا:-

”ہر مانیس پابند اوقات اور صبح اٹھنے والی ہیں وہ نہایت مضبوط کیرٹر کھتی ہیں۔ ہ بجے صبح اٹھتی ہیں اور بجے ناشتہ فرماتی ہیں۔ ناشتہ سے پہلے اپنے گراؤنڈ پر چہل قدمی کرتی

ہیں اور پھر دوسری مرتبہ ملتی ہیں اس کے بعد کچھ مطالعہ کرتی ہیں اور پھر ہر ایسی لیڈیز کے ساتھ بات چیت میں مصروف ہو جاتی ہیں، دن بھر گھر کے اندر رہتی ہیں۔ انگریزی اور دوسری زبانوں کے اخبارات کا مطالعہ کرتی ہیں۔ ناول پڑھتی ہیں لیکن عمدہ تصنیفات کو ترجیح دیتی ہیں۔ اگرچہ ان کی لیڈی ڈاکٹر کے پاس انگریزی ادویات کا کبس ہے۔ لیکن ہر بائیس بہت تندرست ہیں دن کا معقول حصہ بیٹنگ میں بھی صرف فرماتی ہیں۔“

مختلف اوقات میں سرکار عالیہ نے مدارس، شفا خانے اور نباتات کے شاہی باغ کا معائنہ کیا۔ پال مال میں وائر کلائر کمیشن کی سیر کو بھی تشریف لے گئیں جہاں پریسیڈنٹ نے استقبال کیا۔ مارل بر وہوس میں ملکہ انگلینڈ (کوئن مدر) سے ملاقات کی۔ اور قصر بکننگھم میں ۹ مئی کو ملک معظم جارج چہم فیصلہ مند کے دربار میں شریک ہوئیں۔ انعقاد دربار سے تھوڑی دیر پہلے دیرمبٹن نے سرکار عالیہ سے ملاقات کی۔

۲۳ جون کو تاج پوشی کے عظیم الشان جلوس میں جس میں تمام سلطنت کے قائم مقام شریک تھے شرکت کی اس موقع پر ایک کھلی گاڑی میں بہ لباس برق سوار تھیں۔ دوران قیام میں تمام شاہی تقریبات اور مختلف سوسائٹیوں اور اُمراء کی پارٹیوں میں بھی شریک ہوئیں۔ ارل اور کونٹس آف منٹواور دیگر انگریز شرفاء اور خواتین سے جن کے ساتھ ہندوستان میں راہ و رسم تھی اور دیگر معزز ہندوستانیوں سے جو یہاں مقیم تھے متعدد مرتبہ ملاقاتیں کیں ایک مرتبہ ناہم کے مشہور ہسپتال دیکھنے کے لئے بھی تشریف لے گئیں جو ملک جرمینی میں واقع ہے جس میں بجلی کے ذریعہ علاج امراض کا جدید طریقہ جاری ہوا تھا۔

انگلستان میں ڈیڑھ مہینہ قیام کے بعد جنیوا اور بوڈ ہاپسٹ کے رستے سے استنبول کا سفر اور قیام

خمدہ داران سفارت برطانیہ کے علاوہ سلطان المعظم کے ایک سکریٹری اور ایک ایڈیکانگ اسٹیشن پر موجود تھے اور شاہی گاڑی بھی حاضر تھی، یہاں پہلے پیر میں قیام فرمایا اور آٹھ دن بعد تھرائیا کے سمریلیس ہٹل میں جو باسفورس کے کنارہ پر واقع ہے منتقل ہو گئیں، لیکن دولت عثمانیہ اور تعلیم یافتہ ترک خواتین سے ملاقاتیں ہوئیں، یہ خواتین بڑے شوق سے ملنے کو آتیں اور صنفی مسائل گفتگو میں ہوتیں، احمد رضا بے ہیڈ آف پارلیمنٹ کے زمانہ مدرسہ کا معائنہ کیا۔ اعلیٰ حضرت سلطان المعظم سے

سفیر برطانیہ کے ذریعہ سے دولہہ باغیچہ میں ملاقات ہوئی۔ حرم سرا میں جا کر سلطانہ سلیطہ خدیجہ سلطانہ العظمیٰ
ہمراہ گئے اور تعارف کرانے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔

ترکی کے خزانہ میں نہایت مقدس تبرکات ہیں اور سرکار عالیہ کو ان کی زیارت کا بے انتہا شوق
تھا چنانچہ اس کا انتظام ہوا اور زیارت سے مشرف ہوئے، استنبول کے دوران قیام میں حضور مجدد و حق
سلطان العظمیٰ نے ایک نہایت مقدس تحفہ دیا جو بھوپال کے لئے دائمی خیر و برکت کا باعث رہے گا یعنی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک جو سلطان العظمیٰ کو ذاتی درشن میں حاصل ہوا تھا۔

اس سفر کے متعلق سرکار عالیہ نے آبرو نگیم صاحبہ کو ایک مکرمت نامہ ارسال فرمایا تھا جس میں
تحریر فرمائی ہیں کہ:-

سرکار عالیہ کا ایک مکرمت نامہ | آبرو نگیم سکریٹری لیڈیز کلب !

۲۹ جولائی کو سب خیر و عافیت سے استنبول پہنچے ویانا جاؤ آسٹریا کا شہر ہے اس کے
بعد سے یورپ کی شادابی میں منزل معلوم ہوتا ہے جوں جوں آگے چلے جاؤ ایشیا کی جھلک
معلوم ہوتی جاتی ہے ویانا میں گھوڑے اچھے ہوتے ہیں اس لئے وہاں کرنل صاحب نے
قیام کیا اور ہم آگے چلے گئے جینوا سے ویانا ۲ گھنٹہ کا راستہ ہے قسطنطنیہ کا جینوا سے
چار روز کا راستہ ریل سے ہے۔ غرض ریل سے حالت ملک دیکھتے ہوئے چلے جاتے
تھے دوسرے روز صبح ملک سرویا میں پہنچے۔ شام کو بلغاریہ۔ لیکن یہ صوبہ ترکی کا تھا اب
آزاد ہو گیا ہے۔ یہاں تک تو خیر یورپ کی جھلک نظر آتی تھی۔ اب شام ہو گئی اور اندھیرا
ہو گیا کچھ دکھائی نہیں دیتا صبح ترکی علاقہ میں داخل ہوئے۔ سرخ سرخ لڑیاں بجائے لالہ
کے نظر آنا شروع ہوئیں۔ سناٹا اچھا یا ہوا۔ یہاں یورپ کی ہی پہل پہل کا نشان نہیں جو تین
معدوم مرد اسٹیشن پر پھرتے نظر آ رہے تھے دو روز برابر ترکی علاقہ میں ریل چلتی رہی لیکن
بجڑ کہیں کہیں مکا کے کھیتوں کے یا تاکہ دار کے جھونپڑے کے کچھ نظر نہیں آتا۔ پہاڑیاں جنگلی
پھولوں یعنی گھانسن کے پھولوں زرد اور زعفرانی سے آراستہ تھیں جگہ جگہ گھانسن کی گنجیاں

لگی ہوئی تھیں کہیں کہیں پہاڑی ندیاں تھیں جو غالباً بارش میں بہتی ہونگی۔ اس وقت تو کہیں کہیں تھوڑا تھوڑا پانی جاری تھا جس پر ہمارے ترک خانہ بدوش یا بھیڑ بکری کے چوڑے اپنی بھیڑیں اور گٹے چارہے تھے۔ یہاں کھیتی مثل ہندوستان کے سیلوں سے ہوتی تھی۔ بناریہ سے بھینس اور اونٹ بھی نظر آئے غرض اسی طرح قسطنطنیہ پہنچے۔ سلطان المعظم کی جانب سے راعب بے سکریٹری اور گورنمنٹ ترک کی جانب سے ایک اے، ڈی، ڈی ہسی اور ہماری گورنمنٹ کی جانب سے سفیر کے سکریٹری استقبال کو آئے تھے اگرچہ ہم نے لکھ دیا تھا کہ میں بالکل پراوٹ سفر کر رہی ہوں لیکن پھر بھی احتراماً بھیجے گئے۔ سلطان المعظم کی جانب سے گنجی آئی، اور میں سوار ہو کر پیرا ہوٹل میں اتری راعب بے کو رخصت کیا۔

دوسرے روز سفیر انگلشیہ سے ملنے گئے۔ سلطانی نگار ڈی روز کے واسطے مقرر ہو گئی

جہاں جانا ہوگا اسی پر تکلف گاڑی میں جانا ہوگا۔ سفیر اور ان کی خاتون بہت زیادہ احترام سے پیش آئے۔ بحرحہ تک استقبال کیا۔ بحرحہ سفیر کی جانب سے آیا تھا۔ سفیر صاحب نے چار وغیرہ پلائی۔ ان کی خاتون بہت سی باتیں کرتی رہیں۔ کرنل صاحب جو ویانا میں ٹہر گئے تھے ابھی نہیں آئے۔ راستہ میں بد ہاپسٹ دیکھنے پھڑکے تھے۔ تیسرے روز رفعت پاشا وزیر خارجہ ملنے آئے اور آج کرنل صاحب بھی بد ہاپسٹ سے آگئے تھے۔ ہماری جانب سے ملاقات بازوید کو دونوں صاحبزادہ جاتے تھے جو تھے روز گرینڈ وزیر آئے ان سے ملاقات ہوئی۔ پانچویں روز احمد رضا بے جو پارلیمنٹ کے امسر اعلیٰ ہیں وہ آئے سمجھتے (دن) کمانڈر انچیف ترکی تشریف لائے غرض روزانہ اسی طرح ملاقاتیں ہوتی رہیں ہم سلطان المعظم کے سلام کو گئے محل نہایت آراستہ خوشنما جگہ پر بنا ہوا ہے ایک امسر نے گنجی سے اتارا دو سکریٹری آگے راستہ بتاتے چلے ایک کمرہ جو سپیشل روم ہے اس میں ہم کو اور صاحبزادگان کو بٹھایا گیا اس کے بعد سفیر انگلشیہ آئے ان کو سلطان المعظم کے نزدیک لے گئے یہ سفیر انگلشیہ کی پہلی ملاقات تھی اس وقت تک وہ سلطان المعظم کی ملاقات سے مشرف نہیں ہوئے تھے ایک خواجہ سلہارے واسطے مشرت بہر تکلف پیالوں میں لایا نہایت مودبانہ طریقہ سے۔ ہم نے تو مشرت نہیں پایا کیونکہ گرمی میں چل کو آئے تھے اور یہ

خیال تھا کہ نزلہ کی تحریک نہ ہو۔ صاحبزادگان نے شربت پیا۔ دونوں خواجہ سرا بعد شربت نوشی کے چلے گئے پھر وہی خواجہ سرا صبح بیابیوں میں قہوہ لے کر آئے۔ ہم نے قہوہ پیا۔ صاحبزادگان نے شکریہ سے واپس کیا اس کے بعد سفیر انگلشیہ کے سکریٹری آئے اور ہم کو اس کمرہ میں لے گئے یہاں سفیر صاحب اور سلطان المعظم تشریف رکھتے تھے۔ ترکی طریق پر ہم نے اور صاحبزادگان نے آداب بجالایا بیٹھنے کی اجازت ہوئی سلطان المعظم نے ہر سہ اصحاب کی مزاج پرسی زبان ترکی میں کی مترجم نے ترجمہ کیا، سلطان المعظم نہایت مکرر فرمایا ہیں، جن کی طبیعت، طرز کلام اور انکساری اصحاب رسول مقبول اور اچھے خلفائے اسلام کی باتوں کو یاد دلادہی تھی۔ بھڑکی دیر کے بعد سلطان نے فرمایا کہ محل میں تشریف لے چلئے خود ہمارے ہمراہ ہوئے صاحبزادگان ہمیں سفیر انگلشیہ کے نزدیک ٹھہرے رہے۔ نہایت چکر کی گیلریوں سے زنانہ کمروں میں پہنچے جو عین زنا نہ کرے قریب آتے جاتے تھے خواجہ سراؤں کی صفیں استادہ نظر آتی تھیں۔ راستہ میں دونوں شہزادگان سلطان المعظم جو خدا کے فضل سے جوان ہیں اُن سے مصافحہ ہوا آگے اب خواصوں کی لین نظر آئی اور ہاتھوں ہاتھ ہم کو نیا سلطان المعظم آگے ہم پیچھے پیچھے چلے جاتے تھے غرض کمرہ خاص میں پہنچے، چیف سکریٹری کی دختر مترجم تھیں ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور سلطان المعظم بھی بیٹھ گئے دوسری جانب سے ہر دو سلطانہ اور اُن کے پیچھے ایک حرم برآمد ہوئیں تمام خواصوں نے تسلیم جھکادیا ہم تعظیم اُٹھ کرے ہوئے مصافحہ ہوا مزاج پرسی ہوئی۔ دونوں سلطانہ کرسی پر رونق افروز ہوئیں حرم زمین پر بیٹھ گئی یہاں سلطان المعظم مترجم بنے میں اُن سے فارسی میں گفتگو کرتی تھی وہ ترکی میں خواتین کو سمجھا دیتے چند منٹ کے بعد سلطان یہ کہہ کر اُٹھے اب خواتین سے گپ زنی کیجئے میں باہر سفیر اور آپ کے صاحبزادوں کے ہمراہ قہوہ نوشی کروں غرض سلطان تشریف لے گئے اور خواتین کی بن پڑی اُٹھ اُٹھ کر نسل خواہروں کے گلے ملیں اور جیسے ایشیائی رسم ہے اسی طرح مدارات کی چند مرتبہ اُٹھنے کا ارادہ کیا لیکن وہ جاے نہیں بتیں یہ اُن کو پہلا موقع تھا کہ غیر ملک کی خواتین سے ملنے کا اتفاق ہوا چار آئی اُسٹھانی آئی غرض ایک گھنٹہ بعد دونوں سلطانہ اپنا باغیچہ دکھانے لے گئیں اپنا بارقعہ دکھایا مترجم ترجمہ کرتی

جاتی تھی پھر سلطان تشریف لائے آئندیم آئندیم کی صدا بلند ہوئی اس کے بعد ہم غصہ ہوئے اور سلطان المعظم کے ہمراہ باہر محل کے آئے ایک حد معینہ پر سلطان نے چھوڑا اسی طرح اس کمرہ میں گئے جہاں صاحبزادگان ہمارا انتظار کر رہے تھے سفیر صاحب جابگو تھے غرض وہاں سے چیف سکرٹری گئی تک لے گئے اور ہم ہول کو واپس آئے۔ ساتویں روز مساجد کو دیکھا۔ مسجد سلطان احمد میں دو رکعت نماز نفل پڑھی۔ آٹھویں روز زیارت خرقہ شریف ببول مقبول کو گئے۔ خرقہ شریف تو نہیں دیکھا کیوں کہ وہ چالیس غلاف کے اندر سر بہ مہر رکھا ہوا ہے ہر رمضان کی ۱۵ تاریخ کو سلطان اپنے دست مبارک سے اس مہر کو توڑتے ہیں بعد زیارت پھر مہر لگا دیتے ہیں اسی وقت اور افسروں کو زیارت نصیب ہوتی ہے غرض ہم نے اس کپڑے کو بوسہ دیا۔ پھر قدم مبارک دیکھا حضرت عثمان علیہ السلام کا طہمی قرآن مجید دیکھا۔ اس قرآن مجید کو آپ پڑھ رہے تھے جو شیفتوں نے قتل کیا اس پر ان کا خون پڑا ہوا ہے حضرت عمرؓ اور اصحاب کی تلواریں دکھیں اس علم کو دیکھا جو ببول مقبول کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ غرض ایسی تبرک اشیاں دیکھیں کہ سب کلفت دور ہو گئی۔ یہ تمام کیفیت اپنی خواہش قلب کے سننے کے واسطے لکھی ہے تاکہ وہ بھی سن کر خوش ہوں باقی آئندہ لکھوں گی یلدرم بیس دیکھا تھا خوبصورت محل ہے ایسے ہی بہت سے محلات بہت خوبصورت ہیں۔“

یہاں سے بیت المقدس کا ارادہ بھی تھا لیکن شدت گرمی وغیرہ کے باعث **بڈہا پسٹ اور قاہرہ کی سیر** فرج کرنا پڑا۔ استنبول سے روانہ ہو کر بڈہا پسٹ کو دیکھا۔ یہاں شہر

پروفیسر وکیمبری سے ملاقات ہوئی اور فلانس کے خوبصورت شہر میں دو گانہ عید الغطر ادا کیا۔ پھر بزنڈی سے براہ پورٹ سعید قاہرہ آئیں۔ لارڈ کچنر کو پہلے سے مطلع کر دیا تھا۔ پورٹ سعید پر باقاعدہ استقبال کا انتظام اور خدیو کا سیلون موجود تھا۔

لارڈ کچنر ملاقات کے لئے آئے اور سرکار عالیہ نے بھی باز دید کی خدیو موجود نہ تھے اس لئے ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ یہاں کے قیام میں مقدس مقامات کی بھی زیارت کی۔

قاہرہ سے روانہ ہو کر ۲۲ اکتوبر کو مع الخیر ساحل بمبئی پر اور اسی دن ریل میں سوار ہو کر ۲۳ اکتوبر **مراجعت** ۴ بجے۔ ۱۶ اکتوبر کے سفر کے بعد دارالریاست میں رونق افزہ ہوئیں۔

انگلستان کے اخبارات کی عجیب معلومات | سرکار عالیہ کی سیاحت کے متعلق اکثر انگریزی اخبارات
میں عجیب مضمون شائع ہوئے ہیں جن کو ہم ہندوستانی

دیکھ کر مضمون نگاروں کی معلومات پر تہقہہ لگائیں تو کچھ بیجا نہیں معلوم ہوتا انگلستان کے اخبارات کو
مشرقی معلومات بہت کم ہیں اور وہ مسلمانوں کی معاشرت و حالات سے بالکل بے خبر ہیں یا ان کا علم
قصص و حکایات یا ادنیٰ قسم کی تاریخوں تک محدود ہے مثلاً ایک اخبار نے لکھا تھا کہ :-

”وہ اپنے ساتھ پینے اور استعمال کا پانی جس کی ان کو ملک سے باہر ضرورت ہوگی

ہمراہ لائی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بے دین آنکھیں ان کو نہ کچھ سکیں ہمیشہ برقع میں

رہتی ہیں کیونکہ ہندوؤں میں جیسی کہ وہ ملکہ شاکجانی ہیں، ویسے ہی خدا کا اوتار مانی جاتی ہیں۔“

ایک اخبار نے ایک ہمراہی مولوی صاحب کے متعلق لکھا تھا کہ :-

”ان کے ساتھ دو راہب ہیں جن کا یہ عہدہ ہے کہ وہ مغربی وحشیوں کے جادو سے

اپنی ملک کی حفاظت کریں۔“

ان ہی مولوی صاحب کو کہیں پجاری اور کہیں منجم کے نام سے بھی خطاب کیا گیا ہے۔ ایک اخبار نے لکھا تھا کہ :-

”مجبب مشرقی ملکہ کا سفر ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ ہاتھی، مقدس طاؤس، اور غلام کو

بھی ساتھ رکھتے ہیں۔ ہر ہائی سنس نے یورپ کی دریوں پر بھی قدم رکھنے سے انکار کیا اور مشرقی

قیمتی قالینوں پر ان کا پاؤں رکھا جاتا ہے۔“

بارشانی

سفر ثانی | دوسرا سفر اس وقت کیا گیا جب کہ انگلستان کا موسم ابر و باراں، کہلور برف باری سے بہت
خراب ہوتا ہے اور امرار و عماندہ انگلستان سے مالک گرم کو چلے جاتے ہیں لیکن سرکار عالیہ
کے استقلال اور عزم بالجزم میں تکالیف موسم، طوفان، برف باران مغرب کے خوف نے کچھ بھی تزلزل

اسلامیہ دل چپ حالات مؤلف کی درخواست پر میر دیر قاضی ولی محمد صاحب دیر الانشا سکرٹری اسٹیٹ کونسل بھوپال
نے تحریر فرمائے ہیں جو نہایت شکرگزاری و ممنونیت کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔ (مؤلف)

پیدائہ ہونے دیا۔ اور وہ ۱۹۲۵ء کو ایک مختصر جماعت کے ساتھ جس کی کل تعداد ۳۲ سے متجاوز نہ تھی بندرگاہ بمبئی سے نصر من اللہ وفتح قریب کہتی ہوئی قیصر ہند نامی جہاز سے دیار مغرب کے لئے روانہ ہو گئیں۔

چودہ دن کے بعد تارتخ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۵ء (۸ ربیع الاول) فرانس کی بندرگاہ مارسیز میں جہاز نگر انداز ہوا۔ اعلیٰ حضرت افتخار الملک بہادر کی تارتخ ولادت بھی یہی تارتخ ہے سرکار عالیہ ابھی جہاز سے اتریں نہ تھیں کہ تبریک و تہنیت کے ساتھ مراسم سال گرہ ادا ہو گئے اور ہدیہ و تحائف کے علاوہ ادعیٰ فراواں سے اعلیٰ حضرت کو سرفراز فرمایا گیا۔

مارسیز میں علی الصباح جہاز پہنچ گیا تھا۔ لیکن سرکار عالیہ تقریباً دو بجے جہاز سے اتریں اور پی اینڈ او میل ٹرین میں کہ جو جہاز کے قریب ہی تیار ہوتی ہے تشریف فرما ہوئیں اور قریب شام وہاں سے چل کر خطہ مستقیم دوسرے روز بوقت ۱۲ بجے شہر کیلئے پہنچیں جہاں مکان سفر ڈور کرنے کی غرض سے رات کو آرام کیا اور دوسرے روز کیشنبہ کو انگلش چینل عبور کر کے اور بندرعبہ پہنچل ٹرین ڈور سے روانہ ہو کر ۲۸ ستمبر کو قریب چار بجے سہ پہر کو وکٹوریہ اسٹیشن لندن پر نزول اجلال فرمایا۔ جہاں سر اسولڈ بنکٹ کے، سی، ایس، آئی و (نصیر الملک) مولوی سر سید لیاقت علی صاحب ایم لے، ایل ایل بی چیف جسٹس ہائی کورٹ بھوپال اور راقم حالات کے علاوہ جو قبل سے لندن میں مقیم تھے اور سرکار عالیہ کے بعض پُرانے احباب مثل کرنل بنرین پٹیل اے ڈی، سی، مسٹر پین۔ کرنل نیو ماریج لارڈ ہیڈلے خواجہ کمال الدین وغیرہ استقبال کو موجود تھے۔ انگلستان کی نو مسلم جماعت نے بسر کردگی مسٹر عبداللہ کو گرو۔ لارڈ ہیڈلے، مسٹر خالد شیلڈرک بھولوں کے گلے ستے پیش کئے جنہیں سرکار عالیہ نے قبول فرمایا مسٹر خالد شیلڈرک کا صغیر بن بچہ جو انگلستان کی نو مسلم جماعت میں نو مسلم والدین کا اولین ائیدہ بچہ ہونے کی وجہ سے شرف رکھتا تھا پیش ہوا۔ جسے سرکار عالیہ نے پیار کیا۔ زان بعد بحیثیت کرنل بنرین کو کھٹی نمبر ۲۹ واقعہ ”پورٹ میں اسکوائر“ کو تشریف لے گئیں کہ جو حضور مجدد جوہر کے لئے کرایہ پر لی گئی تھی۔ سرکار عالیہ اور اعلیٰ حضرت مع خاندان شاہی کو کھٹی میں مقیم رہے اور قیصر ہند

لے سکندریہ ہوائی کانس نو اب حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر فرماں روا کے بھوپال ادم اللہ بالعر والاقبال۔

کی سکونت کا انتظام ہوٹلوں میں کیا گیا۔

مصرفیتیں اگرچہ لندن کا موسم بہت خراب تھا اور اکثر امراء و عائد ممالک گرم کو چلے گئے تھے لیکن پھر بھی سرکار عالیہ کے وسیع حلقہ احباب میں سے بہت زیادہ تعداد ان خواتین کی وہاں موجود تھی جن کی وجہ سے سرکار عالیہ ہر وقت مصروف رہتی تھیں۔ احباب کی آمد و سکون ہی دن سے شروع ہو گئی۔ اخبارات میں سرکار عالیہ کی آمد کا غلغلہ پہلے ہی سے ہو چکا تھا اور نمایندگان اخبارات جوق جوق پھرتے تھے لیکن سرکار عالیہ چونکہ شہرت اور نام و نمود کو ناپسند کرتی تھیں اور کبھی اپنے نام کی اشاعت نہیں چاہتی تھیں اس لئے لندن کے کسی اخبار کو انٹرویو عطا نہیں فرمایا لیکن مالکان اخبارات بعض موقعوں پر اپنی حکمت عملی سے یک گونہ کامیاب ہو گئے اور وہ اس طرح کہ سرکار عالیہ کی خدمت میں بعض مجالس میں ایک دو لیڈی جرنلسٹ از نام مشہور اہل قلم یا نامور مصنفہ پیش کی گئیں اور سرکار عالیہ نے ان سے گفتگو کی یا سرکار عالیہ نے جبکہ کسی خاتون سے باتیں کیں یا سرکار عالیہ جب کہ کسی خاتون سے باتیں کر رہی ہیں تو اس نے وہ مکالمہ سن لیا اور یہ گفتگو اور مکالمہ اخبار میں شائع کر دیا۔

اسی طرح باوجودیکہ کسی کو اپنی تصویر رحمت نہیں فرمائی لیکن اس پر بھی سرکار عالیہ کی تصاویر متعدد فوٹو گرافر اور ایجنسیوں سے لے کر حالات و سوانح کے ساتھ ساتھ کہ جو سرکار عالیہ کی تصانیف سے اخذ کئے گئے تھے اپنے اپنے اخبارات میں شائع کر دیتے تھے۔

سرکار عالیہ نے اپنا زمانہ قیام لندن محض ملاقات اور دعوت میں نہیں گزارا بلکہ ناظرین کو یہ سکر حیرت ہو گی کہ ایسے سرد ملک میں سرکار عالیہ طلوع آفتاب سے بہت قبل بیدار ہوتیں اور عبادت و تلاوت سے فارغ ہو کر مختلف قسم کے کاموں میں مشغول ہو جاتیں۔

تحصیل فنون لطیفہ اس زمانہ قیام میں لندن کی مصنوعات جدیدہ و فنون لطیفہ میں سے بھی بعض بعض کام مثل بار بولائیگر، لیدر ورک، لیس سازی، پاٹری وغیرہ سیکھنے شروع کر دیئے تھے جن کے لئے ایک ہوشیار خاتون کو ملازم رکھا اور انڈے کے چھلکوں پر نقاشی اور اینٹانگ وغیرہ مسز فرانسسز بوس کا کام دیکھ کر سیکھنا شروع کیا۔ ان کاموں میں مسز فرانسسز زنا صنعت میں بڑی ماہر ہیں ان کا ایک مخصوص اسٹوڈیو ہے جہاں یہ عورتوں کو تعلیم دیتی ہیں۔

اندھے کی دستکاری نہایت مشکل چیز ہے۔ اس میں پھیلکوں کی پللی زمین بنا کر برابر ٹکڑے جمائے جاتے ہیں اور پھر نقاشی کی جاتی ہے۔ یہ کام جس قدر نازک ہے اسی قدر پائدار بھی ہوتا ہے۔

غرض سرکار عالیہ نے بہت جلد ان کاموں میں ایسی جہارت حاصل کر لی کہ مسٹر فرانسز کو خود حیرت تھی اور جس کا اظہار اخبارات نے بھی کیا اور حضور مدوحہ کی ساختہ اشیاء کو لاسیم کلب کی نمائش میں رکھا گیا۔ ساتھ ہی ہر ہائی ٹنس میوزن سلطان شاہ بانوبگیم صاحبہ کی بھی جدید مصنوعات رکھی گئی تھیں جو نہایت دل چسپی سے دیکھی گئیں۔

نمائش اور اسکولوں کی سیر | سرکار عالیہ اور صاحبزادیوں نے بھی مارشنس آف ایبرین کے مہمانوں کی حیثیت سے کلب میں تشریف لے جا کر

اس نمائش کو ملاحظہ کیا۔ مارشنس نے اس موقع پر نہایت نفیس اور روح افزا چھوٹوں کا تحفہ پیش کیا جس کے شکریہ میں حضور مدوحہ نے ایک برجستہ تقریر فرمائی۔

حضور مدوحہ نے لندن کے رائل اسکول آف آرٹ آف نیڈل ورک (شاہی مدرسہ سوزن کاری) کو بھی کئی بار ملاحظہ فرمایا اور بہت کچھ سامان خرید کیا۔

ایڈیل مہم اگر بمیشن (نمائش خانہ داری) میں بھی تشریف لے گئیں۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک معائنہ میں مصروف رہیں اور متعدد چیزیں خرید فرمائیں مراجعت کے وقت منتظرین نمائش سے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

صاحبزادیوں کی تعلیم کا انتظام | اس کے ساتھ ہی ساتھ مسز آڈم سے تینوں صاحبزادیوں کی وائٹن، پیانو وغیرہ کی تعلیم بھی سامنے ہی کرائی

تھیں۔ بڑی صاحبزادی کو جو کتری تعلیم کے لئے ایک اسٹیڈیو میں بھیجا جہاں وہ عرصہ تک جا کر کام سیکھا کیں۔

یادگار جنگ پر بار چڑھانا | لندن میں نزول اجلال کے دو ہفتہ بعد یادگار جنگ پر جا کر

بقیہ حاشیہ
لاسیم کلب میں ان کی اور ان کے شاگردوں کی تیار کردہ اشیاء بطور نمائش رکھی جاتی ہیں۔ یہ ایک بہت مشہور اور ممتاز کلب ہے اس کی نمائش نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ اس نمائش میں صنعت کے بہترین اور اعلیٰ نمونے تھے ۱۲۔

بڑے بڑے مددگار چڑھائے۔ سرکار عالیہ کے جلو میں سارا اسٹاف حاضر تھا جس وقت حضور مددگار پھول چڑھا رہی تھیں تو ان کے اعزاز میں ایک منٹ تک اس سرگرم کے ایک رخ کارٹانک بند کر دیا گیا تھا جو لندن جیسے غدا شہر میں ایک امتیاز کی بات ہے۔

قبر اہل اسلام پر فاتحہ خوانی | مسلمانوں کے قبرستانوں میں بھی فاتحہ خوانی کے لئے چند پودے ہر قبر کے سرہانے نصب کئے۔

صاحبزادیوں کی گل فروشی | اپنی ڈسے کے موقع پر جس روز بلجیم میں انگریزوں نے فتح عظیم کے بعد صلح کی تھی اور جس کی یادگاری میں آج تک خوشی منائی جاتی ہے، سرکار عالیہ نے بہت سے مصنوعی پھول منگو کر اپنی پوتیوں کے ہاتھ بازار میں بھیجے۔ جہاں انھوں نے آئندہ روزوں کے ہاتھ فروخت کر کے اس کی آمدنی امدادی فنڈ میں بھیج دی۔ صاحبزادیوں نے بعض بعض خریداروں سے ایک ایک پونڈ فی پھول وصول کیا۔

سرکار عالیہ کا ایک گراں قدر عطیہ | لیکن سب سے زیادہ وہ گراں بہا امداد تھی جس کا غلغلہ اخبارات میں کئی ہفتہ تک بلند رہا یعنی سرکار عالیہ نے اس یوم الفتح کی یادگاری میں مجروح و معذور سپاہیوں کی امداد میں پانچ ہزار پونڈ کا عطیہ مرحمت کیا۔ یہ رقم حضور مددگار نے براہ راست ارل ہیگ کو بھیج دی تھی جنھوں نے اس کا بہت بہت شکر اپنی طرف سے اور نیز اپنی انجمن اور ملک کی طرف سے ادا کیا تھا۔

سرکار عالیہ کا خط | اس عطیہ کے ساتھ حضور مددگار نے جو خط بھیجا تھا اس میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ :-

۱۔ اس تقریب میں بڑے بڑے افراد کی لڑکیاں گل فروشی کرتی ہیں۔ یہ مصنوعی پھول سرخ پارچے کے ہوتے ہیں اور اگرچہ ان کی تیاری میں ایک پیسہ سے زائد لاگت نہ بیٹھتی ہوگی لیکن جوش عقیدت کا یہ حال ہوتا ہے کہ معمولی مزدور بھی اپنی گاڑھی کمائی کی ایک اٹھنی گل فروش کے صندوقچے میں نہایت خوشی سے ڈال کر اپنے سینہ کو پھول سے آراستہ کر لیتا ہے۔ ۲۔ انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

”سینڈٹاف میں صبح کے وقت اس تقریب کا منظر دیکھ کر میں بہت متاثر ہوئی۔ کچھ تو یہ اثر اس موقع کی متانت سے اور کچھ ان کوششوں کی یاد کی وجہ سے تھا جو سلطنت نے گزشتہ چار سال میں آزادی کی حفاظت میں مافوق الفطرت سرگرمی کے ساتھ کیں۔ میں نے ان افسروں اور سپاہیوں کو یاد کیا جو اس ابتلائے عظیم سے زندہ اور سلامت نکلے اور مرنے والوں کی لاشانی شجاعت کا تصور کیا جنہوں نے اپنی جانیں سلطنت کے خاطر قربان کیں لیکن سب سے زیادہ میرا دل اُن لوگوں کے بچوں اور بیواؤں کی حالت سے متاثر ہوا جو بغیر ذرائع معاش کے دنیا میں بے یار و مددگار رہ گئے اور یہ لوگ سلطنت کے تمام باشندوں پر اپنا حق رکھتے ہیں اور ان لوگوں کی امداد مالی سے ہم ان بہادروں کے ساتھ اپنی احسان مندی کا اظہار کر سکتے ہیں جنہوں نے شہادتِ اس لئے حاصل کی کہ ہم کو ایک پُر امن سلطنت در نہ میں دے جائیں۔“

پاپی ریلیف فنڈ کے مقاصد کے ساتھ ہمدردی کے اظہار میں اور اُن بیواؤں اور یتیم بچوں کی تکالیف دُور کرنے کے لئے میں ایک حقیر امداد پانچ ہزار پونڈ کے ایک چک کی صورت میں ارسال کرتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آپ اس فنڈ میں میری یہ ناچیز امداد قبول کریں گے۔ میری چھوٹی چھوٹی پوتیاں آج لندن کی سڑکوں پر فلینڈرس پاپی فروخت کریں گی اور اس طرح جو کچھ وصول ہو گا وہ یہاں کے مقامی شاخ کے فنڈ میں ارسال کر دیا جائے گا۔“

ملکہ الیگزینڈرا کے مشایعتِ جنازہ میں شرکت -

اسی زمانہ میں ملکہ الیگزینڈرا کا انتقال ہو گیا جو عرصہ سے بیمار تھیں اور جن سے سرکارِ عالیہ کے بہت زیادہ مراسم تھے لیکن بوجہ علالت کے نہ مل سکی تھیں ایک روز بعد اُن

کی نعش لندن میں لائی گئی اور نمازِ جنازہ کینیڈا ویسٹ منسٹر میں پڑھی گئی جس میں علاوہ فرماں روا ایاں ناروے و ڈنمارک و بلجیم وغیرہ کے سرکارِ عالیہ اور اعلیٰحضرت نے بھی شرکت فرمائی۔ آخری رسومِ جنازہ ادا کرنے کے وقت سرکارِ عالیہ نے ہار اور گلاب کا پھول بھی قبر پر چڑھائے کبھیجا تھا جس کے بکس پر چند انگریزی جملوں میں اپنے جذباتِ دلی کا اظہار فرمایا تھا۔

معاشرت انگلستان کا غائر معائنہ | سرکار عالیہ نے ان سفروں میں ہمیشہ ان انسٹی ٹیوشنوں کو خاص دل چسپی کے ساتھ ملاحظہ کیا جن کا مقصد بنانا

و قیام رفاد عامہ ہے چنانچہ سال ۱۹۰۶ء میں ایسے بہت سے انسٹی ٹیوشن دیکھے۔ اس سفر میں بھی نمائش ہائے صنعت و حرفت، دستکاری، مختلف کلب اور انجمنیں تھیٹر اور سینما کو ملاحظہ فرمایا اور انگلستان کی معاشرت کے ہر پہلو کو بہ نظر امعان دیکھا۔

جس تھیٹر کے دیکھنے کو سرکار عالیہ تشریف لے گئیں تھیں اس کی ساری آمدنی شہینہ غوبائے لندن کے لئے وقف تھی اس میں نصف گھنٹہ ٹہر کر اور دوصد گنی کا گراں بہا عطیہ مرحمت فرما کر واپس تشریف لائیں۔ سرکار عالیہ اس تھیٹر کے علاوہ ایک بار اور دوسرے تھیٹر میں بھی بغیر اطلاع کے تشریف لے گئیں جہاں ڈاکٹر (مس) تھارن ڈانک ایکٹس اپنا تماشہ دکھلا رہی تھی اور جان آف آرک کا مشہور ڈرامہ تھا۔ تماشہ شروع ہونے کے آدھ گھنٹہ بعد نموشی سے اپنے کس میں بیٹھ گئیں لیکن مشرقی لباس اور برقع کو دیکھ کر تھارن ڈانک تاڑ گئی اور جیسے ہی اس کا پارٹ ختم ہوا وہ لباس بدل کر بغرض سلام حاضر خدمت ہوئی۔ مس تھارن ڈانک کی عمر ۴۴ سال کی ہے۔ انگلستان کی ڈگری حاصل کئے ہوئے ہے۔ صاحب تصنیف ہے فرانسیسی، روسی، جرمنی زبانوں میں بلا تکلف میٹھ کر کرتی ہے۔ اس کی شادی سٹرکین سے ہو چکی ہے اور تین بچوں کی ماں ہے لیکن تھیٹر میں جج نہ علی العموم ہر خاتون اپنے نام کے ساتھ ”مس“ لکھنا پسند کرتی ہے اس لئے مسٹرکین بھی مس تھارن ڈانک کے نام سے تھیٹر کے افق پر درخشاں و تاباں ہے۔ تھارن ڈانک سرکار عالیہ سے ملنے کیلئے دبلیڈن میں بھی آئی تھی اور بڑی دیر تک معاشرت مشرق اور بھوپال و ہندوستان کے حالات دریا کرتی رہی۔ چلتے وقت سرکار عالیہ نے اسے ایک خلعت فاخرہ عطا فرمایا اور اس نے اپنی تصانیف بارگاہ سلطانی میں نذر کیں۔

ان دو تھیٹروں کے علاوہ دوبار سینما بھی ملاحظہ فرمایا جن میں سے ایک بار تولیڈری برکنہیڈ اور ان کی دختر نیک اختر اور دوسری مرتبہ لیڈی ویلنگڈن سرکار عالیہ کو لے گئیں۔

۹ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو بوقت ۱۲ بجے صبح احاطہ مسجد شاہجہانی میں ایڈریس اور نماز جمعہ وغیرہ | بسواری موٹر مع صاحبزادیان الاتبار

وسر اسرار حسن خاں اور راقم حالات مسجد شاہجہانی دیکھنے کے لئے وکننگ تشریف لے گئیں۔ یہ ۲۴ میل کا فاصلہ ایک گھنٹہ کا تھا لیکن راستہ میں صاحبزادی ساجدہ سلطان صاحبہ کی طبیعت دورانیہ و امتلاء کے باعث کلد رہ گئی اور دو جگہ گاڑی روکنا پڑی۔ بالآخر ۱۱ بجے احاطہ مسجد میں سواری پہنچی جہاں نو مسلم جماعت نے جس میں لارڈ ہیڈلے اور سر آرچر جوبلڈ طبقہ امراء سے ڈاکٹر لیون و خالد شیلڈرک اہل قلم سے منسٹر گریس ایلی سن (مصنفہ کتب سیر و تاریخ کثیرہ متعلقہ ترکی) و بیول طبقہ فنون لطیفہ سے قابل ذکر ہیں۔ ان سب نے گرم چوٹی سے خوش آمدید کہا اور سرکار عالیہ نے شامیانہ میں جو اسی غرض کے لئے نصب کیا گیا تھا تشریف لے جا کر مسلمانان انگلستان کا ایڈریس قبول فرمایا۔

ایڈریس انگریزی میں تھا جسے لارڈ ہیڈلے نے پڑھا۔ سرکار عالیہ کا جواب اردو زبان میں تھا لیکن اس کا ترجمہ بزبان انگریزی اسی وقت سنا دیا گیا۔ شامیانہ میں جملہ نو مسلموں اور نو مسلمات سے سرکار عالیہ نے مصافحہ کیا اور ہر ایک سے دو چار باتیں بھی کیں۔

نو مسلم خواتین کے ساتھ شرکت طعام و نماز جمعہ | ایڈریس سے فارغ ہو کر سرکار عالیہ نے مسجد کے لمحہ مکان موسومہ سالار منزل میں جہاں تبلیغ و اشاعت اور مسجد کا دفتر ہے تشریف لے جا کر نو مسلمات انگلستان کے ساتھ خاصہ تناول فرمایا جس کے بعد نماز مسجد میں اواکی مسجد بہت مختصر ایک قصبہ کی شکل میں ہے جس میں چالیس نمازیوں سے زائد کی جگہ نامکن ہے اور اس موقع پر تو مسجدیں تل و ہرن کی جگہ بھی خواجہ کمال الدین صاحب نے خطبہ کا ایک جزو انگریزی میں اور باقی حصہ عربی میں پڑھا جس کے بعد نماز میں آیات قرآنی قرأت کے ساتھ پڑھیں۔

اس موقع پر ایک انگریز نو مسلم سے جو سرکار عالیہ کی طرف منہ اور خطیب کی طرف پشت کئے ہوئے تھا چہ ذیل مکالمہ ہوا۔

سرکار عالیہ۔ کیا آپ مسلمان ہیں؟

نو مسلم۔ جی ہاں۔

سرکار عالیہ۔ بہت اچھا تو خطیب کی طرف منہ کیجئے۔

نو مسلم خطیب کی طرف منہ کرنے سے یورہائیس کی طرف پشت ہو جائے گی۔

نماز سے فارغ ہو کر سرکارِ عالیہ نے احاطہ مسجد کا معائنہ کر کے مسجد کے دائیں جانب اس کی توسیع کے لئے ایما، مبارک ظاہر فرماتے ہوئے خواجہ کمال الدین صاحب کی استدعا پر دستِ مبارک سے سنگ بنیاد نصب کرنے کا بھی وعدہ فرمایا۔

غرض اس فریضہ مبارک سے ۳ بجے فارغ ہو کر سرکارِ عالیہ لندن واپس تشریف لائیں۔ سرکارِ عالیہ کے احباب میں سب سے ممتاز و مخلص ملاقاتی لیڈی ڈفرن، لیڈی منٹو، لیڈی انٹرم، لیڈی جرسی اور لیڈی امور کرے، لیڈی ڈکنن تھیں جو بلا تکلف تیسرے چوتھے روز ملنے آتی تھیں اور جن کے یہاں حضورِ مہر و بھی بلا تکلف جاتی تھیں۔ لیڈی ڈفرن سے تو یہاں تک پہنچا ہوا گیا تھا کہ عید کے موقع پر سرکارِ عالیہ نے اُن کے یہاں بیٹیاں بھیجیں اور عیدی بھی ان کو محرم فرمائی خود لیڈی ڈفرن وقتاً فوقتاً ہدایا و تحف بھیجا کرتی تھیں۔ ایک کناری خوش الحان پرند بھی ایک روز جبکہ سرکارِ عالیہ اُن کے یہاں چائے پر گئیں تو انھوں نے تحفہ پیش کیا۔ یہ اور لیڈی جرسی لیڈی ملر اور لیڈی ویلنگڈن خاص ہندوستانی طریقہ سے بلا تکلف و بلا اطلاع آکر ملا کرتی تھیں۔

ملکِ معظمِ قیصرِ ہند کے الطافِ خسروانہ | خاندانِ شاہی میں سب سے زیادہ الطافِ خسروانہ
اعلیٰ حضرت ملکِ معظمِ قیصرِ ہند کا تھا جو ہمیشہ اپنے اسٹا
بالخصوص لارڈ کرو کے ذریعے سے سرکارِ عالیہ کی خیریت دریافت فرماتے رہتے تھے۔

بقیہ حاشیہ
سرکارِ عالیہ۔ لیکن میں کیا ہوں۔ مہربانی کر کے مناسب طریقے سے بیٹھئے۔

بقول خواجہ صاحب یہ جواب انگلستان کے رہنے والوں کو جہاں اعلیٰ داد نے کے امتیاز سے خدا کا گھر بھی بچا ہوا نہیں ہے۔ فی الواقع نہایت حیرت انگیز نظر آئے گا۔

سرکارِ عالیہ کی سادگی لباس، بلند اخلاق اور محبتِ مذہب ایسے حالات ہیں کہ دولت و عزت آپ کے قدموں میں ہے ایسی چیزیں ہیں جنھوں نے انگلستان کے انگریز مسلمانوں کے دلوں پر بہت گہرا اثر ڈالا کیوں کہ یہ تمام باتیں یورپین سوسائٹی میں آج کل بالکل غنقا ہیں عملی نمونہ زبانی تعلیم سے ہزار درجہ بہتر ہوتا ہے اور اسی کا اظہار حضورِ مہر و صہ کے وجود سے ہوا مساوات اور اخوتِ انسانی جو اسلام کے مایہ ناز اصول ہیں علمی رنگ میں نمایاں کئے گئے۔ (رسالہ اشاعتِ اسلام)

اپریل میں سرکار عالیہ جب ملکِ معظمِ قیصرِ ہند سے ملیں تو وہ نہایت ہی اخلاق و کرم سے ملے اور سرکار عالیہ کی عالمانہ معلومات اور سنجیدہ علمی مجلسی سے بے حد محفوظ ہوئے اس کے بعد سرکار عالیہ پھر بھی اکثر ملتی رہیں۔

شہزادی میری اور شہزادی ڈچر آف یارک کے یہاں بھی ارکانِ خاندانِ شاہی، قدیم احباب اور علماء سے ملاقاتیں حضورِ عالیہ تشریف لے گئیں اور اپنی دستکاری کے چند تحائف دیئے۔ پرنس میری کے تحائف میں بچوں کے لئے ہندوستانی ملبوسات بھی تھے۔ یہ تحائف نہایت خوشی اور الطاف سے قبول کئے گئے لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ سرکار عالیہ وہاں خاندانِ شاہی و امراء کے علاوہ اور متوسط طبقہ سے نہیں ملی تھیں۔ نہیں سرکار عالیہ کے وہ پرانے احباب جو ہندوستان میں مل چکے تھے ان میں سے بھی سرکار عالیہ نے اپنے اخلاقِ عظیم سے کسی کو فراموش نہیں کیا۔ سرکار عالیہ کو اہل قلم کی ملاقات سے جس قدر مسرت ہوتی تھی وہ نہ کسی نمائش سے ہوتی تھی اور نہ کسی زینسگ ہوم سے۔

تعلیم یافتہ اور صاحبِ تصنیف طبقہ میں سے سر آر تھر کون ڈائل، سر طامس آرنلڈ، ڈاکٹر گریفیٹ، سید امیر علی، سٹرٹس، ڈاکٹر کون کاؤ، سٹرٹس، ڈاکٹر بون، سر آر تھر فلیپ، پروفیسر راتھراسٹائن، مسٹر بیورج خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، سر آر تھر کون ڈائل ایک بار کئی گھنٹہ تک سلاوچ اور عالمِ فانی، حیات بعد الموت، عذاب و ثواب اور دوزخ و جنت کے دقیق و پیچیدہ مسائل پر سرکار عالیہ کی معلومات سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

سر تھامس آرنلڈ مسائلِ اسلامی پر اکثر گفتگو کیا کرتے تھے اور ان اصحاب سے عام طور پر ”اسلام اور مشرقی تمدن“ موضوعِ گفتگو رہتا تھا اور سرکار عالیہ سے ان کو جو معلومات حاصل ہوتی تھیں وہ کسی اور جگہ سے نہیں ملتی تھیں۔ سر ایور لاج بھی مہتمنی تھے لیکن بوجہ مصروفیت اُن کو موقع نہ مل سکا۔

ان تمام ملاقاتوں میں بہت زیادہ دل چسپ ملاقات مسٹر شیرار کی ہوتی تھی جو ڈومسٹک سائنس کی مشہور لیکچرار ہیں۔ سرکار عالیہ ان سے اپنی معلومات میں اضافہ کرتی رہتی تھیں اور ہر شبہ سی موضوع

زیر بحث رہتا تھا۔ کیونکہ سرکار عالیہ ہندوستانی زمانہ تعلیم میں اس نیشنوں کو نہایت اہم اور ضروری تصور فرماتی تھیں چنانچہ لندن سے ہی حضورِ مجددِ حق نے متعدد کتابیں فراہم کیں اور مراجعت پر ان کے ترجموں کا سلسلہ شروع کر دیا اور ان سے فائدہ اٹھا کر اردو میں ڈومیسٹک سائنس کی ابتدائی کتابوں کی تیاری و طباعت کا سلسلہ قائم فرمایا۔

مشہور ترکی خاتون خالدہ ادیب خانم بھی ملیں اور وہ سرکار عالیہ کی ملاقاتوں سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انھوں نے راقم الحروف سے کہا کہ ایسی قابل متبحر خاتون انھوں نے نہ امریکہ میں دیکھی اور نہ یورپ میں۔

لندن کی متعدد علمی و اخلاقی و تمدنی انجمنوں نے سرکار عالیہ کو ایڈریس سپاسنامے اور پارٹیاں خوش آمدید دینا چاہا لیکن سرکار عالیہ نے بیشتر ان منظموں کو فرمایا۔ مگر بعض کے انتہائی اصرار سے جب بے حد مجبور ہو گئیں تو چند مخصوص انجمنوں کے سپاس نامے قبول فرمائے جن میں سب سے اول وہ سپاس نامہ تھا جو سدودی شہر کے متعلق انگلستان کے علمائے دینا تھا۔ یہ سپاس نامہ مکان ہی پر آکر خواتین نے پیش کیا اور سرکار عالیہ نے اس کا مختصر شکریہ ادا کیا۔ لاسیم کلب، ایرٹ انڈیا ایسوسی ایشن، کالونیل انسٹی ٹیوٹ، برٹش انڈین سوسائٹی نے بھی سرکار عالیہ کے اعزاز میں پرنکٹف ایوننگ پارٹیاں دیں۔

انجمن امن وامان نے بھی خیر مقدم کیا جس کے اغراض و مقاصد میں روئے عالم پر امن و صلح قائم رکھنا ہے۔

انٹائے قیام لندن میں ہی جب اعلیٰ حضرت اقدس کی ولیعہدی کا حسبِ مراد تصفیہ ہو گیا تو اس مسرت میں سرکار عالیہ نے ایک پارٹی بچوں کو اور دوسری اپنے احباب کو دینے کا انتظام فرمایا جو

نہایت اعلیٰ پایہ پر تھا اور بڑی بڑی تیاریاں کی گئیں تھیں۔ لیکن صرف بچوں کی ہی پارٹی ہوتی تھی کہ لندن میں اسٹراٹک ہو گیا اور دوسری پارٹی ملتوی کرنی پڑی جہاں سرکار عالیہ کو اس پارٹی کے التوا کا افسوس ہوا وہاں قومی ہمدردی کا بھی تجربہ حاصل ہو گیا اور جب الوطنی کا پرچم شمس سماں بھی ملاحظہ کر لیا۔

اسی زمانہ میں سرکار عالیہ نے دست برداری و تفویض حکومت کا بھی فیصلہ کر لیا۔

ملک معظم قیصر ہند کا شکریہ | اس کے بعد مراجعت کا ارادہ فرمایا اور وداعی ملاقات کے لئے
 اس کے ہمراہ پریس تشریف لے گئیں۔ اس ملاقات کے وقت حسب دستور
 قدیم جو بھوپال میں عرصہ سے قائم ہے ملک معظم کی پوتی (جو گذشتہ اپریل میں پیدا ہوئی تھیں) اور
 پرنس میری ایلزبتھ کے لئے ہندوستانی و شکاری کے بہت خوبصورت لباس تحفے میں پیش کئے
 اور ان الطاف شاہی کا جو قدیم سے خاندان بھوپال پر مبذول رہے ہیں اور جو عنایت و عزت افزائی
 اس قیام کے زمانہ میں کی گئی اس کا شکریہ نہایت موزوں الفاظ میں ادا کیا۔

مراجعت | ۱۹ مئی کو لندن سے واپسی ہوئی اسٹیشن پر معززین کا ہجوم تھا۔ لارڈ ہارڈنگ، سٹراس
 ہالینڈ، لیڈی مینٹو، لیڈی فٹنر جیرلڈ، کرنل بنٹن وغیرہ بہ اظہار محبت و اخلاص پھولوں
 کے گلے سے لائے تھے کرنل درلیر کی کم سن بچی نے اس خوبصورتی اور بھولے پن سے ایک
 خوبصورت گلہ سے پیش کیا کہ سرکار عالیہ بے حد مسرور ہوئیں شاہی وٹینگ روم کہ جہاں خاص طور
 پر انتظام ہوا تھا رخصت کرنے والے حضرات سے بھرا ہوا تھا۔ ریل کو بھی مجبوراً کئی منٹ لیٹ کرنا پڑا۔
 ڈوور پر افسران جہاز نے خیر مقدم کیا اور بغاؤ انگلشیہ کا سفر سکون کے ساتھ ختم ہو کر سرزمین فرانس
 کے ساحلی شہر تکیلے "میں قدم رکھا اور اپنے سیلون میں بیٹھ کر خطا مستقیم مارسیلز کو روانہ ہوئیں جہاں بروز
 جمعہ ۱۱ بجے قبل ظہر پہنچیں ۱۲ بجے کے قریب جہاز بھی آگیا اور اسی وقت اس میں سوار ہو گئیں۔ جمعہ کو
 ہندوستان کا جہاز ولایتی ڈاک کا بھی پہنچ گیا تھا جس میں ہمارا جہاں سوار تھے۔ ہمارا جہاں صاحب
 نے سرکار عالیہ سے ملنے کی خواہش کی اور پھر سہ پہر کو ہمارے جہاز قیصر ہند میں آکر ملاقات کی۔
 ولایتی ڈاک کا جہاز مارسیلز سے پورٹ سعید تک راستہ میں کہیں نہیں ٹھہرتا ہے لیکن چونکہ
 لندن میں گذشتہ ہفتہ مزدوروں اور کوئلہ والوں کی ہڑتال کے باعث کئی فوجی افسران کی ملازمت پر جانے
 سے رہ گئے تھے اس لئے خاص طور پر ان کو پہنچانے کے لئے جہاز مالٹا روانہ ہوا۔ اور بتاریخ ۴ جون
 ۱۹۲۶ء یوم جمعہ بوقت ۴ بجے صبح ساحل ممبئی پر پہنچا۔

مذہبِ اخلاق

اگر سرکارِ عالمیہ کی سیرتِ مشرفیہ کو غور سے مطالعہ کیا جائے تو اُن کے مکارمِ اخلاق میں خشیتِ الہی، انابت الی اللہ اور حقوقِ العباد کا خیال سب سے زیادہ اور نمایاں نظر آئے گا اور معلوم ہوگا کہ وہ حقیقتاً ”اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ کی ایک پیکرِ مثالی تھیں۔ عقائد میں نہایت راسخ اور ارکانِ دفرانص کی سخت پابند تھیں اور ان کو خشوع و خضوع سے ادا کرتی تھیں۔ شرک و بدعت سے احتراز اور اوہامِ باطل سے کلیتہً اجتناب تھا۔ اُن کا مسلک حنفی تھا لیکن اگر کسی پیچیدہ مسئلہ کا فقہ حنفی میں حل نہ ہوتا تو علما کے مشورہ اور افتا کے بعد متینوں ائمہ میں سے کسی ایک کا مسلک اختیار کر لینے میں تامل نہ فرماتیں۔

سلطہ طاعون کے زمانہ میں سرکارِ عالمیہ کی پریشانی سے ہر کم و مہم واقف تھا نیز اورداد و وظائف کا اہتمام بھی ہر شخص جانتا تھا۔ چنانچہ ایسے ہی ایک موقع پر سید احمد شاہ سجادہ نشین نے اس مضمون کی درخواست پیش کی کہ:-
میں نے شبِ چہار شنبہ تاریخ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ کی صبح صادق کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تو سرکارِ عالمیہ تک اس بات کو پہنچا دے کہ ایک ستھ کو حکم دیا جائے کہ ایک کچھال بیل پر کھڑے کر شہر میں جس قدر بل ہیں سب میں سے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر کچھال کو بھرے اور ایک کھڑا بیل شہر کھود کر پانی ڈال دیا جائے اور اس بیل کو بھی ذبح کر کے اُسی میں ڈال دیا جائے اور اس کے بعد سرکارِ عالمیہ حضرت سیدنا مدنی شاہ خلیفہ حضرت مولانا مولوی شاہ فضل الرحمن صاحبِ تادری نقشبندی گنج مراد آبادی کا مزار شہید کر اگر سنگ مرمر کا تعمیر کرا دیں اور مزار شریف کے اندر قالین کا فرش بچھو ادا کیا جائے اس لئے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ نہ معلوم کیا اعتقاد پڑے کیونکہ جن پھیل رہا ہے اور مخلوق خدا ضائع ہو رہی ہے۔ جناب باری اس کام کے کرنے سے مرض کو دفع فرمائے۔“

سرکارِ عالمیہ اس درخواست پر تحریر فرماتی ہیں کہ:- (بہت بڑھ آئندہ)

اس زمانہ میں جبکہ مسلمان مردوں ہی میں نہیں بلکہ مسلمان عورتوں میں بھی نہ صرف اگلے ارکان اسلام میں تساہل و کماثل بلکہ مذہب سے ہی میگانگی پیدا ہو گئی ہے اور اس میگانگی کا نام روشن خیالی رکھا جاتا ہے سرکار عالیہ نے مذہبی احکام و روایات کی جزئیات تک کو نظر انداز نہیں کیا۔

مطالعہ قرآن اور عمل | سرکار عالیہ نے ہمیشہ قرآن مجید کا غور سے مطالعہ کیا اور بجز انتہائی اور سخت مجبوری کے کوئی دن ایسا نہ گذرتا جس میں تلاوت ناخدا ہوتی ہو۔ اس تلاوت سے صرف حصول ثواب و برکت ہی مقصود نہ تھا بلکہ اولین مطمح نظر یہ تھا کہ قرآن مجید کی تعلیم مستحضر رہے اور اس پر عمل کیا جائے اور اپنے تمام اعمال کو اس کی نوزانی ہدایتوں کے ماتحت کھا جائے۔ رمضان المبارک میں جب تک کہ کوئی خاص مجبوری نہ ہو تراویح میں پورا کلام مجید سنتی تھیں اور قاری و سماع کو خلعت و نقد دیا جاتا تھا۔

سرکار عالیہ نے ابتدائے عمر میں قرآن مجید کو ترجمہ و تفسیر سے پڑھا تھا اور پھر دردمستردہ اور کثرت مطالعہ سے قرآن مجید کے معانی و مطالب پر اس قدر عبور حاصل ہو گیا تھا کہ روزمرہ کے واقعات میں بے تکلف آیات قرآنی سے استناد فرماتی تھیں۔ وہ ہر تقریر و تحریر میں موقع بہ موقع آیات کو جستہ استعمال کرتی تھیں۔ ان کا یقین کامل تھا کہ مسلمان قرآن مجید ہی کے اصول و احکام پر عمل پیرا ہو کر ترقی کر سکتے ہیں اور اُسی سے تسکین قلب و روح حاصل ہو سکتی ہے۔

”شیطان خواب ہو گا کہ ایک بزرگ کے مزار کو شہید کر کے منگ فرما کر بنایا جائے۔ بزرگان دین مکلفات سے ہزار ہوتے ہیں نہ کہ خوش یہی جواب دیدیا جائے ہم کسی ایسے خواب کو درست اور رویائے صادقہ نہیں سمجھتے جب تک کہ ہم خواب میں ہدایت نہ ہوئے“

اس رواداری کی ایک اہم مثال یہ ہے کہ ریاست میں بالعموم فقہ حنفی پر عمل ہوتا ہے اور قاضی و مفتی بھی حنفی ہیں لیکن فقہ حنفی میں عورات کا معاملہ کے لئے کوئی چارہ کار نہیں اور سرکار عالیہ ایسی عورتوں کی بے چارگی و بے بسی سے سخت متاثر تھیں اس لئے انھوں نے علماء کے مشورہ سے مذہب مالکی کا مسئلہ اختیار کیا اور ہدایت جاری کر دی کہ ایسی عورتوں کی شہکایت پر قلعین تاریخ سنوہر کے نام اعلانِ حاضری جاری کیا جائے۔ اگر شوہر حاضر نہ ہو اور مدت شرعی پہلے ۴ ماہ دن یوم منقضی ہو جائے تو ان عورتوں کو عقد ثانی کی اجازت دیدی جائے۔

ہدیہ و احترام قرآن چنانچہ وہ ہزاروں کی تعداد میں غریب و طلباء کو بعض اوقات بلا استثناء عامۃ قرآن مجید کے نسخے بطور ہدیہ دیا کرتی تھیں اور اس خیال سے کہ شاید کوئی خدا کا بندہ ترجمہ سے فائدہ اٹھائے عموماً وہ مترجم ہوتے تھے۔ اس غرض کے لئے مطابع ریاست میں قرآن مجید طبع کئے جاتے اور دیگر مطابع سے منگوائے جاتے۔

تمام دنیا میں صرف مسلمانوں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنی اس مقدس مذہبی کتاب کا ہنایت احترام کرتے ہیں اور گھر میں وہ بلند اور پاک جگہ رکھا جاتا ہے اور بغیر طہارت اس کو کوئی لمس نہیں کرتا۔ سرکار عالیہ اس احترام کو بھی بدرجہ غایت ملحوظ رکھتی تھیں۔ چنانچہ جب حمیدیہ لائبریری کا افتتاح ہوا اور اس میں نادر و نایاب قلمی نسخے رکھے گئے تو سامر کے دستاں تیار کر لئے گئے اور غیر مسلموں کو قرآن مجید کھانے اور چھونے کے وقت ان کے پہننے کا حکم دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ یہ احترام اس حد تک ملحوظ تھا کہ ماہ رمضان میں ختم کلام مجید کے بعد حفاظ کو جو نقدی دی جاتی ہے اُس کو ہمیشہ نذرانہ بحفاظ کے الفاظ سے احکام میں لکھا جاتا ہے۔

کتب خانہ حمیدیہ اور نیز کتب خانہ تقیسی میں ایک بڑی تعداد قرآن مجید کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ نسخوں کی ہے جو وقتاً فوقتاً بغرض تقسیم ہدیہ لئے جباتے تھے صرف اس خیال سے کہ یہ نسخے بند نہ رکھے رہیں اور ان سب کی تلاوت ہو جائے ریاست کے ملازم حفاظ کو حکم دیا کہ ہفتہ سال میں دو مرتبہ یعنی ربیع الاول اور رمضان المبارک میں ان نسخوں کی تلاوت کی جائے۔

مطالعہ حدیث سرکار عالیہ نے حدیث باقاعدہ طور نہیں پڑھی تھی لیکن بعض کتب حدیث کو ترجمہ کے ساتھ مطالعہ کیا تھا اور مذہبی کتابوں میں بھی اکثر احادیث نظر سے گذرتی رہتی

۱۔ قرآن مجید کی طباعت و تقسیم کی طرف سرکار خلد کمال کو بھی خاص توجہ تھی چنانچہ ان کے آخر زمانہ میں بڑے اہتمام کے ساتھ مطبع ریاست میں قرآن مجید با ترجمہ کی طباعت شروع ہوئی جو سرکار عالیہ کے زمانہ میں مکمل کو پہنچی۔ اس کو مشہور خطاط حافظ علی حسین (مرحوم) نے لکھا۔ مولوی حافظ عبدالعزیز اور مولوی محمد صال نے تصحیح کتابت اور متعدد حفاظ و قرائن اور خود مہتمم مطبع حافظ کرامت اللہ مرحوم نے نظر ثانی کی مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ مع فوائد لکھا گیا اب نسخہ ایسا ہے۔ اسی طرح سرکار عالیہ کے زمانہ میں ایک اور قرآن مجید متعدد حفاظ و قرائن اور علماء کی تصحیح و نظر ثانی سے شائع ہوا۔

تھیں اس مطالعہ سے حدیث پر بھی عبور حاصل ہو گیا تھا اور چونکہ حافظہ غیر معمولی طور پر قوی تھا اس لئے اکثر احادیث باللفظ نہیں تو بالمعنی ذہن مبارک میں محفوظ تھیں اور آیات قرآنی کی طرح جہاں موقع ہوتا احادیث سے بھی استناد کرتی تھیں۔

سرکار عالیہ ارکان اسلام کی سخت پابند تھیں سفر و حضر
ارکان اسلام کی پابندی (۱- نماز) علالت و صحت، غرض کسی حال میں انہوں نے نماز
 قضا نہیں کی۔ اکثر راتیں عابدان قائم اللیل کی طرح بسر کرتیں تھیں اور اس عبادت میں عابدین مخلص کی
 طرح شتور و خضوع ہوتا تھا۔

پابندی نماز کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پریشن کے دوسرے دن جو اس عظیم الشان ہستی
 کا یوم طلت تھا صبح کے وقت انتہائی بے چینی تھی اور ضعف کی حد ہو چکی تھی مگر بستر مرگ پر اشاروں کے ساتھ
 نماز ادا کی۔

میر و بیر قاضی ولی محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”مجھے خوش قسمتی علیا حضرت جنت آرام گاہ کے بیشتر طولانی سفروں میں ہندوستان و
 یورپ میں ہمارے رہنے کا شرف حاصل رہ چکا ہے اور میں اپنے ذاتی تجربہ سے کہہ سکتا ہوں
 کہ انہوں نے سرزمین ہند تو درکنار دیار مغرب کے برفانی جاڑوں میں بھی کبھی نماز قضا نہیں کی
 وہ یورپ میں بہت سیرے بیدار ہو جاتی تھیں اور بعد نماز و تلاوت کلام مجید فرما ہی میری
 پیشانی ہوتی تھی اور گھنٹہ پون گھنٹہ کے بعد جب میں اپنے مسلوں اور کاغذات پر احکام حاصل
 کر کے دفتر کے کمرے سے واپس آتا تو تمام گھر کو محو خواب اور خواب سحر کے مزے لیتے ہوئے پاتا۔
 مرحومہ کا حکم تھا کہ کبھی کسی ملاقات یا پارٹی کا وقت ایسا نہ مقرر کیا جائے کہ جس میں نماز
 کے قضا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔“

(۲- روزہ) ابتدا کے عمر شعور سے اس آخری رمضان تک کبھی بلا تشدید مجبوری کے روزے
 قضا نہیں ہوئے حتیٰ کہ سفر یورپ میں بھی برابر روزے رکھے جنوری ۱۹۳۳ء
 میں علالت کی وجہ سے ضعف و ضحلال بے اندازہ تھا لیکن جیسے ہی صحت شروع ہوئی اور تھوڑی
 سی قوت و توانائی آئی تو ۷ رمضان سے روزے شروع کر دیئے اور ۳۰ رمضان تک پورے کئے

اس کے بعد پھر طبیعت ناساز ہو گئی اور ضعف بڑھ گیا۔ اس حالت میں مجھے (مؤلف سوانح کو) جب باریابی کا موقع حاصل ہوا۔ تو میں اس ضعف کی حالت ملحوظ رکھ کر عرض کیا کہ :-

”حضور روزوں کے لئے مکلف نہ تھیں روزے رکھ کر یہ تکلیف اٹھائی“
معاً چہرہ مبارک پر آثار ناراضی نمایاں ہوئے اور اپنے محل کے ڈاکٹر جے۔ پی جوہری کی طرف دیکھا
ڈاکٹر نے عرض کیا کہ :-

”نہیں روزوں سے صحت پر کوئی ناگوار اثر نہیں پڑا۔“

منسرایا کہ :-

”کس قدر افسوس ہے کہ تم مسلمان ہو کر کہتے ہو کہ روزوں سے طبیعت خراب ہو گئی۔ اگر میں روزے نہ رکھتی تو کیا کوئی اور میرے بدلے روزے رکھتا“

(۳- زکوٰۃ) ہر سال زکوٰۃ وقت پر ادا ہوتی تھی۔ انتقال سے تقریباً سال ڈیڑھ سال قبل ایک دن جب کہ ڈیڑھ ہی کے حسابات زکوٰۃ پیش ہونے میں کچھ توقف و تاخیر ہوئی تو سرکار عالیہ نے نہایت غصہ کے ساتھ معتمد خاص سے فرمایا کہ :-

”منصب علی! اگر زکوٰۃ کا ایک پیسہ بھی غیر مودے رہ گیا تو قیامت کے دن تمہارا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ“

(۴- حج) فرض حج ادا کرنے کا خیال ایک زمانہ دراز سے مرکوز خاطر تھا بلکہ ایک ایسا زمانہ گزرا تھا کہ جس میں ہجرت پر بھی آمادہ ہو گئی تھیں۔ اس خیال و آمادگی کے متعلق مناسب ہے کہ سرکار عالیہ نے جو کچھ خود تحریر فرمایا ہے اسی کو بحسنہ نقل کر دیا جائے :-

”زمانہ حیات سرکار غلہ مکاں میں مجھے پریشانیوں نے مجبور کر کے اس پر آمادہ کر دیا کہ میں غریب الوطنی اختیار کروں چنانچہ میں نے اپنے اس ارادہ کو ایک عرصہ میں سرکار غلہ مکاں پر بھی ظاہر کر دیا

۱۔ ایک عیسائی جنٹلمین ہیں جن کی قابلیت و شرافت کی وجہ سے سرکار عالیہ نے ترقی دے کر احمد آباد اور
قصر سلطانی کی ڈپٹی سیکریٹری کا انچارج کیا۔
۲۔ گواہ اقبال صفحہ ۴۴ و ۴۵۔

تھا کیوں کہ میرا خیال تھا کہ جب غریب الوطنی اختیار کروں تو بیت اللہ سے زیادہ کوئی جگہ امن کی نہیں ہے جس کو خدا نے عزوجل نے اپنے کلام پاک میں بَدَلُ الْأَمِينِ فرمایا ہے۔ صاحبزادی آصف جہاں بیگم صاحبہ کے زمانہ علالت میں تبدیل آب و ہوا کے لئے کئی جگہ قرار پایا تھا اور میرا مصمم ارادہ ہو گیا تھا کہ وہاں پہنچ کر سرکار سے کہ معطلہ جانے کی اجازت حاصل کروں گی اور میرے نزدیک بیت اللہ سے کوئی بہتر جگہ ایسے شخص کے لئے جس کو ملکی انتظام امور و معاملات سے کوئی تعلق نہ ہو اور طرح طرح کے تفکرات کے جس کا دل پر مرہ ہو رہا ہو غریب الوطنی اختیار کرنے کے لئے نہیں ہو سکتی کیوں کہ یہ فطرت انسانی کا عام قاعدہ ہے کہ تکلیف و مصیبت کے وقت مالک حقیقی کی طرف طبیعت زیادہ رجوع ہوتی ہے اور جب انسان کو اپنی تدابیر میں ناکامی ہوتی ہے اور عمدہ سے عمدہ تدابیر غیر مفید ثابت ہوتی ہیں اور وہ مایوس ہو جاتا ہے تو اس کا دل بے اختیاری کے ساتھ اسی کو پکارتا ہے اور ڈھونڈتا ہے جو دلوں کی خواہشوں اور تمام حالتوں سے کامل طور پر واقف اور رب سے زیادہ قریب ہے جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ وہی اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے ایک ثانیہ کے اندر حالات میں انقلاب پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ اِذَا قُضِيَ الْأَمْرُ أَفْأَنَّا نَذَارُ مَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ پس ان حالات کے اقتضا سے جو میرے گرد و پیش تھے میرے دل کی تسکین اور میری روحانی خوشیوں کے لئے حرمین شریفین کا سفر ضرور تھا جیسا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تَشْدُو الرِّجَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا۔ لیکن یہ خیال میرے دل ہی میں تھا اور کسی پراپرٹیا نہیں کیا تھا مگر یہی جانا ہی ملتی ہو گیا اور دل کا ارادہ دل ہی میں رہ گیا کیوں کہ کُلُّ أَحْصَى عَنْ هَوْنٍ بِأَوْقَاتِهَا۔ اکثر اوقات نواب احتشام الملک عالی جاہ بہادر سے ذکر آجاتا کہ بہتر ہے کہ ایسے وقت میں حج سے فارغ ہو جائیں کیونکہ ہم کو اس قدر استطاعت ضرور ہے کہ مواخذہ حج لاحق ہوگا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ط

خیر یہ زمانہ گزر گیا۔ خیال دار اودہ پورانہ ہوا لیکن جس وقت سریر آرائے حکومت ہوئیں تو سرکار عالیہ کے ہی الفاظ میں کہ :-

”مجھ کو ادا کئے حج کا خیال اور اپنے رسول پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک و مقدس کی زیارت کا شوق بیتاب کر رہا تھا۔“

چنانچہ مندرجہ ذیل کے دوسرے ہی سال یعنی ۱۳۲۱ھ میں ضروری انتظامات کر کے اور ایک زبردست قافلہ کو معیت میں لے کر اس فرض کو ادا کرنے کے لئے روانہ ہو گئیں۔ براہ منبرِ اول روضہ نبوی کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ گئیں جب سوا مدینہ کے قریب قافلہ پہنچا تو اس وقت کی کیفیت و تناثر کی نسبت لکھتی ہیں کہ :-

”بیر علی سے آگے بڑھ کر سوا مدینہ طیبہ صاف دکھائی دینے لگا۔ اس وقت جو جذبات کہ میرے دل میں پیدا ہو رہے تھے اُس میں ایک خاص کیفیت اور مُردہ روحانی تھا میں نے اختیار دلی جوش اور غلوص کے ساتھ دُرو پڑھتی تھی اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ اور یہی حالت تمام قافلہ کی تھی۔“

تقریباً ڈھائی مہینے (۱۳ رمضان سے ۲ ذیقعدہ تک) مدینہ طیبہ میں قیام رہا اور اس تمام مدت میں نمازِ عشاء مسجد نبوی میں ادا کی۔ جب حج میں تھوڑے دن باقی رہ گئے تو مدینہ طیبہ ہی سے احرام باندھ کر مکہ معظمہ گئیں اور تمام ارکان و مناسک حج ادا کئے۔

سرکار عالیہ ارکانِ اسلام کی جس طرح خود پابند تھیں اسی طرح دوسرے مسلمانوں کو بھی پابند دیکھنے کی متمنی تھیں۔ اس غرض کے لئے انھوں نے اپنی ذات اقدس پر یہ فرض عائد کر لیا تھا کہ وقتاً فوقتاً عورتوں کے جماع میں مذہبی تقریریں فرماتی تھیں اور اپنی ان قومی تقریروں میں جو مردانہ جلسوں میں کی جاتی تھیں پابندیِ ارکانِ اسلام کی طرف خاص طور پر توجہ دلاتی تھیں خصوصاً ایسے جلسوں میں جہاں طلباء مخاطب ہوتے تھے نہایت پُرجوش اور پر شفقت الفاظ میں ان کو خطاب فرمایا کرتی تھیں۔ انھوں نے ریاست بھوپال میں نماز کے متعلق تو اپنے فرمانروایانہ اثر کا بھی استعمال کیا اور زکوٰۃ کے متعلق بھی ہمیشہ نصیحتیں کیں۔ ایک سلسلہ میں ممبرانِ مجلسِ علما اور قاضی و مفتی ریاست کو اس امر پر متوجہ کیا کہ :-

”امدادِ غزہ کے لئے زکوٰۃ کا ایک نذر نام کیا جائے اور اس طرح لوگ زکوٰۃ دینے کے
 عادی بھی ہو جائیں گے۔“

”یہ فائدہ ہمارے زمانہ تکور میں اگر قائم ہو گیا تو غالباً اللہ تعالیٰ اُس کے اجر
 میں ہمیں بھی شامل کر دے گا۔“

ادائے حج کے لئے مستحقین کو امداد دیتی تھیں لیکن ساتھ ہی یہ سچھتی تھیں کہ اپنی ذاتی
 استطاعت پر اس فرض کو ادا کیا جائے چنانچہ ایک صاحب کی درخواست پر تحریر فرماتی ہیں کہ:-
 ”جب زادراہ نہیں ہے تو حج بھی فرض نہیں ہے۔“

مستحبات و نوافل اور ادعیہ و اوراد | جس طرح فرائض و واجبات کے ادا کرنے میں

مستعد تھیں اُسی طرح جب تک کہ کوئی خاص
 مجبوری نہ ہو مستحبات اور نوافل بھی ذوق و شوق کے ساتھ ادا کرتی تھیں۔ وہ دعا اور استجاب دعا
 کی قائل تھیں۔ ادعیہ مانوڑہ پر صدقِ دل سے اعتقاد رکھتی تھیں۔ مصائب و کالیف کے وقت
 صدقات و خیرات اور دعاؤں کو سپردِ رُز بلا کا ذریعہ سمجھتی تھیں۔

وہ تمام اسبابِ ظاہری کے ساتھ توجہ باطنی کو لازمی تصور فرماتی تھیں اور زیارتِ قبور کو پرتاویز
 اصنام کی شان سے نہیں بلکہ سنون طریقہ پر جاتی تھیں۔

طاہرین کے زمانہ میں جہاں اور احتیاطی تدابیر کے لئے فیاضانہ انتظام کئے گئے وہاں اوراد
 و وظائف کا بھی انتظام رہا اور اس کے اہتمام کا تعلق قضاء و علما سے رکھا گیا بلکہ سرکارِ عالیہ
 بذاتِ خاص بھی شریکِ نماز و دعا ہوئیں اور مختلف اوقات میں محل کے اندر ان ہی دعاؤں
 میں مصروف رکھی گئیں۔

وہ جس طرح ادعیہ مانوڑہ اور اوراد و وظائف پر خود عمال تھیں اسی طرح اپنے تلامین
 اور عمدہ داروں کو بھی عمل کرنے کی تلقین فرماتی تھیں۔

مؤلف سوانح کو جبکہ اس کا عزیز بھتیجا محمد عمران زبیری وطن میں جاں بلب تھا اس طرح
 تسکین و تلقین فرماتی ہیں کہ:-

”ہمارا اخطا ہمارے منشی نے پیش کیا خدا تم پر رحم کرے وہ ارحم الراحمین ہے ضرور

رحم فرمائے گا اور انشاء اللہ تمہارا نتیجہ اچھا ہو گا۔ لیکن دیکھو یہ دارالافتاء ہے جہاں ہر شخص کو نصیحت ملتی ہے۔
 مِنْ سَيِّئَةٍ مَّنْ فَتْسَتْ دُفْرَانِجَم سے اور قاضی کی بات ہے کہ اپنے اعمال کی برائت
 مصیبت الی ہے مَا احْسَبَاتُ مِنْ حَسَنَةٍ مِّنْ اللَّهِ اُس کی جان میں تو جہیز میں
 ہی ملتی ہیں۔ مصیبت جو ہوتی ہے وہ بیکفارہ گناہ ہوتی ہے وَلَسْنَا وَنَكْمُ بَشِي مِنْ
 الْخُوفِ وَالْجُوعِ وَلَقِصْ مِنَ الْاَهْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالْتَقَاتِ وَلَبِشْرُ الصَّابِرِينَ
 مَا اَنَا لِلَّهِ وَاِنَّا لِلّٰهِ رَاجِعُونَ۔ دیکھو اُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ
 وَرَحْمَةٌ اِس لئے اس کا درد ضرور ہے۔ اللہ اپنے وعدہ کو خلاف نہیں کرے گا۔ دوسرے
 استغفار لکھ دوں یا سَتَارُ يَا خَفَاں روزانہ سو مرتبہ۔

حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ
 ۴۲ مرتبہ پڑھتے رہو۔

صبح کی سنت دُفْرَنْ کے درمیان تمہاری والدہ ۴۱ مرتبہ سورہ فاتحہ بِسْمِ اللّٰهِ
 الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ یعنی م کوں سے ملا کر شروع کریں
 ۴۱ مرتبہ۔ اس ہی طرح پوری سورہ پڑھ کر فرض ادا کریں۔ پانی پر دم کر کے مریض کے منہ پر
 چھینٹے ہائیں اللہ اپنے کلام کی برکت سے تمہارے بھتیجے کو اچھا کرے گا۔ اللہ تم پر اور
 تمہاری بوجھی ماں پر دم کرے۔

سرکارِ عالمیہ کی نورس کی عمر تھی جب کہ اس کا باراں کی وجہ سے مخلوق پریشان تھی
 اس وقت نواب شاہ جہاں بیگم (خلدیکھاں) کے ایماء سے دھوپ میں بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت
 اور نزولِ بارانِ رحمت کی دعا کی گھنٹہ بھر کے اندر وہ دعا مستجاب ہو گئی۔

مؤلف نے یہ قصہ سنا تھا لیکن ۱۹۲۹ء میں تقریباً اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سرکارِ عالمیہ نے
 اس پرانہ سالی میں ایسے ہی نازک موقع پر پھر بارانِ رحمت کے لئے آنکھیں پھیل کر دعائیں کیں اور
 وہ مستجاب ہوئیں اور اس استجاب دعا کے شکر یہ میں محل کے متنفذ کو شریک کر کے عزرا کے لئے
 خوانِ دعوت کا انتظام کیا۔

انھوں نے اپنی ترک یعنی گوہرِ اقبال میں ایک جگہ دعاؤں کے فلسفہ کو ان الفاظ میں

بیان فرمایا ہے :-

”اس میں شک نہیں کہ دُعاؤں کو ظاہری اسباب سے کوئی تعلق نہیں لیکن یہ ایک روحانی طریق عمل ہے جو کم و بیش دُنیا کے ہر ایک مذہب میں جس کو آسمانی ہونے کا ادعا ہے جاری ہے اور مذہب اسلام جو کہ تمام نیکیوں کی خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی جہانی ہوں یا روحانی تکمیل و یقین کرتا ہے اسی طرح اُس نے اس طریق کی بھی مکمل نمونہ تکمیل و یقین کی ہے کہ جو شخص خدا کو یاد کرتا ہے اور اُس کے حضور میں اپنی مصیبتوں کو پیش کر کے اُن کے دُور کرنے کی التجا کرتا ہے، خدا اُس کے دل میں تسکین کی روشنی پھیلاتا ہے اور وہ اضطرابی حالت، استقلال و تحمل سے بدل جاتی ہے اَمِّنٌ مَّحْبَبٌ الْمُصْطَلٰہُ اِذَا دَعَا لَا دَوْلَکُمْ الشُّوْعَ۔“

قرآن مجید میں جا بجا ایسی آیات ہیں جن میں خدا کی قدرت اور رحمت کاملہ اور اُس کے الطاف و مراحم اور قہر و جلال کا ذکر ہے اسی کے ساتھ ایسی عبارتیں اور ایسے الفاظ بھی ہیں جن میں انتہا درجہ کی عاجزی اور ادب کا بندوں کی زبان سے اظہار کیا گیا ہے اور بندوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اُس کے ہی بتلائے ہوئے کلام سے اپنے عجز کا اظہار اور مصیبتوں سے نجات پانے کی التجا کی جائے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَیْنُ الْقُلُوْبُ ط۔“

نماز عید اور اُس کا نظارہ | اولیں سال حکمرانی سے عیدین کی نماز کے لئے عید گاہ تشریف لے جاتی تھیں جو شاہ جہاں آباد کی ایک بلند پہاڑی پر واقع اور بیت العید کے نام سے موسوم ہے۔ اس عید گاہ کے دو حصے ہیں ایک زنانہ اور دوسرا مردانہ۔ ان دونوں حصوں میں عید کے دن ایک پُر اثر اور شاندار مجمع ہوتا ہے اور مسلمان آبادی کُل بہت بڑا حصہ اسی عید گاہ میں لوگانہ ادا کرتا ہے۔

سرکار عالیہ اکثر نماز سے کچھ دیر پہلے ایک ہدایت نفیس لینیڈویس جس میں کلپنیں پڑی ہوتی تھیں تشریف لاتی تھیں اور دلی میں باڈی کارڈ اپنی خوشنماوردی میں ہوتا تھا مگر کچھ سال سے بغیر دلی موڑ میں سوار ہوتی تھیں۔

یوں تو ہمیشہ ہی سادہ لباس زیب تن فرماتی تھیں لیکن اس موقع پر اُس میں بہت زیادہ

سادگی ہوتی تھی۔ سواری سے اتر کر اپنی جگہ تشریف لے جاتیں اور کچھ دیر نمازیوں کا انتظار فرماتیں اور یہ انتظار عموماً تسبیح و تہلیل میں صرف کیا جاتا۔ خطبہ کے بعد سوار ہو کر نہضت فرمائے قصر سلطانی ہوئیں لیکن اس جگہ سے جہاں نماز ادا کرتیں دروازہ تک عورتوں کا مشتاقانہ جھوم مصافحہ اور دست بوسی کے لئے اسلامی شان مساوات کا ایک عجیب منظر پیش کرتا۔ سرکار عالیہ نہایت شفقت اور محبت کے ساتھ ہر عورت سے جو سامنے آتی مصافحہ کرتی، عید کی مبارکباد دیتی اور قبول فرماتی ہوئی آہستہ آہستہ دروازہ کی طرف بڑھتی تھیں۔ اس وقفہ میں باہر جوان، بوڑھے، بچے، عجب جوش و مسرت کے ساتھ پہاڑی سڑک کے کناروں پر صف بستہ ہو جاتے سواری نہایت آہستہ آہستہ جاتی۔ اور تمام لوگ نہایت ادب کے ساتھ غلغلہ سلام و تبریک بلند کرتے۔

عید الاضحیٰ کے دن بعد نماز و خطبہ عید گاہ میں اتنا وقفہ فرماتیں کہ زمانہ حصہ کے دروازے کے قریب قربانی ہو جائے۔ (جس کے لئے ایک چار دیواری بنی ہوئی ہے) اب اس منظر کا تصور کر کے ایک اور دوسرے پر غفلت نظارہ کو دیکھئے۔ قاضی ریاست نماز کے بعد خطبہ پڑھ رہے ہیں اور اگرچہ ان کی آواز تمام نمازیوں تک نہیں پہنچتی۔ تاہم سب بگوش دل خاموشی و ادب کے ساتھ سن رہے ہیں۔

زمانہ عید گاہ میں سرکار عالیہ اپنے مصلے پر متوجہ الی اللہ ہیں جن کے لباس میں کوئی امتیازِ شان نہیں۔ سفید ملل کا ڈوپٹہ سر اور شانوں پر ہے۔ چہرہ مبارک جو خود بھی آفتابی تھا آفتاب کی طرح چمک رہا ہے۔ ہزاروں مسلمان عورتیں صف بصف بیٹھی ہوئی ہیں کہ یکایک فوراً سرکار عالیہ ایستادہ ہو جاتی ہیں اور معاً سب عورتیں ہی کھڑی ہو جاتی ہیں۔ لیکن سرکار عالیہ ان کو ہاتھ سے بیٹھ جانے کا اشارہ کرتی ہیں اور ایک خاموشی و سکوت چھا جاتا ہے۔ چند لمحہ توقف کے بعد ایک تقریر شروع کرتی ہیں۔ حمد و ثناء کے بعد ہتھید میں ارشاد ہوتا ہے کہ:-

”اے مسلمان بی بیو! میں اپنا فرض سمجھتی ہوں کہ آج کے دن جو خدا نے تعالیٰ کی طرف سے

خوشی و مسرت کا دن بنایا گیا ہے اور تمہارے دلوں میں دینی و دنیوی خوشیاں موج زن

ہیں تم کو کچھ نصیحت کروں۔“

اس کے بعد عیدین میں پند و نصیحت کے منون طریقہ کو بیان کر کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے خطبات عید سے نصائح کا اقتباس کر کے سنائی ہیں اور پھر کَلَّمَ رَاعٍ وَكَلَّمَ مَسْنُونٍ عَنْ حَيْثُہ کی تشریح میں اولاد کی تعلیم و تربیت پر زور دیتی ہیں پھر اُن کی شفقت نصیحتوں کو بیان کرتی ہیں جو آنحضرت صلعم نے مخصوص عورتوں کو فرمائی ہیں۔ اس کے بعد تعلیم کو سب سے بڑی اسلامی ضرورت سے تعبیر کر کے اور عید و قربانی کے فلسفہ کو مختصر سمجھا کر عید کے دن کو روزِ حشر سے مشابہت دے کر قربانی اور اس کے اسباب و مسائل وغیرہ کو مختصر بیان کر کے ان جملوں پر تقریر ختم فرمائی ہیں کہ :-

”اب تم میرے اور میرے عزیزوں اور تمام مسلمان مرد اور عورتوں کے لئے دُعا کرتی ہوں۔

تمہارے اور تمہارے عزیزوں اور تمام مومنین و مومنات کے لئے دُعا کرتی ہوں۔

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمًا الصَّلَاةَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ طَرَبْنَا

اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝

زمانہ خلافتِ راشدہ اور عیدِ عروجِ اسلام تک یہ دستور تھا کہ جمعہ اور عیدین کی امامت و خطابت کا فرض خلیفہ وقت ادا کیا کرتا تھا لیکن نہ وہ چین رہا اور نہ اس کی بہار رہی۔ البتہ اس شاندار اور پر عظمت منظر نے اس چین اور بہار کی ایک جھلک دکھلا دی جو صرف مسلمان عورتوں ہی کے حصہ میں آئی۔

سرکارِ عالیہ کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارک عقیدت بحضورِ رسولِ اکرم صلعم سے بے حد عقیدت و محبت تھی اور اُس کی مظہر اتم مولانا

شبلی مرحوم کی سیرۃ النبی ہے جس کی تکمیل کے لئے انھوں نے فیاضانہ کفالت کی اور دارِ المصنفین اعظم گڑھ متعدد جلدیں شائع کر سکا۔

اس کے علاوہ سرکارِ عالیہ نے ہربائی نس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم دامِ اقبالہا سے

”ترجمہ“ اے میرے پروردگار! مجھ کو توفیق دے کہ میں نماز پر قائم رہوں اور (نہ صرف مجھ کو

بلکہ) میری اولاد کو (بھی) اور ہمارے پروردگار! میری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے

پروردگار! جس دن (اعمال کا) حساب ہونے لگے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور (سب)

ایمان والوں کو بخش دیجیو۔“

بداء الاسلام کا ترجمہ کرایا اور بچوں اور عورتوں کے لئے ”ذکر مبارک“ تالیف لکرائی جو ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کی گئی اور پھر بنفس نفیس سیرت نبویؐ پر خواتین کے حجام میں متعدد خطبات ارشاد کئے اور وہ سب ایک کتابی صورت میں ”سیرت مصطفیٰؐ“ کے نام سے شائع کئے۔

طبقات ابن سعد کا بھی ترجمہ کرایا اور اس کو من اولہ الی آخرہ مطالعہ کیا۔ اس ترجمہ کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ شائع کرنے کا بھی ارادہ تھا۔

اسی عقیدت کا اثر تھا کہ سرکار عالیہ نے ۹ ربیع الاول سے ۱۲ ربیع الاول تک تمام مساجد میں نماز عصر سے نماز مغرب تک باداموں پر درود شریف کے ورد کا انتظام فرمایا۔ اور ان ہی مبارک تاریخوں میں مردوں اور عورتوں کے لئے مختلف اوقات میں سوئے مبارک کی زیارت کا بھی خاص اہتمام کیا گیا۔

مدینہ طیبہ میں ان گراں قدر مصارف کے علاوہ جو ریاست سے مدینہ طیبہ میں رباط و باغ اور مقرر کئے ڈیوڑھی خاص سے مزید اور خاص انتظام فرمائے دیگر مصارف خیر و فرائشی ایک رباط وقف کی ایک مکان بنوایا جو مسجد نبویؐ سے باہر مگر متصل ہی ہے۔ اُس کے صحن میں ایک مختصر شاداب چمن ہے اور بیچ میں ایک حوض بنایا گیا ہے جس میں بورنگ کے نل سے ہمیشہ پانی بھرا ہوتا ہے۔

روضہ اطہر کے قبلہ جانب مسجد نبویؐ کے باہر ایک چھوٹا سا باغیچہ ہے جس کے دریکے مسجد کے اندر کھلے ہیں۔ اس میں حصول سعادت کے لئے اپنے ہاتھ سے کچھ درخت نصب کئے۔ ربیع الاول میں ایک مجلس مولود منعقد کی جاتی ہے اس میں شرفائے مدینہ مدعو ہوتے ہیں۔

۱۱۔ یہ مختصر رسالہ عربی میں مولانا شبلی مرحوم نے ایم۔ اے، اوکلج کے طلباء کی مذہبی تعلیم کے لئے تالیف کیا تھا جس کا ترجمہ مولوی حمید الدین صاحب بی اے مفسر قرآن نے فارسی میں کیا تھا اور اب فارسی سے اردو میں ترجمہ ہوا۔

۱۲۔ طبقات ابن سعد سیر و معاذ میں ایک مشہور و معروف کتاب ہے جو جوہر من کے زبردست مستشرقین کے اہتمام سے جرمنی میں شائع کی گئی۔

۱۳۔ یہ وہ سوئے مبارک ہے جو سلطان محمد فاس (رشاد) نے سفر قسطنطنیہ کے موقع پر سرکار عالیہ کو ہدیہ دیا تھا۔

ایام تشریق کی قربانی کے لئے بھی ایک رقم معین ہے۔ ایک معقول رقم ماضیہ زمانہ کی مساکین مدینہ کی تجہیز و تکفین کے لئے دی جاتی ہے۔ اسی طرح دیارِ رسول میں اور وظائف بھی مقرر ہیں۔
روضہ مطہرہ کے لئے دو نفر فراش ماور ہیں جو علیا حضرت کی طرف سے فراشی کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

۱۹۱۱ء میں جب ایک ماہ زمانہ قیام استنبول میں ایک روز سلطان محمد خامس (رشاد) کے خاص انتظام کے

استنبول میں تبرکات کی زیارت

بعد بمبئیٹ وزیر اسے ترکی توشک خانہ سلطانی میں تبرکات ملاحظہ کر کے مراجعت فرمائے
ہوٹل پر پہنچے تو وہیسی پر کہ دل بہت پڑ مردہ اور حسرت کدہ یاس و اُلم بنا ہوا سخت فرط نے
لگیں کہ :-

”تمام سفر میں آج کا دن کام کا نکلا کہ ساری محنت وصول ہوئی اور اس
دشت بیلانی کا انجام بخیر ہوا“

میں توشک خانہ کے معائنہ میں حسب الحکم اعلیٰ حضرت نواب صاحب بالقابہ ہمراہ تھا۔ توشک خانہ
کی ہر چیز کو نوتی و مسرت سے ملاحظہ کرتی تھیں لیکن اُن کی نظر عقیدت کیش میں نہ مالائے فردا دید
اُترے نہ منہ بچ جوا ہر نگار، نہ مرقع زیورات اور نہ بیش بہا شمشیر و آلاتِ حرب۔

ان کی تجسس و عقیدت مند نگاہیں تبرکات کو ڈھونڈ رہی تھیں، لہذا جس وقت اُس
کمرے میں جو سیف فاروقی، نعلین زہرا، مصحف عثمانی، تسبیح مرتضوی، خاتم معاویہ، خنجر خالدی
رایت عبیدی، ہوائے رسالت جیسی بیش بہا اور اُمنول یادگاروں سے معمور تھا قدم رکھا
تو اپنا جوش عقیدت مستور نہ رکھ سکیں، دل بھر آیا۔ آنکھیں پر غم ہو گئیں۔ ہر چیز کو حسرت و یاس
سے دیکھتیں، آنکھوں سے لگاتیں، بوسہ دیتیں، سر پر رکھتیں اور گزشتہ عظمت و جلالت

۱۵ وہ تمام مصارف و امور خیر جو سرکار عالیہ نے جاری کئے تھے ہر ہائی انس دام اقبالہ نے علیٰ حالہ
قائم رکھے ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ قائم رہیں گے۔

۱۶ اقباس از مضمون دبیر الانشا، میر دبیر قاضی ولی محمد صاحب سکرٹری اسٹیٹ کونسل۔

یاد کر کے سو گوار ہو جائیں لیکن جس وقت پچاس غلاف دیباچ و حریر اُتار کر کے دہ بیکر صندوق
 نکالا گیا جس میں سید الانبیا، تاج الاصفیا، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلعم کا جبہ مطہر محفوظ تھا
 تو انتہائے جوش سے بے قرار ہو گئیں۔ دل کا دریا اُمڈ آیا۔ آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ آواز بھرا اُٹھی۔
 بیتاب ہو کر صندوق پر عجز و انکسار سے سر رکھ دیا۔ زار و قطار رو رو کر بارگاہ رب العالمین میں اُس
 شایخ محضیر، سردار یوم جزا کا واسطہ دے کر جس کے کھدر نما خاک آلود پیراہن کے عقبہ سپہرِ کرم پر
 ناصیہ عبودیت سمجھی باہنِ اداں عجز و نیاز اس طرح دُعا کے مغفرت مانگنے لگیں کہ حاضرِ کلیں
 بھرا یا حتیٰ کہ مجھ جیسا سیہ کار، بد کردار، راندہ درگاہ بھی جس کے تصور نے اس کی ایک طولانی
 فرد معاصی آنکھوں کے سامنے پیش کر کے اُس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے تھے۔ گرمیِ عشق سے
 بے چین ہو گیا۔ پھر چند روز بعد جب سلطان العظمیٰ نے ایک موئے مبارک رسول پاک صلعم مع دیگر
 تحف دہرایا سرکارِ مرحومہ کے پاس بطور یادگار قسطیہ بھیجا تو اس دولتِ لازوال کا صندوقچہ دیکھ
 پھولے نہ سلائیں۔ شاید ریاست بھوپال کا تخت و تاج پا کر بھی وہ اس قدر مسرور و متادان نہ ہوئی
 ہو گی جس قدر اس دولتِ دنیوی و آخروی کو پاکر باغِ باغ ہو گئیں۔ ہم سب نے ہنایت ادب
 و احترام سے صندوقچہ اٹھایا سرکارِ عالیہ اور حافظ محمود درود تاج پڑھتے جاتے تھے۔ دیگر
 حاضرین کی زبان پر بھی سلام و درود جاری تھا۔ جب چالیس پچاس غلافِ اطلس و دیباچ بونھار
 ہو کر ویشی جس میں موئے مبارک رکھا تھا نمودار ہوئی تو سرکارِ عالیہ پر ایک وجدانی کیفیت طاری
 ہو گئی آنکھوں سے بے اختیار جھڑی لگ گئی اور اتنا روئیں کہ قوشک خانہ عثمانیہ میں کبھی ایسی
 اشکباری نہ ہوئی ہوگی۔ بار بار دیکھا، بوسہ پر بوسہ دیا، درود پڑھا، اپنے خاندان اپنی قوم
 اور عامۃ المسلمین کے لئے دُعا میں مانگتی رہیں۔

صحابہ و صحابیات اور بزرگانِ سلف سے
 عقیدت اور اُن کے حالات کا مطالعہ
 سرکارِ عالیہ کو خلفائے راشدین، صحابہ کرام
 اور صحابیاتِ عظام، ائمہ کرام، بزرگانِ دین،
 اور اولیائے کاملین سے بڑی عقیدت تھی۔

اس ایک عالم تھے۔ قدیم توکل تھا اور ہمیشہ ساجد کی خدمت پر مامور تھے۔

اُن کے حالات و تذکرے اور ان کے اقوال و حکایات ذوق و شوق کے ساتھ بالاستیعاب پڑھے اور ان سے ہمیشہ استفادہ کیا اور اُن کی سب سے بڑی تمنا یہ رہی کہ تمام مسلمان ان سیرتوں اور تذکروں سے فائدہ حاصل کریں چنانچہ سیرۃ مصطفیٰ کی طرح صحابہ اور خلفائے راشدین کی سیرت پر بھی تقریریں تیار کر کے کلب میں پڑھیں۔

سیرت اُہبات المؤمنین کے ساتھ خاص شغف تھا۔ چنانچہ مولوی سید سلیمان ندوی کی کتاب سیرۃ عائشہؓ کی تکمیل بھی سرکار عالیہ ہی کے اس شغف کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح سرکار عالیہ نے سیرت خدیجہؓ اور سیرت ام سلمہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ترتیب و تکمیل کے لئے دو صاحبوں کو فیاضانہ امداد دی اور ایک مختصر رسالہ ”بنات طیبات“ کے نام سے لکھوایا جب وہ پیش ہوا تو مولف کو انعام عطا فرما کر اس کو طبع کرایا اور بہ کثرت شائع کیا۔

توشک خانہ خاص میں ایک فہرست تھی جس میں اکثر بزرگان دین کے نام مع تاریخ وصال درج تھے اور ان میں سے ہر بزرگ کی تاریخ وصال پر ایصالِ ثواب کے لئے خیرات کی جاتی۔

سرکار عالیہ نے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز سے غائبانہ بیعت و تصوف کی تھی اُن کا بہت ہی ادب و احترام کرتی تھیں اور اُن کے متوسلین کے ساتھ نہایت فیاضانہ برتاؤ تھا لیکن یہ برتاؤ اور ادب و احترام اس پیر پرستی سے بالکل جداگانہ تھا جو جاہل عورتوں ہی میں نہیں بلکہ اکثر پڑھے لکھے مردوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

اگرچہ سرکار عالیہ نے کبھی کسی بزرگ سے توجہ باطنی حاصل نہیں کی مگر وہ ایک عرصہ سے تصوف کی طرف متوجہ تھیں اور یہ توجہ آخری دو تین سال میں بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ اکثر تصوفیائے کرام کے حالات مطالعہ فرماتی رہتی تھیں۔ گفتگو میں بھی ان ہی کے تذکرے رہتے۔ کتب تصوف کثرت سے جمع فرماتی تھیں۔

”بزرگان دین سے خاص عقیدت تھی چند سال سے حضرت سلطان الہند غریب نواز کی درگاہ پر دوسرے تیسرے سال حاضری دیا کرتی تھیں اور لوادیم سلطنت و حکمرانی دور کر کے مثل ایک معمولی زار کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر کلام مجید و وظائف کا ورد فرماتیں اور جب تک قیام رہتا

روزانہ صبح و شام دونوں وقت سلام کے لئے جایا کرتیں۔ دہلی میں اکثر تشریف لے جاتیں اور جب کبھی جاتیں تو روزانہ ورنہ دو سکر تیسرے روز درگاہ حضرت سلطان نظام الدین ادینا میں جا کر کھانام مجید پڑھنا اور موجود الوقت فقرا اور مساکین سے استفادہ کرنا ان کا خاص شعار ہو گیا تھا۔ سلطان جی اور قطب صاحب کے نمک تہ مکانات، تنگ و تاریک حجروں میں بے خوف جا کر اترتے کہتیں اور ان میں ایسی محو ہو جاتیں کہ واپسی کا خیال ہی نہ ہوتا۔ فقرا کے تبرکات کو نہایت خلوص سے قبول فرماتیں اور ان کو نہایت ادب و احترام سے فرد گاہ میں لاکر خاص خاص عقیدت مندوں میں تقسیم فرماتیں جہاں دیگر روسا کو ان کو دھام و انبوہ خلائق سے تکلیف و پریشانی ہوتی وہاں ایسے مجمع سے وہ خاص مخطوطا ہوتیں۔ ایک بار جمیر شریف میں جب کچھ حاجتمندوں کو جنھوں نے چلتے وقت گھیر کر راستہ روک لیا۔ میں نے بٹانا چاہا تو فرمایا کہ :-

”ان کو اس طرح کیوں بٹاتے ہو دست سوال دراز کرنے والوں کو کچھ دید
کہ خوبی الگ ہو جائیں اس دربار میں مجھ میں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔ ع
سلطان و گد بندہ این خاک در اند

حضرت پیران دستگیر سے خاص عقیدت تھی اور اسی سلسلہ سے اپنے آپ کو منسلک کر کے فرمایا کہ
”دنیا کی بھول بھلیوں میں بغیر شہ کاہل کے صراط مستقیم پر چلنا دشوار ہے۔“
خاصان خدا کی تلاش و جستجو میں ان کو نہ جمیر شریف کی گندہ اور متحف کلیوں میں بو معلوم ہوتی تھی،
اور نہ مہرولی و کولہ کی ناہمواریوں اور شیب و فراز کے راستوں میں تکلیف محسوس ہوتی تھی۔
سلطان جی کے شہر خوشاں میں وہ اکثر پھر کرتیں اور بیشتر آسودگان خواب کے نام و نشان اور
سوانح دریافت کر کے عبرت حاصل کرتیں۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ صبح کے گئے گئے ایک
بچ گیا دھوپ کی تپش اور بھوک کی شدت سے میرا حال بے حال ہو گیا۔ جسارت کر کے واپسی
کے لئے عرض کیا لیکن شنوائی نہ ہوئی اور جب تک وہاں سے خوب سیر نہ ہو لیں موٹر پر سوار
نہ ہوئیں۔“

سرکار عالیہ نے جب نظام حکومت میں تبدیلی فرمادی اور مجالس انتظامی و واضع قوانین قائم
ہو گئیں تو اسی نسبت سے جہات امور حکومت سے وقت بھی بچنے لگا اور چونکہ زراعت اور امور متعلقہ

زراعت سے خاص دل چسپی تھی اس لئے پرگنہ دوراہہ کو جاگیر میں لے لیا۔

دوراہہ ایک تاریخی مقام ہے۔ یہاں دوراہے ملتے ہیں اور ہر انسان کے لئے اس نام میں ایک صاف و صریح عبرت ہے۔ اس سرزمین پر ایک بزرگ مولانا شاہ وجیہ الدین شہید کامزار بھی ہے جن کی نسبت مشہور ہے کہ شہادت کے بعد بھی جبکہ اُن کا سترن سے جدا ہو گیا تھا کفار سے کچھ دیر تک جنگ کرتے رہے۔

ایک دن سرکار عالیہ جب دوراہہ تشریف لے گئیں تو مزار پر فاتحہ پڑھنے گئیں۔ اُس وقت دل میں عبرت انگیز خیالات کا متوجہ ہوا اور اُسی حالت میں بھوپال مراجعت کی۔ محل میں تشریف لاتے ہی ان خیالات کو فارسی میں قلمبند کر کے مولوی شکر اللہ سہیل کے پاس بھیجا کہ وہ ان کو نظم کے قالب میں ڈھال دیں۔ مولوی صاحب نے بھی ایک خاص جذبہ کے ساتھ اس فرمائش کی تعمیل کی۔ جس کو سرکار عالیہ نے بے انتہا پسند فرمایا اور ”سیر دوراہہ“ کے نام سے چھپوا کر بہ کثرت شائع کیا۔

مواخذہ عاقبت کا خیال | سرکار عالیہ کے قلب سلیم میں مواخذہ عاقبت کا احساس و خیال ہی کچھ کم نہ تھا اور یہی احساس و خیال دراصل ایمان کی کوئی ٹہنی ہے۔ اور اسی لئے اُن کے ہر ایک فعل و عمل میں جو حقوق اللہ و حقوق العباد سے متعلق ہوتا اس احساس و خیال کا پرتو صاف نظر آتا تھا۔

باوجود انتہائی احتیاط کے بھی بمصداق کہ ”نفس ہیچ بشر خالی از خطا بنود“ سرکار عالیہ نے دو مرتبہ اپنی رعایا سے معافی طلب کی۔

ایک مرتبہ جب کہ ۱۳۲۱ھ میں عازم حج تھیں اور دوسری مرتبہ جبکہ عنان حکومت اپنے نورِ نظر اعلیٰ حضرت سکندر صولت ادا م اللہ اقبالہ کے دست مبارک میں تفویض فرما کر بحیثیت راعی رعایا سے رخصت ہو رہی تھیں۔

۱۷ مولوی صاحب ریاست کے قدیم متوسل تھے۔ ممتاز خدمات پر مامور رہنے اور پیش حاصل کرنے کے بعد علیحضرت اقدس دام اقبالہ کی ڈیوٹی خاص میں انڈر چیف سکریٹری رہے۔ ۱۹۱۷ء میں جلوت کی۔ شاعر کی نظری ملکہ تھا فارسی و اردو میں نازک خیال شاعر تھے۔

۱۸ موقع اور معافی کے متعلق سرکار عالیہ گوہر اقبال میں تحریر فرماتی ہیں :- (باقی صفحہ آئندہ)

صدقات و خیرات (خلد نشیں) کے زمانہ سے قائم ہے۔ سرکارِ عالمیہ نے اس میں اصلاح و توسیع فرمائی اور نئی نئی شکلیں پیدا کیں۔ پھر ہمیشہ اس امر کی بھی احتیاط رکھی کہ مستحقین محروم نہ رہیں اور غیر مستحق فائدہ نہ اٹھائیں۔ اسی طرح آیہ لَا تَبْطُلُوا صَدُقَاتِکُمْ بِالْمَلٰئِیۡنِ وَالْاَدۡنٰی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

یہ صدقات احکام و ضابطہ کے باعث بالا اعلان ہوتے تھے لیکن سرکارِ عالمیہ خود بھی بالالتزام مخفی طور پر کرتی رہتی تھیں۔

روزِ صدر نشینی سے دستور تھا کہ ہر شب کو بسترِ استراحت پر تکیہ کے نیچے دس روپے رکھے جاتے تھے جو دن کو دستِ خاص سے حسبِ موقع غریبوں کو عطا فرمائی تھیں۔ ایسے مواقع بالعموم اس طرح ہوتے تھے کہ محل میں کوئی غریب بڑھیا یا کوئی بچہ یا کوئی اور

(بقیہ حاشیہ)

اگرچہ جس دن سے عثمان حکومت میرے ہاتھوں میں آئی تھی میں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا کہ جس پر پہلے غور نہ کر لیا ہو اور غور کرنے کے بعد بھی رعایا کے لئے مفید نہ پایا ہو۔ میں نے رعایا کو کامل انصاف حاصل ہونے پر ہر قسم کی کسانیاں بہم پہنچانے کے لئے اپنے اوپر ایسی تکلیفیں برداشت کیں جو ایک عزیز کسی عزیز کی سخت بیماری سے بے چین ہو کر برداشت کرتا ہے لیکن چونکہ میں انسان ہوں اور میری حکومت شخصی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسے حکمران پر جس کی حکومت شخصی ہو بمقابلہ ایسے فرماں روا کے جو پارلیمنٹ کی بدولت سے فرماں روا بنی کر رہتا ہو حکومت اور حقوق رعایا کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہوتی ہیں میرے ضمیر نے مجھے ہدایت کی کہ قبل اس کے کہ محترم سرزمین اور مقدس گھر میں قدم رکھوں اپنی رعایا سے اپنی فروگزاشتوں کی معافی طلب کروں۔

اس لئے ۲۴ رجب ۱۳۱۵ھ کو مسجدِ آصفی میں رخصت کے وقت رعایا کے خاص خاص قائم مقاموں سے زبانی معافی مانگی۔ اور عہدہ دارانِ ریاست کو نرمی و انصاف سے پیش آنے کی بتا کید اکید ہدایت کی اس وقت ایک عجیب شور مچا کہ یہ وزارتِ مسجدِ آصفیہ میں برپا تھا ہر شخص نہایت عاجزی سے معافی چاہتا تھا اور خود بھی معاف کرتا تھا اور چونکہ تمام رعایا کا ایک جگہ جمع ہونا ناممکن تھا اس لئے تحریری طور پر بھی استدعا و معافی کے اعلان شائع کئے گئے۔ ۵ ملاحظہ ہو تقریر دربار۔

مستحق آگیا اور چپکے سے اس کو دیدے یا ہوا خوری کے وقت یا باغ میں چہل قدمی کرتے ہوئے کسی کو عطا کر دیے یا موٹر میں جاتے ہوئے کسی غریب کو دیکھا تو اس کو دیدیئے۔

بعض اوقات تحویل حیب خاص سے بھی ایسی رقوم صرف کرتیں اور کسی کو ان رقوم کے صرف کا پتہ معلوم نہ ہوتا۔ الَّذِينَ يُفْقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَهُمْ أَجَبُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَكَانُوا عَلَيْهِمْ وَكَانَ هُمْ يَحْزَنُونَ۔

صبر و رضا | خداوند جل و علا نے اپنے افضال سے سرکار عالیہ کو جہاں دنیوی اقتدار و فرمانروائی ہر دل عزیز و شہرت اور ناموری کے ساتھ اخلاق فاضلہ سے بہرہ ور کیا وہاں ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی خصوصیات کاملہ عطا فرما کر آخر دمی درجات و مراتب کا بھی امیدوار بنایا۔ ان خصوصیات اسلامی میں بڑے بڑے سانحات پر صبر جمیل وہ بڑی خصوصیت ہے کہ تمام انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی اس میں آزمائش کی گئی ہے اور کم و بیش ہر مقبول بندہ کی آزمائش ہوتی رہتی ہے سرکار عالیہ کی بھی متعدد مرتبہ نقص الانفس سے ایسی آزمائش ہوئیں۔ ان کو ایسے حوادث و آلام پیش آئے جس سے قلب انسانی پاش پاش ہو جاتا ہے۔

اولاً یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیوں کا انتقال پھر فرماں روائی کے اولین مرحلہ پر شہر کی اچانک موت جو سب سے زیادہ غلصہ و غم شیرکتھے اور جن کو ہمہ تن سرکار عالیہ کے ساتھ اصلاحات میں انہماک تھا پھر ایک عزیز پونی اور پوتے کی جوانمردی اور آخر عمر میں چھ ماہ کے اندر دو صاحبزادیوں کی رحلت کے حادثات، سخت ابتلا اور زبردست آزمائش کے مواقع تھے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ ہر حادثہ پر سرکار عالیہ صبر جمیل کی تصویر تھیں۔ اور دنیا کے سامنے صبر کے حقیقی مفہوم کو ظاہر کرتی

۱۵ صاحبزادی بقیس جہاں بیگم۔ رحلت ۱۳۸۷ھ۔ و صاحبزادی آصف جہاں بیگم رحلت ۱۳۹۲ھ۔

۱۶ عالیجاہ احتشام الملک نواب احمد علی خاں صاحب بہادر رحلت ۱۳۹۶ھ۔ رمضان ۱۳۱۹ھ۔

۱۷ صاحبزادی برجیس جہاں بیگم۔ رحلت ۱۳۹۱ھ۔

۱۸ صاحبزادہ وحید الطوف خاں۔ رحلت ۱۳۲۲ھ۔

۱۹ نواب عالی جاہ کرنل سر محمد نصر اللہ خاں۔ رحلت ۱۳۲۴ھ و نواب حسن الملک جنرل عبید اللہ خاں رحلت ۱۳۲۴ھ۔

تھیں۔ اور اُن کا یہ صبر اس اسوہ حسنہ کا مصداق تھا۔ القلب یحزن والعین تدھان ولا نقول الا ما ینضحیٰ ربنا اِنِّیْ یُفْرِیْقُ یَا اَبْرَہِیْمَ لَحْزُونُ۔

ظاہر ہے کہ ان حادثات سے دل اور ایسی شفیق ماں کا دل کس درجہ غم و الم اور صدمہ و رنج سے متاثر ہوا ہوگا مگر سرکار عالیہ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ سَاجِدُونَ کہتے ہوئے شفقت و محبت کے آنسو تو بہائے لیکن اپنی تمام تر توجہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لایموت کی طرف پھیر کر مروجین کے لئے دُعائے مغفرت اور قرآن مجید کی تلاوت سے اپنے قلب کو سکون دیا۔

انھوں نے ایسے نازک ترین موقعوں پر مجبوری کا نام صبر نہیں رکھا بلکہ اُن صابرین کی مصداق رہیں جن کی نسبت آیہ کریمہ وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ میں صاف و صریح بشارت عظیم ہے۔

زندگی کے ایسے المناک مواقع پر ہمیشہ سرکار عالیہ نے شفقت و رحمت کے آنسو بہا کر قرآن مجید کی تلاوت سے نہ صرف اپنے قلب محزون کو تسلی دی بلکہ رہبر و منزل آخرت کے لئے آخرت کا توشہ بھی ساتھ کیا۔

ایسے جاں گسل صدمات پر جو بڑے سے بڑے صابر انسان کو مُردہ دل بنا دیتے ہیں۔ طاعت الہی اور خدمت مخلوق سے ہمیشہ اُن کا دل زندہ تھا۔

شہر کی اچانک رحلت جو سب سے زیادہ شیر معترض تھے اور جن کو ہمہ تن سرکار عالیہ کے ساتھ اصلاحات میں انہماک تھا اُن کا بعارضہ فلج انتقال ہو گیا۔

انھوں نے نواب کنسٹنٹ کی رحلت کے تذکرے میں اس حقیقت ابتلا و صبر اور اُس کے جہر کو اس طرح بیان کیا ہے۔

اگر ہم غم ناک حادثات کی تاریخ پر نظر ڈالیں گے تو ہم کو بہت سے حوادث ایسے ملیں گے جو خدا کے نیک اور برگزیدہ بندوں پر گزرتے ہیں اور اُن سے محض قضا الہی پر صبر کی آزمائش مقصود ہوتی ہے۔ دراصل خداوند کریم انسانوں کے صبر کی آزمائش صدمات و تکالیف سے کیا کرتا ہے اگر انسان اس آزمائش میں جو صبر کا حقیقی مفہوم ہے پورا اُترتا ہے تو وہ کامیاب سمجھا جاتا ہے اور اس کو اپنی محبت و رحمت کی خوش خبری ان معتمد اس الفاظ میں دیتا ہے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ
وَالشَّمَارَاتِ ط وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا
إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ط أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن
رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ط وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ

مجھ پر جو عین شکلات کے وقت یہ حادثہ گذر اوروں میں میرے صبر کا امتحان تھا میں نے
خدا کی مرضی پر صبر کیا اور قضا، الہی کے سامنے تسلیم جھکا کر آیات کریمہ حَسْبُنَا اللَّهُ
بِنِعْمِ الْوَلِيِّ ه نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ کو اپنا وار کیا جو میرے دل کو
اطمینان دیتی تھیں کیونکہ خدا نے عزوجل فرماتا ہے اَلَا بَدِئَ اللَّهُ قَطْمِي الْقُلُوبِ

مذہب کے متعلق عام معلومات | سرکار عالیہ کو عام مذہبی معلومات اور بالخصوص مسائل
متعلقہ سنواں پر پورا عبور حاصل تھا ان کی مذہبی تالیفات
سبیل الجنان ہدیۃ الزوجین عفت المسلمات اور وہ تقریریں جو مذہب کے متعلق زمانہ حیلوں میں
فرمائیں اس کی شاہد ہیں۔ لیکن انھوں نے اپنے مذہب اور اپنی قوم کے متعلق روایت ہی سے
واقفیت حاصل نہیں کی بلکہ اُس روایت میں ذاتی درایت کا بھی بہت کچھ دخل تھا۔ ہمیشہ ہر مسئلہ
پر کافی غور کیا تھا۔ اور جب کبھی کسی مسئلہ کے متعلق پورے طور پر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو علمائے
کرام سے استصواب اور مباحثہ کیا۔ اکثر مولانا شبلی مرحوم سے بھی ایسے مسائل پر دیر تک گفتگو ہوتی جو
کمال الدین صاحب سے بھی وقتاً فوقتاً بہت سے مباحث رہے ہیں سرکار عالیہ کی تمام تصنیفات

سہ ہدیۃ الزوجین اور عفت المسلمات کے انگریزی تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں اول الذکر کتاب کی دو کنگ مشن کی طرف
سے یورپ اور بالخصوص انگلستان و امریکہ میں بکثرت اشاعت ہوئی عفت المسلمات نے جس کا انگریزی میں ”الحجاب“
نام ہے بہت قبولیت حاصل کی۔ دہر الانشا میر دہر قاضی دلی محمد کہتے ہیں کہ ”قاہرہ اور بیروت میں ان کی تصانیف
علمی طبقہ میں شرف قبولیت حاصل کر چکی ہیں اور بیروت کے ایک فاضل ادیب نے الحجاب کا تلخیص ایک عربی ترکی
انجن کے سامنے پڑھا، اسی ہفتہ مراکو کے ایک ادیب نے مجھ سے سرکار عالیہ کی تصانیف کی فرمائش کی ہے اور مالہ
الحجاب کا جو میں پہلے بھیج چکا تھا بہت قدر و منزلت کے ساتھ تذکرہ کیا تھا۔“

میں ایسی تحقیقات کا رنگ نمایاں ہے۔ وہ تمام مسائل مذہب پر عبور رکھتی تھیں اور جب موقع ہوتا تو نہایت سحر کے ساتھ گفتگو فرماتیں۔ چونکہ فطرتِ حق حاکم تھا کچھ کمال طور پر عطا فرمائی تھی اس لئے جو چیزیں جو بات دیکھی یا سنی وہ حاضر نے الذہن رہی۔

ایک مرتبہ سرکارِ عالیہ کے روبرو امتحانات المومنین کا کچھ تذکرہ تھا۔ اتفاق سے اس وقت تین آدمی موجود تھے جن میں ریاست کے ایک کن مرحوم مولوی سعید الدین صاحب بہادر بھی تھے جنہوں نے دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی تھی اور ان کا علم بھی تازہ تھا۔ اس تذکرہ میں اہمات المومنین کے ناموں کا شمار شروع ہوا۔ تین چار ناموں پر جا کر سب رگ گئے قبل اس کے کہ سرکارِ عالیہ کچھ فرمائیں مولف نے عرض کیا کہ:-

”حضور اب ہماری یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ ہم کو اپنی ماؤں کے نام تک یاد نہیں“

سرکارِ عالیہ نے دو تین سکندے وقفہ کے بعد فرمایا کہ:-

”ہاں بیٹے بھول جائیں لیکن بیٹیاں نہیں بھولتیں“ اور پھر سب نام گنا دیئے۔

سرکارِ عالیہ اگرچہ ایک نہایت فراخ دل اور غیر متعصب خاتون تھیں لیکن عصبیت مذہبی ان کے دل صفا منزل میں مذہبی عصبیت کا وہ جوہر جو ایک مسلمان کے لئے

اسلام کے ساتھ لازم ہے اپنے انتہائی درجہ پر موجود تھا اسلام پر کسی حملہ کو وہ برداشت نہیں کر سکتی تھیں مسلمانوں میں جو معائب ہیں ان کا اعتراف کرتیں لیکن اُس کو شامتِ اعمال اور تہمتی پر محمول کر کے عام بحث و مباحثہ سے دُور رہتی تھیں کیونکہ ان امور میں مشغولیت کے لئے نہ وقت تھا نہ فرصت، اور تقسیمِ عمل کی رو سے اُن کی ذاتِ شائبانہ سے غیر متعلق تھا۔ لیکن کبھی اکثر یورپین لیڈر یا کسی عیسائی جنٹلمین سے اسلام یا اسلام و عیسائیت کے موازنہ پر گفتگو میں آہی جاتی تھیں۔ اُس وقت ایک پُر جوش مناظر کی طرح مباحثہ کرتی تھیں۔ غیر اقوام کے تعلیم یافتہ لوگوں میں مذہب اسلام کے متعلق جو بعیدگی ہے اُس کو سرکارِ عالیہ ہمیشہ تاریخ و روایاتِ اسلامی کی ناواقفیت پر مبنی سمجھتی تھیں اور اسی وجہ سے اپنے پرائیوٹ کتب خانہ میں بہ کثرت ایسی کتابیں موجود رکھتی تھیں جن میں اسلام کے متعلق صحیح صحیح واقفیت بہم پہنچائی گئی ہے جیسے سرسید مولوی چرغ علی سید امیر علی اور خواجہ کمال الدین وغیرہ کی کتابیں ہیں۔

عموماً جن لیڈرز میں مذہبی دل چسپی سمجھتی تھیں تو ان کو کچھ کتابیں تحفہ عطا فرماتی تھیں اور اسی غرض سے متعدد کتابوں کا خود انگریزی میں ترجمہ کرایا تھا۔

ایک معرکہ الآرا خط سرکار عالیہ کے طریق استدلال، طرز مباحثہ اور انداز مصیبت اُس خط سے معلوم ہو سکتا ہے جو حضور مجدد و صہ نے مس ڈی سلنگوٹ کے نام تحریر کیا تھا۔ مس ہوصوفہ الہ آباد گرس اسکول کی ہیڈ مٹریس تھیں۔ لندن میں ایک بہت بڑا جلسہ مشرقی عورتوں کی تعلیم میں ترقی کی تدابیر پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا اس میں بڑی بڑی تقریریں ہوئیں اور تقریر کرنے والی خواتین نے مشرقی مستورات کی تعلیم اور حالت کے متعلق اپنے اپنے خیالات و تجربات ظاہر کئے۔ مس رچرڈسن بی اے نے ایک تقریر کی تھی جس میں مسلمان عورتوں کی نسبت اور مذہب اسلام کے احکام و تعلیمات کے متعلق نہایت نامناسب اور سخت جملے استعمال کئے تھے۔

مس ڈی سلنگوٹ نے اُس جلسہ کی مطبوعہ روڈا دوسر کار عالیہ کی خدمت میں ملاحظہ کے لئے پیش کر کے خواہش کی کہ حضور مجدد و صہ بھی اپنے خیالات عالی اور رائے مبارک سے اس جلسہ کی معاونت فرمائیں۔ سرکار عالیہ نے اس روڈا کو بڑے شوق کے ساتھ ملاحظہ کیا لیکن جب مس رچرڈسن کی تقریر نظر انور سے گزری تو اُس وقت نہایت افسوس ورنج ہوا۔ اور اسی تاسف ورنج کے باعث ایک طولانی خط تحریر کیا جس میں عورتوں کے ان حقوق و درجات کا بیان تھا جو ان کو بحسب نبوی (صلعم) کے بعد حاصل ہوئے، پھر مسلمان عورتوں کے علم و فضل اور جرات و بہادری کا تذکرہ کر کے موجودہ انحطاط اور تعلیم نسواں پر اظہار خیال تھا۔ سرکار عالیہ کی مذہبی خصوصیات میں یہ بات نمایاں تھی کہ فروعی اختلاف سے اثر پذیر نہ ہوتیں اور صرف اصول پیش نظر رہتے اور انھیں کی اشاعت کے لئے امداد عطا فرماتیں۔

سرکار عالیہ طلباء کی جماعت کے لئے بھی اس امر کی بڑی ضرورت سمجھتی تھیں کہ وہ ضروری معلومات مذہب رکھتے ہوں اور بزرگان اسلام اور اپنے اسلاف کی سیرت اور حالات و واقعات ہوں لیکن عام طور سے درسی کتابوں میں غیر اقوام کے بزرگوں کے ہی حالات نظر آتے ہیں اس لئے بنفس نفیس محنت و تکلیف گوارا فرما کر اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اخلاقی ریڈروں کا ایک سلسلہ

تالیف فرمایا اور ہر عنوان کے تحت میں بزرگان اسلام کے مستند تاریخی واقعات و حالات کو بطور مثال درج کیا۔

احترام علماء | وہ ہر عالم کا احترام کرتی تھیں مگر اس احترام کے ساتھ ان کی حالت کا اندازہ ہی کر لیتی تھیں متعصب اور تاریک خیال علماء پر اظہارِ تأسف کے ساتھ ان کی اصلاح حال کے لئے دُعا کرتیں لیکن کبھی ان سے بیزاری کا اظہار نہیں کیا اور ہمیشہ ان کا اعزاز ملحوظ رکھا۔ زمانہ تجدد کے روشن خیال علماء کے ساتھ تو مذہبی و قومی وسائل پر اکثر بے تحاشانہ بحثیں فرماتیں اور خاص خاص ضروریات ملی و مذہبی کی جانب ان کو رجوع کرتیں۔

اگر ہم ایوانِ سلطانی کے کمرہ ملاقات میں مولانا خلیل احمد صاحب ہمارے پوری اور مولانا محمد اسمد صاحب دیوبندی وغیرہ کو ان کے شایانِ شان احترام کے ساتھ دیکھتے ہیں تو وہیں دوسری طرف مولانا شبلی اور خواجہ کمال الدین مسیح اسلام کو بھی اسی عزت و حرمت کے ساتھ موجود دپاتے ہیں۔

وہ ان قدیم و جدید خیالات کے علماء کے باہمی اختلافات کو اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ ان کا صحیح فیصلہ فرماتی تھیں اور کسی ایک فریق سے متاثر نہیں ہوتی تھیں۔ سلاسل میں جب سیرۃ النبیؐ اولیں مرحلہ پر تھی اور اس کا دیباچہ اخبار الہلال میں شائع ہوا تو چند علماء نے جن کی قیادت مولانا عبد الشکور صاحب مدیر النجم لکھنؤ نے کی تھی اور جن کو بعض علماء بھوپال کی تائید بھی حاصل تھی سرکارِ عالیہ کو اپنے پورے عالمانہ اثر کے ساتھ اس امر پر متوجہ کیا کہ یہ سیرت نبویؐ نہ صرف اصولِ سیرت کے خلاف ہوگی بلکہ دشمنانِ اسلام کو ہنسنے کا موقع پیدا کرے گی اور وہ تو اب عظیم جہرِ کارِ عالیہ کا مقصود ہے حاصل نہ ہوگا بلکہ قیامت میں مواخذہ کیا جائے گا۔ تو قیامت کے مواخذہ کا یہ خوف جو ان علماء کی طرف سے پیدا کیا گیا تھا ایک حد تک مؤثر ہوا مگر سرکارِ عالیہ نے اپنی نیت پر اعتماد کر کے کوئی عاجلانہ کارروائی نہیں فرمائی اور نہایت عمدگی و رازداری کے ساتھ اپنا اطمینان کر لیا اور آج صرف اُسی سیرت کے سبب سے خلفائے راشدین، ہاجرین و انصار اور صحابیات کی صحیح و مکمل سیرتیں تیار ہو کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں۔

اسلاف کی محبت | سرکارِ عالیہ کو جو شفقت خاندان کے چھوٹوں کے ساتھ تھی ویسی ہی اُلفت

بزرگانِ خاندان کے ساتھ تھی، خصوصاً اہماتِ کرام کی عظمت اور ان کا احترام بدرجہ غایت تھا اور اسی بناء پر انھوں نے اُن سب کی اور اپنے والد ماجد امراؤ دولہ لواب باقی محمد خاں کی سوانحِ عمریاں نہایت ذوق و شوق کے ساتھ تالیف فرمائیں لیکن خاندانی تعلقات کے سلسلہ میں ۲۷، ۲۸ سال کی مسلسل و غیر منقطع مدت میں شفیق ماں (سرکارِ خلدیگاں) کے ساتھ جو کشیدگی قائم ہو گئی تھی اُس سے بھی اُن کو سکینہٴ قلب اور رحمتِ روحانی نہیں ملی حالانکہ دونوں کے دلوں میں الفت کی لہریں موج زن رہتی تھیں۔ یہ حالت چند خود غرض اشخاص نے پیدا کر دی تھی جن کے مقاصد اور اغراض کی تکمیل و کامیابی اسی کشیدگی کے قائم رہنے پر مبنی تھی۔ اسلئے سرکارِ عالیہ کی ہر کوشش مصالحت و صفائی ناکام رہتی تھی۔

سرکارِ عالیہ کی ”ترکِ سلطانی“ میں یہ تمام واقعات مندرج ہیں جس میں انھوں نے اسبابِ کشیدگی پر پوری روشنی ڈالی ہے اور بعض حالات کا ایسے دردناک الفاظ میں بیان کیا جو جن کو کوئی شخص بغیر آنسوؤں کے نہیں پڑھ سکتا۔

لیکن ان واقعات سے جو محبت کہ ماں کے ساتھ تھی اُس میں شتم برابر کمی نہیں ہوئی اور یہی نہیں بلکہ ان کو ماں کی شفقت پر جو اعتماد تھا وہ بھی برقرار قائم رہا اور نہ اس احترام میں ذرہ

۱۷۔ اس کتاب کے موضوع اور طرزِ بیان کے متعلق ہی سرکارِ عالیہ کے حسب ذیل فقرات مطالعہ کے قابل ہیں جو انھوں نے اپنے عہدِ حکومت کی تاریخ کے حصّہ اول کو ہر اقبال کی ہمت میں لکھے ہیں :-

”اس ۲۶ سال کے عرصہ میں کچھ ایسے رنجہ حالات اور افسوسناک واقعات بھی پیش آئے تھے جن کی وجہ سے میرا مرتبہ حصّہ ایک غم ناک فسانہ بن گیا اور اس نے بڑی حد تک تاریخی حیثیت سے علیحدہ ہو کر سوانحِ ذاتی کی صورت اختیار کر لی۔ ان ۲۶ برسوں میں مجھ پر جو روحانی صدمات پہنچے اُن سے میرے دل پر نہایت سخت اثر تھا اور ابھی تک جب اُن کا خیال آتا ہے دل و دماغ پر تکلیف دہ حالت طاری ہو جاتی ہے مگر اس جوشِ بیان نے جو ایسی صورتوں میں خود بخود پیدا ہو جاتا ہے اور جس کا اندازہ کچھ ستم رسیدہ اور غم زدہ دل ہی کر سکتے ہیں میرے ضبط کو مغلوب کر لیا تھا اس لئے زبانِ قلم سے وہ جذباتِ غم بھی ظاہر ہوتے چلے گئے جن کو اگر ضبط کرتی تو ایک

بھرنے شروع کیا جو ماں کا بیٹی کے دل میں ہونا چاہیے۔
 انہوں نے نہایت جوش سے ماں کی سوانح عمری ”حیات شاہجہانی“ لکھی اور اردو انگریزی
 میں بہ کثرت شائع کی۔

اس کتاب کے دیباچہ میں تحریر کرتی ہیں:-

”خلدنگاں علیا حضرت جناب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ تاج ہند جی، سی، آئی
 اہی مرحومہ مغفورہ کی سوانح عمری لکھنا نہ صرف میرے لئے ایک فرض ہے بلکہ اُسے میں
 اپنی سعادت سمجھتی ہوں اور ایسے کام کو ایک ایسی خدمت جانتی ہوں جو دعا کے بعد میں
 ان کی کچھ کر سکتی ہوں۔ دنیا مانتی ہے کہ وہ اولوالعزم، فیاض، رحیم الزاج اور بدبختوں
 بھیس پس ایسی خاتون کے کاموں کو زندہ رکھنے کے لئے ایک سوانح عمری کی اشد ضرورت
 تھی۔ ممکن تھا کہ میں یہ کتاب کسی قابل آدمی سے لکھواتی۔ لیکن مجھے یہ سعادت کیونکر حاصل ہوتی
 کہ میں اپنی عزیز اور شفیق والدہ کی یہ خدمت بجالاتی۔ پس جہاں تک مجھے دقت ملا اور موقع
 حاصل ہوا میں نے اس کتاب کو مرتب کیا..... میں نے اس لائف
 میں عمداً اور قصداً ان تمام درد انگیز واقعات کو درج نہیں کیا جو میرے اور ان کے مابین
 پیش آئے کیونکہ ان کا فراموش کر دینا ہی بہتر ہے۔ جو کچھ واقعات پیش آئے وہ شدنی
 تھے میں یقین رکھتی ہوں کہ باوجود ان واقعات اور مسلسل کشیدگی کے ذرہ برابر ان کی شفقت میں
 کمی نہیں آئی تھی اور نہ میری اطاعت و محبت میں کوئی فرق آیا تھا اور کیوں کر آتا میری
 جنت تو ان کے قدموں کے نیچے ہے اور میری بخشش ان کی خوشی و رضا پر منحصر ہے۔
 مجھے یقین ہے کہ جب ناظرین اس لائف کو پڑھیں گے تو جہاں ان کو یہ خوشی ہوگی
 کہ ان کے ملک میں ایک ایسی جلیل القدر خاتون کی شاندار لائف موجود ہے وہاں مجھے اور
 انہیں دونوں کو دُعاے خیر سے یاد کریں گے۔

سرکار عالیہ کی اس محبت کا انداز یوں کر ناچا سییے کہ آخر وقت تک جب کبھی ماں کا تذکرہ
 آجاتا تھا تو ان کی باتوں میں ایک جوش پیدا ہو جاتا تھا۔ تزک سلطانی اور حیات شاہجہانی کی
 ترتیب و تالیف کے زمانہ میں مجھے اس جوش محبت کے نظارہ کا بار بار موقع ملا ہے اور میں نے اکثر

بیشتر سرکار عالیہ کو چشم پر خم پایا اور غناک آواز سے گفتگو کرتے سنا۔ اسی محبت کا تقاضا تھا کہ سرکار عالیہ اپنے اسلاف کرام کے ایصالِ ثواب کے لئے بھی ایک معین تاریخ پر خیریت و تبرک فرمایا کرتی تھیں۔

شکر گزاری | سرکار عالیہ کے شاملِ رضیہ میں ایک بڑی صفت شکر گزاری تھی۔ وہ ہمیشہ خدائے رحمن و رحیم کا شکر صرف دل و زبان سے بلکہ ہر موقع پر عمل کے ذریعہ سے ادا کرتی تھیں جس کو ہم اُس شفقت و ہمدردی میں نمایاں دیکھتے ہیں جو اُن کو عموماً مخلوق الہی اور خصوصاً جماعتِ مسلمین کے ساتھ تھی۔ اس کے علاوہ بعض اوقات تحریر و تقریر میں بھی وہ خداوند کریم کے افضال و عنایات کی شکر گزاری نہایت پرجوش الفاظ میں کرتی تھیں۔ مثلاً ایک موقع پر اپنے جذباتِ شکر گزاری کو اس طرح ظاہر کرتی ہیں :-

”اُس دُنیا نے ظاہری میں میں اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھتی ہوں کہ اُس کے الطاف سے الْمَالُ وَالْبَنُونَ ذُنُوبُهُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کی مصداق ہوں اور میں ہمیشہ خدائے عز و جل سے مثل حضرت سلیمان علیہ السلام کے دعا کرتی ہوں۔
رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلٰى وَعَلٰى وَالِدَيَّ
وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِىْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّىْ تَتَّبِعُ
الْيَقِيْنُ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝“

اور اُس کے حضور میں بتی رہتی ہوں کہ وہ زندہ رہیں اور ان میں ہر ایک صالح ہو اور وہ میرے لئے باقیاتِ صالحات ہوں اس لئے کہ وَالْبَاقِيَّاتِ الصَّالِحَاتِ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ اَمَلًا۔

یہ امر واقعہ ہے کہ خداوند کریم نے جہاں سرکار عالیہ کو ابتلا و آزمائش میں ڈالا وہاں حسناتِ داریں سے بھی کامل طور پر تمتع عطا کر کے اپنے اس وعدہ لَبِئْسَ شُكْرُكُمْ لَا زَيْدًا لَّكُمْ کو پورا کیا۔

لیکن خدائے تعالیٰ کا شکر یہ اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ انسان انسان کا شکر گزار نہ ہو۔ لَمْ يَشْكُرُوا لِلّٰهِ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ۔

سرکار عالیہ ہمیشہ ہر شخص کا جس نے ذرا بھی قابلِ شکر یہ کام کیا ہو یا جس نے اُن کے مقصد یا کسی کام میں مدد کی ہو شکر یہ ادا کرتی تھیں۔ یہ شکر گزاری رسمی نہ تھی بلکہ حقیقتاً دل سے ہوتی تھی اور اس کا اظہار شوقوں، پرائیوٹ خطوں، پبلک تقریروں اور تصانیف وغیرہ میں فیاضانہ اور مؤثر الفاظ کے ساتھ ہوتا تھا۔ مثلاً میری ایک عرضداشت پر توفیق فرماتی ہیں کہ:-

”واقعی شبِ دروز میری یہ آرزو ہے کہ میں خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی کی کوشش کروں اور اس کے بعد بندگانِ خدا کی بہبودی کی جو میری زندگی کا مقصد ہے۔“

میں اس کو بھی بتانا چاہتی ہوں کہ جو صاحبانِ میرے اس مقصد میں مجھ کو امداد دیتے اور اس تمت کی تکمیل کی کوشش کرتے ہیں ان کا شکر یہ میری زبان ہی سے نہیں بلکہ دل سے نکلتا ہے۔ خدائے تعالیٰ ان کو زیادہ توفیق عطا کرے۔

اس کوشش کی جو ہمارے قلم سے حتی الامکان ہو سکتی ہے اور جو کرتے ہیں اس کا صلہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہے اور انشاء اللہ ضرور ملے گا لیکن تم سب اس قدر خواہش ہے کہ دعا خیر سے جیسے اب یاد کرتے ہو تا اپنی حیات یاد کرتے رہو اور یہی تمنا رعایا اور

قوم سے ہے۔“

اُن کو سیرت النبیؐ کی تکمیل کا بے انتہا خیال تھا مولانا شبلی مرحوم کی رحلت کے بعد جب اُن کے جانشین مولانا سید سلیمان پہلی مطبوعہ جلد لے کر آئے اور باریاب ہوئے یہ ہدیہ مقدس اور روئادیش کی تو سرکار عالیہ کا قلب مبارک خدا اور انسان دونوں کے شکریوں سے معمور ہو گیا بقیہ جلدوں کی تکمیل کا تذکرہ ہوا اور دار المصنفین کے ذاتی پریس نے ہونے سے شکلات کا ذکر آیا تو مولانا موصوف کے ہی تجنیہ کے مطابق بہ شکر یہ تکمیل سیرۃ النبیؐ تین ہزار روپیہ دیئے۔

اپنے عہدہ داروں کی خدمات کے اعتراف اظہار تحسین میں ہی نہایت فیاض تھیں جو صحیح معنوں میں ایک حقیقی شکر گزاری ہے اور جہاں موقع ہوتا تھا انتہائی قدر شناسی کے ساتھ ان کا تذکرہ فرماتی تھیں۔ اختر اقبال کا ایک باب خاص طور پر ایسے ہی تذکروں سے معمور ہے۔

پھر یہ اعتراف تحسین زندہ اور موجود عہدہ داروں کی ہی خدمات کا نہ تھا بلکہ اس جہان سے گزر جانے اور خدمات سے سبکدوش ہو جانے والوں کو مردِ زمانہ پر بھی فراموشی نہ فرماتی

تھیں۔ ایک اعلیٰ عہدہ دار مولوی نصیر الدین صاحب معین المہام مرحوم کے متعلق لکھتی ہیں کہ :-
 ”وہ ہمیشہ ریاست و رعایا کی بہبودی کے خیال میں مستغرق رہتے تھے اور نہایت ہر دلنواز
 بھی تھے، تمام رعایا ان کے ساتھ محبت کرتی تھی اور بھوپال میں ہمیشہ ان کا نام عزت و
 نیکی کے ساتھ لیا جائے گا“

بخٹی محمد حسین صاحب ایک قدیم اور ممتاز عہدہ دار تھے جو نواب سکندر بگم خلدیش کے زمانہ
 سے ملازم تھے اور انھوں نے تین دور حکومت دیکھے اور ان میں کام کیا۔ ان کی نسبت تحریر کیا گیا کہ :-
 ”انھوں نے جیسی اعلیٰ دیانتداری اور راست بازی کے ساتھ اس طویل اور مسلسل زمانہ میں
 اپنی خدمات کو انجام دیا ہے وہ ہر عہدہ دار کے لئے نمونہ ہے ان پر ہر زمانہ میں بھروسہ
 اور اعتبار کیا گیا اور وہ اس کے اہل ثابت ہوئے۔ وہ نہایت خاموشی کے ساتھ کام
 کرتے تھے اور چونکہ ایمان داری اور خیرگالی ان کا نصب العین تھا اس لئے ہمیشہ
 ممتاز اور موقر رہے“

ایک فرشتہ شخصیت عہدہ دار افسر الاطبا حکیم سید نور الحسن صاحب کا تذکرہ ان جملوں
 پر ختم فرماتی ہیں :-

”ان کا وجود ایثار و خلق کا ایک بہترین نمونہ تھا جو بھوپال کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ افسر الاطبا
 کے نازک عہدہ حقیقتہً یہ انتخاب ایسا اچھا ہوا تھا کہ بہت ہی کم ہوتا ہے۔ وہ شخص اس
 دنیا میں نہیں ہے مگر اس کی نیکی کی یاد باقی ہے اور آج اس کو تمام رعایا روتی ہے“
 سال ۱۳۱۵ء میں ان کی چھوٹی صاحبزادی سخت علیل تھیں ایک لیڈی ڈاکٹر مس مکینزی جن کا چند
 روز کے لئے بھوپال میں بطور قائم مقام تقرر ہوا تھا ان کی معالج تھیں نہایت ہمدردی اور توجہ سے
 علاج کرتیں۔ مرضیہ کی حالت میں ہنوز کوئی خاص تغیر نہ ہوا تھا کہ وہ انور واپس چلی گئیں اور پھر
 کبھی بھوپال نہ آئیں۔ صاحبزادی صاحبہ کا بھی چند ماہ بعد انتقال ہو گیا۔ ۱۸ سال بعد جب
 سرکار عالیہ اپنی تزک میں صاحبزادی صاحبہ کی علالت کا تذکرہ لکھتی ہیں تو دیکھ کیسے پرجوش

سہ مولوی شرف الدین مرحوم جج ہائی کورٹ کے برادر بزرگ اور سید علی امام مؤید الملک کے ماموں تھے۔

الفاظ میں مس میکنزی کا ذکر فرماتیں اور شکریہ ادا کرتی ہیں :-

”گو اب دنیا میں آصف جہاں نہیں ہیں اور اُن کی دائمی مفارقت سے جو صدمہ مقدر میں تھا وہ ہم نے اٹھا لیا۔ جو تکلیفات، بگھینی تھیں وہ دیکھ لیں اور نہ مس میکنزی ہی ہم میں موجود ہیں لیکن جس طرح کہ آصف جہاں کی یاد باقی ہے اُسی طرح مس میکنزی کی محبتیں یاد ہیں اور اُن کی شکر گزاری دل میں موجود ہے“

دست برداری حکومت اور اعلیٰ حضرت اقدس ذاب سکندر صولت کی تخت نشینی کے دربار میں سرکار عالیہ نے جو نوٹز اور قابل یادگار تقریر فرمائی ہے اس میں جہاں خداوند جل شانہ اور اراکان حکومت برطانیہ کا شکریہ ادا کیا ہے وہاں اپنی رعایا اور اراکین دولت کا بھی اظہارِ تشکر ہے اور پھر اراکین کو بھی فراموش نہ کیا جو خدمات بھوپال سے سکدوش ہو چکے یا اس دنیا کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔

وہ عموماً اپنی تالیفات میں اُن اصحاب کا شکریہ ادا کرتی تھیں جو اُن میں کسی قدر بھی مدد دیتے تھے۔ مثلاً ”سیرۃ مصطفیٰ“ کو جب شائع کرایا ہے۔ تو اُس کے دیباچہ میں لکھتی ہیں کہ :-
”میں آخر میں مولوی سعید الدین صاحب بہادر کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے میری ان تقریروں کو نظر اصلاح دیکھا اور جن سے ہمیشہ مذہبی تالیفات میں مجھے مدد ملتی ہے“
یہ تو بڑی ہستیاں تھیں انہوں نے تو اپنے معمولی اہلکاروں تک کا شکریہ ادا کرنے میں فیاضی سے کام لیا ہے۔ چنانچہ اخلاق کی پہلی کتاب کے دیباچہ میں ان ناچیز ہستیوں کا اس طرح تذکرہ کرتی ہیں :-
”اگرچہ میں نے اپنے اوقات فرصت میں اس کتاب کے مسودہ پر بہت کچھ محنت کی ہے اور

۱۵ ملاحظہ ہو تقریر دربار۔

۱۶ ضلع ہمار پور کے ایک ممتاز خاندان کے رکن اور دیوبند کے فارغ التحصیل نہایت روشن خیال اور ذہین عالم تھے یہاں میں معمولی ملازمت سے اعلیٰ مناصب تک ترقی پائی۔ نہایت وفادار۔ دوست پرور اور علم کے شوقین تھے آخر وقت تک روزانہ دو چار طلباء کو حدیث و تفسیر کا درس دیتے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں رحلت کی۔

انگریزی کتابوں سے اس میں مدد ملی ہے لیکن میں یہ کہنے بغیر نہیں رہ سکتی کہ میرے دفتر تاریخ نے مسودوں کی صفائی اور حوالہ جات وغیرہ کی تلاش میں مجھے حسب معمول بہت مدد دی ہے۔ اس کتاب میں جنتِ نظیں ہیں وہ منشی محمد یوسف قیصر کا نتیجہ طبع ہیں جو اچھے شاعر ہیں اور اس دفتر میں اسی لئے معمور ہیں کہ بچوں کے لئے ایسی اخلاقی نظمیں تیار کریں۔ ان نظموں نے اس کتاب کو اور بھی زینت دی ہے۔ یہ اس قابل ہیں کہ بچوں کو زبانی یاد کر لیں جائیں تاکہ بچوں کو خوش الحانی کے ساتھ موزوں پڑھنے کی مشق ہو اور ان کا اثر دل پر ہو جائے۔ ان کی محنت قابلِ شکر گزاری و ستائش ہے۔“

اس صفتِ شکر گزار سی کی انتہا یہ ہے کہ ایک تقریب پر جس کی مدت کم رہ گئی ہے علیا حضرت اپنی تازہ تصنیف تندرستی تقسیم فرمانا چاہتی ہیں کوئی پڑیں اس مدت میں آمادہ نہیں ہوتا۔ لیکن مولوی سید ممتاز علی اڈیٹر تہذیب نسواں کے ذریعہ سے لاہور میں طبع ہو جاتی ہے اور پھر بعض اتفاقات سے تقریب کی تاریخ بڑھ جاتی ہے اور مؤلف سوانح کے ایک عریضہ پر توجہ فرماتی ہیں:-

محمد امین!

بلقیس کے حقیقہ میں غالباً ابھی وقفہ ہے صرف خط لکھ دو کہ پاسنجر سے بھیج دیں۔ ضرور اس کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اپنے وعدہ پر کتاب تیار ہو گئی۔“

شفقتِ درافت | سرکارِ عالیہ رحمت و رافت کا ایک جلوہ گاہ بھتیں جس کا نظارہ اس وقت بہت ہی چڑ لطف ہوتا تھا جبکہ ملکِ محروسہ کے دوروں میں رعایا اور کاشتکاروں کی عورتوں اور بچوں کے درمیان جلوہ افروز ہوتیں اور اس طرح بلا واسطہ رعایا کو شفقت شاہانہ سے بہرہ یاب ہونے کا موقع ملتا۔ متوسلین کے ساتھ ہی خاص شفقت فرماتی تھیں۔ فیاضانہ امدادوں کے علاوہ شادی اور تقاریب کے موقع پر اس شفقت کا زیادہ اظہار ہوتا تھا۔ دلنیں باریاب ہوتیں، ان کو سلامی اور تحفے مرحمت کرتیں۔ دعوتیں قبول فرماتیں۔

لے پہلے خیال تھا کہ نواب گوہر تاج بیگم عابدہ سلطان کا نام بلقیس جہاں سکیم بکھا جائے۔

بچے پیدا ہوتے تو ان کا نام کھتیں اور مبارک بادیں دیتی تھیں۔ اور ان مبارک بادوں سے بھی زیادہ قابلِ فخر و احترام وہ دعائیں ہوتیں تھیں جو ان بچوں کے لئے زبانِ مبارک سے کرتیں۔ مثلاً ایک تقریب کے موقع پر مولف سوانح کی جواب مبارک باد کے آخر میں تحریر فرماتی ہیں کہ:-
 ”محمد امین! اس وقت بے اختیار ایک نام یاد آگیا۔ اللہ تعالیٰ تم کو فرزند دے جس کی امید ہو رہی ہے عمر کا..... لیکن صالح جس کا نام یامین ہوگا اور ہم مبارک باد دیں گے۔
 انشاء اللہ تعالیٰ۔“

مکرر بہتاری دلی مبارک باد کا شکریہ۔“

وہ مصیبت زدوں کی حقیقی غم خوار تھیں۔ ناممکن تھا کہ کسی کی مصیبت سنیں یا دیکھیں اور بہت اثر نہ ہو جائیں اور مناسب امداد نہ فرمائیں۔ وبائی امراض کے زمانہ میں باوجود طبی تدابیر کے جو نہایت فیاضانہ طور پر کی جاتی تھیں اور اوراد و وظائف پڑھے جاتے تھے سرکارِ عالمیہ رعایا کے اطمینان اور طبی تدابیر پر عمل پیرا ہونے کے لئے اعلان اور پیغام شائع فرماتیں۔ بہر وقت فکر و الم میں ڈوبی اور بارگاہِ ایزدی میں مضطربانہ دعائیں کرتی نظر آتی تھیں۔
 موسمِ سرما میں ہر سال عزرا کو کبیل اور رضائیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔ ایک سال اتفاق سے اُن کی تقسیم میں کچھ تاخیر ہو گئی۔ ایک دن سخت سردی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ گہرے بادل گہرے ہوئے تھے۔ جنوری کا مہینہ تھا اور سرکارِ عالمیہ محل شاہی میں مضطرب و متنبات تھیں اور بار بار کہتی تھیں کہ آج ان غریبوں کا جن کے پاس لباسِ سرمائی نہیں ہو کیا حال ہوگا۔ غریب عورتیں علیٰ العموم محل میں آکر بے تکلفی سے اپنی تکلیف و مصیبت کی داستان سناتیں اور ہمیشہ سرکارِ عالمیہ کی شفقت و تسکینی سے ٹپکٹن و سرور ہو کر رہی جاتیں۔

رعایا کو تقاریب شادی اور نکاحات کی تعمیر و مرمت اور ادائے قرض کے لئے فیاضانہ امدادیں عطا کرتیں۔ عام ملازمین اور جاگیرداران وغیرہ کو ضرورت کے وقت سودی قرضہ سے نجات دلانے کیلئے بجٹ میں ایک رقم ہرائے قرض بھی جاتی۔

علاوہ ان وظائف تعلیمی کے جو ریاست اور جیب خاص سے مرحمت فرماتی تھیں ہر سال ایک معقول رقم اور زیادہ ترجیب خاص سے غرباء اور غیر مستطیع طلباء کو امتحانات کی فیسوں اور

سفر کے اخراجات کے لئے عطا کرتیں۔ اور اس قسم کی امداد سے ان کو مسرت ہوتی تھی پھر اُن کی کامیابی کے لئے دعائیں کرتیں اور کامیاب طلباء کی جب فہرست پیش ہوتی تو بے انتہا مسرور ہوتیں اور جن کی ماؤں سے واقف ہوتیں ان کو مبارک بادیں دیتیں۔

اعلیٰ حضرت اقدس جب ایف اے کامیاب ہوئے ہیں تو لیڈر کلب میں خواتین نے ایک جلسہ مبارکباد منعقد کیا اور اس میں یارنی کا انتظام کرنا چاہا لیکن سرکار عالیہ نے ان کو مشورہ دیا کہ جو رقم اس طرح خرچ کی جائے اُس کو غریب لڑکیوں کی اور اسیلم میں خرچ کرنا چاہیے۔ خواتین اس مشورہ پر عمل پیرا ہوئیں جس سے سرکار عالیہ کو بہت خوشی ہوئی اور جلسہ میں اُنھوں نے ایک مختصر تقریر کی جس میں فرمایا کہ :-

”مجھے اس بات سے بھی بڑی خوشی ہوئی کہ تم نے میرے مشورہ کو قبول کر کے اُس رقم کو جو کج عجبے پارٹی دینے کے لئے تم نے آپس میں جج کی تھی کسی قومی کام میں صرف کرنا تجویز کیا ہے۔
خواتین!

اُس مالک حقیقی کی جس کے رحم و کرم سے ہم کو یہ سرتیں حاصل ہوتی ہیں سچی شکر گزاری اسی طرح ادا ہو سکتی ہے کہ ہم ایسے موقعوں پر اُسکی مخلوق کو جن کی اعانت و دستگیری ہمارا فرض ہے فراموش نہ کریں۔

کیا فائدہ ہوتا کہ اگر ہم اس وقت کلب کی میزوں کے آس پاس جج ہو کر چند پھل کھا لیتے لیکن اس سے بہت فائدہ ہوگا کہ یہ روپیہ غریب آدمیوں کے کام آئے گا۔ اُن کی دلی غائیں ہمارے حق میں مسرتوں اور خوشیوں کے خوش گوار پھل پیدا کریں گی جن کی شیرینی اور خوشبو سے ہمارے دل اور رُوح کو تازگی ہوگی۔

جب تک خوشی کے موقع پر غریبوں کو شریک نہ کیا جائے اُس میں میرے نزدیک لطف ہی نہیں آتا۔ نیز ہمدردی کی اُس صفت کا جو خدا نے انسان کو عطا کیا ہے افضلہ ہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو غریبوں اور ضرورت مندوں کی مفید اور بکار آمد مدد کی جائے۔

اب میں ہمارے سب کے ساتھ اس دُعا میں شریک ہوتی ہوں کہ خداوند کریم حیدر اللہ خاں کی تعلیمی منزلوں کو طے کرنے میں مدد کرے۔ اور اُن کی تعلیم سے قوم کو فائدہ پہنچائے۔ میں اس جگہ بھوپال کی اُن تمام ماؤں کو بھی مبارکباد دیتی ہوں جن کے بچے اس سال امتحان دیکھ کر میاں میں کامیاب ہوئے ہیں۔ خدا کرے وہ اُن کے دلوں کو اپنی اطاعت و لیاقت سے ہمیشہ شگفتہ رکھیں۔“

درحقیقت یہ مادرانہ شفقت کا قابل احترام جذبہ تھا۔ کانوڈیشن کی تقریر میں وہ اس جذبہ اتنی متاثر ہوئیں کہ اس تقریب کی تقریر میں جہاں لوگری لینے والے طلبہ کو بہت سی نصیحتیں کیں، وہاں ان کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ :-

”آپ اپنے اُن بزرگوں اور مریوں کو بھی جو یہاں موجود نہیں ہیں اپنی کامیابی پر میری دلی مبارکباد کا ہدیہ پہنچائیں۔“

اُن کی اس رحمت و شفقت کی حد یہ تھی کہ سیاست مملکی میں بھی جذبہ کارفرمانہ نظر آتا تھا۔ یہی جذبہ تھا جس کی وجہ سے عالمِ اسلامی کے انتشار و تباہی پر ہمیشہ قلبِ مبارک سخت طور سے متاثر رہا اور جس حد تک سرکارِ عالیہ کو امداد کا موقع ملا گراں قدر امدادیں کیں۔

سفرِ یورپ کے زمانہ میں جب قسطنطنیہ کی آتشزدگی کا حال معلوم ہوا تو ۵۷ ہزار روپے غربا کی امداد میں دیا اور بلقان دار کے زمانہ میں تین لاکھ روپے کے ٹرکس بانڈ خریدے۔

مظلومینِ سمرنا کی امداد میں ۲۵ ہزار روپے کی یتیموں کے فنڈ میں اکیس ہزار روپے عطا کیا۔ اور جب فتحِ سمرنا کی خوشی میں بلدہ بھوپال کے عام مسلمانوں نے اظہارِ شادمانی و مسرت کے لئے ایک جلوس نکالا، غریبا و مساکین کی امداد کے لئے چندہ کئے تو عین جلوس کے دن جس وقت یہ اطلاع حضورِ مدوحہ کو ہوئی بغیر کسی درخواست اور توجہ دلانے کے ایک ہزار روپہ اپنی حمیب خاص سے ان عام مسلمانوں کے چندے میں عطا فرمایا۔

سرکارِ عالیہ تيامی پر بے انتہا شفیق تھیں اور اسی شفقت کا اثر تھا کہ ہر موقع پر انھوں نے یتیموں کی امداد کی اور بھوپال کے سرکاری یتیم خانہ کو ”دارِ شفقت“ کے نام سے موسوم فرمایا اور جب بھوپال کی بیلک نے سال ۱۹۰۷ء میں اعانتِ تيامی دیوگان کا فنڈ قائم کر کے ششماہی رپورٹ

شائع کی تو بلا درخواست سکرٹری کے نام سرکار عالیہ کا خط پہنچتا ہے کہ یک صدر روپیہ میری جانب سے قبول فرمائیے۔

یتامی کی تعلیم و تربیت کے متعلق ان کا ایک خاص خیال تھا اور اس خیال کو انھوں نے اپنی ایک تحریر میں بسلسلہ سفر کلکتہ ۱۲۹۷ء میں اس طرح ظاہر کیا کہ :-

”میرے سامنے اسلامی یتیم خانہ کا ڈیوٹیشن پیش ہوا اور یتیم بچے بھی آئے۔ ان بچوں کے بھولے بھالے چہرہ دیکھ کر دل پر ایک عجیب اثر پڑا۔ اس میں شک نہیں کہ کلکتہ کے اہل اسلام نے یہ نہایت مفید کام کیا ہے۔ اگر ان بچوں کی باقاعدہ تعلیم و تربیت ہوئی تو ضرور ان میں سے کچھ نہ کچھ جوہر قابل نکلیں گے۔ کلکتہ کے علاوہ بھی ہندوستان میں چند اسلامی یتیم خانہ ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی وسعت اور ان کی تعداد میں بہت کچھ اضافے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ خط و وبا میں اکثر مسلمان بچے دوسری قوموں کے یتیم خانوں میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں ان کے مذہب کی کوئی محافظت نہیں ہو سکتی۔ اگر مسلمان اپنے مصارفِ خیرات و حسنات میں سے کچھ حصہ اپنی قوم کے یتیموں پر مفید طریقے سے صرف کریں تو علاوہ اس کے کہ ان کو ثوابِ آخرت نصیب ہو دنیا میں یہ کیا کم فائدہ ہوگا کہ ان کی قوم کے بچے ضلالت و گمراہی اور افلاس و ذلت کی مصیبت سے محفوظ رہیں گے اور ایک معزز زندگی بسر کریں گے اور ان ہی میں بعض ایسے ایسے قابل پیدا ہوں گے جن پر قوم کو فخر و ناز ہوگا۔“

فیاضی اور اس کے اصول | سرکار عالیہ کی فیاضیوں اور ان کے مختلف طریقوں کا حصہ و انتہاء ہمیشہ ہی رہا۔ اور طریقہ اس سے متمتع ہوا۔ اگرچہ نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ (حسنہ مکال) کی فیاضیاں ضرب المثل ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ان کی فیاضی میں بے دریغ بخشش اور دریا دلی شامل تھی اس سے متمتع ہونے والوں نے اس کی پوری قدر نہ کی اور اپنے کو ناکارہ اور اپاہج بنا لیا۔ یہ تسلیم کی طرف توجہ کی اور نہ اور کوئی پیشہ سیکھا بلکہ محنت علم و ہنر سے گریز کرنے لگے۔

سرکار عالیہ جب صدر نشین ہوئیں اور اس حالت پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچیں کہ اگر اس فیاضی کا رخ نہ بدلا گیا تو کچھ عرصہ میں جہل و بیکاری بمنزلہ طبیعت ثانیہ کے ہو جائے گی۔ اس لئے زیادہ تر بیکار اور غیر مفید فیاضی کی جگہ جس کا فائدہ زیادہ سے زیادہ ایک خاندان تک پہنچ سکتا تھا متمدن اور شائستہ کاموں کی بنیاد ڈالی۔ ناکارہ لوگوں کو کام پر لگایا۔ پیشے سیکھنے کی ترغیب دی تعلیم کے لئے مجبور کیا اور ہر قسم کی تعلیم کا انتظام فرمایا اور جہاں تک ممکن ہو سکا ان ہی امور پر اپنی فیاضی کو مشروط فرمادیا۔

جب کسی بیوہ عورت کا وظیفہ مقرر فرماتیں تو یہ حکم بھی ہوتا کہ وہ اپنے بچوں کو مدرسہ میں داخل کر لے۔ اگر خود کسی کام کے سیکھنے کے قابل ہوتی تو اس کو مدرسہ صنعت ہو گان میں داخلہ کا حکم ہوتا۔ جو لڑکے وظیفہ پاتے ممکن نہ تھا کہ کسی اسکول میں داخل نہ ہوں۔

قدیم سے سلاطین اور امرا کی فیاضیوں سے شعراء عصر کو بہت بڑا حصہ ملا ہے اور اب بھی فرمانروایان ملک قصائد بہ جہیہ پر صلے اور انعام عطا کرتے ہیں۔ بعض فرمانرواؤں اور امرا کو خود شاعری کا شوق ہوتا ہے اور شعرا کا گروہ ان کی فیاضیوں سے متمتع ہوتا رہتا ہے۔ سرکار عالیہ اگرچہ خود شاعر نہ تھیں لیکن سخن سخن ضرور تھیں۔ مگر یہ سخن سنجی صرف اس شاعری تک محدود تھی جو حیات ملی و جذبات مذہبی و قومی کی محرک ہوتا، ہم قصائد پیش ہوتے ان کو اگرچہ خود سماعت نہ فرماتیں لیکن وہ بے جملہ نہ رہتے۔ تقاریب کے موقعوں پر ہوا شعرا مبارکباد کے قصیدے اور قطعات وغیرہ پیش کرتے اور سرکار عالیہ معقول طور پر ایک رقم عطا فرماتیں۔

عام عطیات کے تحت سالانہ میں ایک معقول رقم بھی جاتی لیکن کوئی سال ایسا نہ جاتا کہ اس میں سال ختم ہونے سے پہلے ایک متحدہ اضافہ نہ ہوتا۔

ملازمین و متوسلین ریاست کے خاندانوں کی تقریبات اور دیگر ناگزیر ضروریات میں علی قدر مراتب و مرتبہ فیاضانہ امداد فرماتیں۔ اکثر کو جاگیریں اور معافیاں بھی عطا فرمائی ہیں۔ یہ نجوس فرما کر کہ اکثر عہدہ دار و ملازم اور متوسل ضرورتوں کے موقعوں پر مہاجنوں سے قرض لے کر سود کے بارگراں سے دُب جاتے ہیں یہ طریقہ بھی جاری فرمایا کہ بشرط ضرورت واقعی خزانہ عامرہ سے قرض دیدیا جائے کہ جسے جو نہایت معتدل اور غیر تکلیف دہ اقساط سے وصول ہوتا ہے پھر عام اشخاص

کو مکانات بنانے اور دوکات اور کارخانے کھولنے کے لئے بھی اسی طرح قرض دیا جاتا اور مزید عطیات بھی ملتے۔

سرکار عالیہ کی فیاضی عام کا پہلا اصول تو اس آئیہ کریمہ کا مصداق تھا کہ وَلَا تَجْعَلْ لِّدِينِكَ مَعْلُوكَةً اِلَّا عُنُقًا وَلَا تَبْسُطْهُمَا اُحْلُ الْبَسْطِ۔

دوسرا اصول یہ تھا کہ ضرورت اور موقع کے لحاظ سے فیاضیاں کرتی تھیں۔

چونکہ وہ فیاضی اور اسراف کے حدود کو اچھی طرح جانتی تھیں اسلئے ابتدائی چند سال کو مستثنیٰ کر کے اُن کو خزانہ عامہ اور فنانسل حالت کی طرف سے کبھی تردد نہیں ہوا۔

عفو و درگزر سرکار عالیہ کی ان صفات جمیلہ میں جن کا تعلق ذات شاہانہ سے تھا، عفو و درگزر تادم تر نہیں کوئی اس کی نظیر ملے بغل کے اندر یا متوسلین خاص کے ساتھ عفو و درگزر تو ایک عام بات تھی لیکن سیاست ملکی میں بھی گزشتہ ۲۵ سال میں کوئی ایک مثال ایسی نہیں ہے جس میں جذباتِ رحم کا شمول نہ ہو۔ ایسی مثالیں البتہ موجود ہیں کہ خائن عہدہ داروں کے فیصلے کے وقت اس خیال سے کہ شخص کل تک معزز تھا آج ذلیل ہو رہا ہے۔ اس کا خاندان خوشحالی و عزت کے ساتھ بسر کرتا تھا اب اُس کے بیوی بچے مصیبت و آلام میں مبتلا ہو جائیں گے سرکار عالیہ نے مز کو حد درجہ نرم کر دیا اور اکثر تو معافی قصور اور چشم پوشی پر ہی اکتفا کی۔ اور اگر کوئی قدیم توکل چل رہے تو مختلف طریقوں سے اُس کے خاندان کا لحاظ کیا ورنہ ریاستوں میں ایسے موقعوں پر ضبطی جائداد اور سزائے جیل تو عام بات ہے۔

آزادی رائے کی قدر سرکار عالیہ آزادی رائے کی بے انتہا قدر کرتی تھیں۔ امور حکومت میں اُن کے مشیروں، عہدہ داروں اور رعایا کو آزادانہ اظہار رائے میں کوئی خیال مانع نہ تھا اور یہ امر واقعہ ہے کہ سرکار عالیہ نے ابتدا سے خود ہی یہ اسپرٹ پیدا کی تھی۔ بسا اوقات سرکار عالیہ نے اپنی رائے کو واپس لیا ہے اور مشیرانِ دولت یا عہدہ داروں کی رائے قبول کی ہے۔

سماجی اور قومی معاملات میں وہ نہایت صاحبِ رائے تھیں اور دوسروں کی رائوں کی

قدر و منزلت کرتی تھیں کسی فرد یا جماعت کی دل شکنی کے خیال سے کبھی اپنی رائے کو پوشیدہ نہیں رکھا اور جائز نکتہ چینی سے نہ خود بُرا مانا اور نہ دوسروں کے حق میں اس سے دریغ کیا۔ لیکن کسی امر پر نکتہ چینی کرنے سے قبل اس کی تمام جزئیات اور اصل حالت پر عبور حاصل کر لیتی تھیں پیرائے بیان نہایت تین و سجدہ ہوتا تھا۔ دل شکن الفاظ سے تحریر و تقریر میں اجتناب رکھتی تھیں۔

علیگڑھ میں سرکار عالیہ نے متعدد تقریریں کیں جو قومی لطیفہ میں روح کا مرتبہ دکھاتی ہیں ان میں سرکار عالیہ نے جہاں قومی کارکنوں کی تعریف و تحسین سے حوصلہ افزائی کی ہے وہاں آزادانہ نکتہ چینی سے ان کی خامیوں اور غلطیوں کی طرف بھی توجہ دلائی۔ سلاطین میں جب سلطان جہاں منزل (دفعہ ۱۱) انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی شاندار عمارت کا افتتاح فرمایا تو ایک معرکہ الاراء و افتخار تقریر فرمائی اور اس میں کانفرنس اور کانفرنس کے ساتھ کالج پر بھی نکتہ چینی کرتے ہوئے گراں قدر نصیحتیں کیں۔

نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی بھی اس موقع پر موجود تھے انھوں نے جلسہ ختم ہونے کے بعد سرکار عالیہ سے عرض کیا کہ

”حضور نے بالکل صحیح نکتہ چینی فرمائی کاش ہم حضور کی نصیحتوں پر کاربند ہوں۔“ لیکن اعیان کالج و کانفرنس کی ایک جماعت اس نکتہ چینی کا تحمل نہ کر سکی اور چند گھنٹوں کے بعد ایک ڈپوٹیشن کی شکل میں باریاب ہو کر انھوں نے عرض کیا کہ :-

”علیہ حضرت کے اعتراضات صحیح معلومات پر مبنی نہیں ہیں اور مناسب یہ ہے کہ اشاعت کے وقت تقریر سے اس حصہ کو خارج کر دیا جائے۔“

سرکار عالیہ نے جواب دیا کہ :-

”یہ نامکن ہے کہ میں اشاعت کے وقت اس حصہ کو خارج کر دوں جس کو میں مجمع عام

میں کہا ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ اگر آپ مجھے مطلع کر دیں کہ میری نکتہ چینی غلط ہے تو میں اس

کے متعلق معذرت شائع کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔“

سرکار عالیہ انتہائی مسکند المزاج تھیں اور ہر نئے ملنے والے پر سب سے پہلا اثر انکسار
انکسار و سادگی ہی کا ہوتا تھا۔

نواب سکند دیکم نے سرکار عالیہ کا نام ”سلطان جہاں“ رکھا تھا اور اسی نام سے وہیں جہان میں مشہور ہوئیں اسی نام کا سکہ تمام دلوں پر قائم ہے لیکن خود سرکار عالیہ نے اپنا نام امتہ الرحمن رکھا تھا اور پرائیوٹ خطوط کے لفاظوں پر اَلْاَسْلٰطَانُ اَمْتَةُ الرَّحْمٰنِ ”کا قحط طغرا بنوایا گیا تھا۔ بار بار فرمایا کرتی تھیں کہ:۔

”مجھے یہ نام بہت اچھا معلوم ہوتا ہے مگر افسوس کہ اب کوئی بزرگ ایسا نہیں ہے کہ مجھے اس نام سے پکارے۔“

تواضع و حفظ مراتب | شاہانہ زندگی میں اگر تواضع اور منکسر المزاجی نمایاں ہو تو اس کو فوق القطر تصور کیا جاتا ہے مگر جس شخص کو سرکار عالیہ کا شرف حضوری حاصل

ہوا ہے سب پہلے اُس کے قلب پر اس صفت محمود کا نقش قائم ہوا ہے۔ یہ تو معمولی بات تھی کہ سرکار عالیہ ہمیشہ سلام میں تقدیم فرماتی تھیں۔ گفتگو میں ہمیشہ مخاطب کا یا جس شخص کا ذکر کیا جائے اس کا حفظ مراتب بکھتی تھیں حتیٰ کہ شدید اختلاف رائے یا ناراضی کی صورت میں بھی حفظ مراتب کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نہیں نکلتا تھا جو فرمایا اُن ملک کے لئے نہایت حیرت انگیز صفت ہے۔

رعب | اگر باوجود سادگی و انکسار رعب کا عالم تھا کہ دربار کے بڑے بڑے عہدہ دار اور اعرائے خاندان جو ہمیشہ شفقوتوں کے غور کرتے تھے وہ بھی مرعوب ہی رہا کرتے تھے۔ اگر کبھی پس چلن آواز سے آواز ناراضگی پائے جاتے تو چہروں پر ہوا کیاں اُڑنے لگتی تھیں اور اس رعب کا نتیجہ تھا کہ بڑے سے بڑا عہدہ دار بھی اپنے اختیارات کو نہایت احتیاط کے ساتھ عمل میں لاتا اور ہر وقت جواب دہی کے لئے تیار رہتا تھا۔

بے تعصبی | سرکار عالیہ کا دل صفا منزل کہ ورت تعصبے قطعی صاف تھا، ان کے پیش نظر ہمیشہ یہ حدیث شریف تھی کہ لَيْسَ مِنْتَا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنْتَا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً وَلَيْسَ مِنْتَا عَلَى عَصَبِيَّةٍ چنانچہ انکی زندگی میں کوئی ایک مثال بھی

اسکے خلاف نہیں مل سکتی۔ بعض غیر مسلم والیان ملک سے اُن کے عزیزانہ تعلقات تھے بعض شاہیر خواتین سے بہت خوشی کے ساتھ ملتی تھیں اور اُن کا احترام کرتی تھیں۔ مسز سر وجنی نائڈو کے ساتھ تو خاص انس و شفقت تھی اور اکثر وہ اُن کی ہمان عزیز رہتی تھیں۔

ابتداء سے ریاست بھوپال کے ہر اعزازی طبقہ میں ہندو معززین کا نام موجود ہے ان کے ساتھ نہایت فیاضی کا برتاؤ ہوتا ہے۔ اُن کو تعلیم کے لئے وظائف دیئے جاتے ہیں۔ تمام درباروں اور اعزازی جلسوں میں شریک کئے جاتے ہیں اور کسی قسم کی قومی طر ف داری جائز نہیں رکھی جاتی اور میزان عدل میں دونوں پہلے برابر رکھے جاتے ہیں۔ اکثر تقریروں میں دونوں کا ذکر ہوتا ہے مسلمانوں اور ہندوؤں کو باہم برادرانہ محبت کے برتاؤ کی نصیحت فرمائی جاتی ہے۔ اسی طرح عیسائیوں کے ساتھ رواداری اور الطاف کا برتاؤ ہے۔

بھوپال میں یہ بے نقصی روایات قدیم میں شامل ہے اس کی تاریخ میں مسلمان ہندو اور عیسائی شانہ بہ شانہ اور پہلو بہ پہلو ہیں اور ان میں اس درجہ اتفاق و اتحاد رہا ہے کہ وہ تاریخ بھوپال کا ایک روشن باب ہے۔

اُصول حفظانِ صحت اور پابندیِ وقت | سرکار عالیہ اس زمانہ سے جب کہ وہ سرکارِ عطاوت میں پرویش اور تربیت پاری تھیں اصولِ صحت کی پابندی بنائی گئیں اور یہ پابندی ہمد سے لحد تک قائم رہی۔ یہی حالت پابندیِ اوقات کی تھی عالمِ وجود میں آنے کے ساتھ ہی نظامِ اوقات مرتب ہو گیا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ ادراکِ عمر ہی سے وقت کو ایک قیمتی سرمایہ سمجھتی اور کبھی اس کو رائیگاں نہیں ہونے دیتی تھیں جس کام کے لئے جو وقت مقرر تھا اُسی پر صرف ہوتا تھا اور آج کو کل پر ملتوی نہیں کرتی تھیں۔ اگر کبھی اتفاقاتِ عارض ہو جاتے تو جلد از جلد خواہ تکلیف ہی کیوں نہ اٹھانی پڑے اُس کی تلافی فرمادیتیں۔

اصولِ حفظانِ صحت کے التزام اور وقت کی پابندی کا یہ اثر تھا کہ طبیعتِ محنت و مستعدی کی عادی ہو گئی تھی اور اس عمر میں ہر روز اس قدر محنت کے بعد دوسرے روز کے لئے ٹیسی ہی مستعد ہو جاتی تھیں۔ پھر جس طرح ان میں مختلف النوع قابلیتیں تھیں اُسی طرح اُن کے مشاغل

میں بھی متنوع تھا مگر سب اپنے وقت پر پورے ہو جاتے تھے۔

اوصافِ عسکری | اس میں شک نہیں کہ سرکارِ عالیہ کو سپاہیانہ حیثیت سے اپنے موروثی اوصاف اور فطری استعداد کے ظاہر کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن فوجی نظم و نسق پر جو توجہ تھی اور جن لوگوں نے فوجی رویہ کی حالتوں اور فوج کو مخاطب کر کے تقریریں کرتے دیکھا ہے ان کو ان اوصاف کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ارض مقدس کے سفر میں جبکہ قافلہ پر بد و آتش فشاں کر رہے تھے سرکارِ عالیہ علامہ میدانِ جنگ میں بھی شریک ہو چکی ہیں اور اس طرح محاذِ جنگ کا تجربہ بھی برائے العین حاصل کر لیا اور یہ موقع سب سے پہلے ہندوستانی والیان ملک میں صرف سرکارِ عالیہ ہی کو ملا۔ چنانچہ لارڈ منٹو نے بھی ۱۹۰۹ء میں اسٹیٹ ڈنر کی تقریر میں کہا تھا کہ :-

”یورپائی نس میں اس امر پر اظہارِ مبارکباد کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حالِ زمانہ میں ان میں آپ ہی ایک حکمران ہیں جنہوں نے میدانِ کارزار میں دیکھا ہے کیوں کہ مجھ کو ایسی اطلاع ملی ہے کہ سفرِ حجاز میں یورپائی نس نے جبکہ آپ کا باڈی گارڈ آپ کا ہمراہ تھا اعرابوں کی ایک جماعت کو جو یکایک حملہ آور ہوئی تھی کچھ نقصان کے ساتھ پسپا کیا۔“

اگر اقتضائے عمر ہوتا اور حالاتِ ملکی اجازت دیتے تو یقیناً سرکارِ عالیہ مجاہدہ عظیم کے زمانہ میں محاذِ جنگ پر تشریف لے جا کر اپنی عسکری قابلیت نمایاں کرتیں۔

سرکارِ عالیہ کو اگرچہ نشانہ بازی کی مشق نہیں رہی تھی کیونکہ ساہا سال سے اس شغل کو ترک کر دیا تھا تاہم ابتدائی منشق کا اثر اتنا ضرور موجود تھا کہ ۱۹۰۹ء میں لارڈ منٹو کی تشریف آوری کے موقع پر لیڈیز شوٹنگ میچ میں سرکارِ عالیہ شریک ہوئیں اور باوجودیکہ برقع و نقاب میں تھیں لیکن بجز لیڈی منٹو کے سب نشانہ بازی میں سبقت لے گئیں۔

محنت و استعداد | فطرت نے سرکارِ عالیہ کو محنت و استعداد کا جو ہر عنایت کیا تھا اس کی مثالیں مختلف صورتوں میں نظر آتی ہیں، محل کے احاطہ میں۔ دربار کے ہال میں، امورِ ریاست کے انجام دینے میں، یورپ حجاز اور متعدد مرقبہ ہندوستان کے مختلف اقطار کے سفر میں، شاہنشاہی درباروں، امپریل کانفرنسوں، قومی و ملکی مجموعوں اور

پھر پانچوں وقت اس فرض الہی کے انجام دینے میں جو تمام مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، سرکار عالیہ ہمیشہ مستعد اور سرگرم کار رہیں۔ ریاست کے دوروں میں سرکار عالیہ کی مستعدی و محنت کا عجیب نظارہ تھا۔ بعد نماز صبح کو چ فرماتیں اور ہر مقام پر پہنچ کر فوراً اجلاس شروع ہو جاتا اور اوقات طعام و نماز کے علاوہ شب کے دس گیارہ بجے تک مستاجروں، جاگیرداروں اور دوسرے اشخاص کو شرفِ حضوری عطا کرنے، کاغذات کو سماعت فرمانے، دیہات کی عورتوں سے باتیں کرنے اور دورے کے دوسرے ضروری کاموں میں مصروف رہتی تھیں وہ خود تحریر فرماتی ہیں کہ:-

”مجھے اس سے بڑی تقویت ملتی تھی کہ میں ابتدا ہی سے محنت کی عادی تھی اور میں نے اپنے زمانہ بچپن کا اور سرکارِ خلد کا ان کی ناراضی کے دنوں میں اپنے آپ کو آرام طلب نہیں بنالیا تھا جب میں نے ریاست کا کام شروع کیا تو نہ محنت سے گھبرائی اور نہ مجھے کوئی تکلیف ہوئی۔“

مشاغل علمی

سرکار عالیہ کے مشاغل میں سب سے زیادہ اہم مشغلہ مطالعہ تھا۔ خاص کمرے میں جہاں عموماً مطالعہ دن کا زیادہ حصہ گزرتا کتابوں سے بھری ہوئی متعدد الماریاں تھیں۔ اس کمرے میں مسندِ خاص کے ارد گرد انگریزی، اردو، فارسی وغیرہ کی متعدد کتابیں رکھی رہتی تھیں اور وہیں انگریزی اور اردو کے مؤقت الشیوع میگزین و رسائل اور ادھر ادھر رکھے رہتے تھے جن کو بلحاظ فرصت مطالعہ فرماتی رہتی تھیں۔

مطالعہ کی قوت کا اندازہ اس بات سے ہو گا کہ جب آخری زمانہ میں سرکار عالیہ کی توجہ اُن بعض کتابوں کے تراجم کے متعلق مبذول ہوئی جن کو وقتاً فوقتاً منتخب کیا تھا تو (۶۰) سے زیادہ کتابوں کے ترجمے کرائے جو ڈومیسٹک سائنس، ڈومیسٹک اکاؤنٹی، چائلڈ کلچر اور زچر، پبلک اور بے بی ہیلتھ، بے بی ہڈ، مدر کریمٹ، نرسری، گرل گائیڈنگ، لائٹری، بوٹانی، زیالاجی وغیرہ مضامین پر مشتمل ہیں اور جن کے ۴۶، ۷۰ مختلف سائز کے صفحات ہیں۔ کتابوں کے تراجم کو مترجمین بالاقساط پیش کرتے تھے اور سرکار عالیہ بالاستیعاب ان تمام تراجم کو ملاحظہ کرتے ہوئے جا جانوٹس اور حواشی

کا اضافہ بھی فرمائی تھیں جن کے صفحات کی تعداد تقریباً ۳۰ ہزار کے قریب ہے۔
پھر سرکار عالیہ کی نظر نکتہ سنج اتنی عمیق تھی کہ مترجمین کے بعض فقرات کے ترجموں کی غلطی تک
پر رپارک فرمائے ہیں۔

درحقیقت مطالعہ ہی سے علم حاصل ہوتا ہے۔ سرکار عالیہ کی قابل مثال قابلیت ہی زیادہ تر
مطالعہ ہی کا ثمر و ثلثوار تھی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ باقاعدہ تسلیم ختم کر دینے کے بعد سے انہوں نے مطالعہ
کو مشغلہ زندگی بنا لیا تھا۔

ولیعہدی کے زمانہ میں بھی یہی مطالعہ جلس و رفیق تھا جس کے روشن نتائج دور حکومت میں
نمایاں ہوئے اور اُس دور کے بعد جو مطالعہ جاری رہا اُس کے اثرات ہر مرحلہ حکمرانی اور منزل زندگی
میں نمایاں ہیں۔

کتاب خانہ افزائیں یا متعلقہ عہدہ دار منتخبہ کتب کی یادداشت پیش کرتے اور وہ فوراً طلب کر لی
جائیں یا اگر اثنائے گفتگو یا کسی کتاب کے مطالعہ میں کسی کتاب کا حوالہ یا تذکرہ آجائے تو وہ طلب کر لی جاتی۔
جب کوئی کتاب یا مضمون کہنے کا ارادہ ہوتا تو جن کتابوں سے بھی اس میں مدد مل سکتی
جمع کی جاتیں۔ غرض قصر سلطانی کا کتب خانہ بیش بہا اور زیاب کتابوں کا خزانہ بن گیا متعدد وسیع
کمرے مختلف مضامین و علوم اور مختلف زبانوں کی کتابوں کی الماریوں سے بھر گئے۔ اگرچہ کتب خانہ کی
فہرست مرتب رہتی تھی دو عہدہ دار بھی اُس کے انچارج تھے لیکن پھر بھی ذاتی نگرانی قائم رہتی اور
اسی وجہ سے کتب خانہ محل خاص کے اندر رکھا تھا۔

ابتداءً سے عمر سے کتابیں جمع کرنے اور ان کو بحفاظت رکھنے کا شوق تھا چنانچہ بدوشعور میں
جن کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور متاہل زندگی میں جو جلس و رفیق تھیں وہ آخر تک کتب خانہ میں محفوظ
تھیں مولف سوانح کو ان میں سے اکثر کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور شاید ہی کوئی کتاب ایسی
ہو جس کے حاشیوں پر کوئی نہ کوئی یادداشت یا کوئی خیال جو دوران مطالعہ میں پیدا ہوا تھا لکھا ہو انہ
یا لکھا ہو۔

شترجمہ بعض ایسی انگریزی کتابوں کا جس کے موضوع سے خاص دلچسپی ہوتی بہ نفس نفیس ترجمہ فرمائی

تھیں لیکن لغت دیکھنے کی زحمت گوارا نہ تھی کوئی فقرہ اگر سمجھ میں نہ آیا کسی لفظ کے معنی معلوم نہ ہوئے تو کسی انگریزی داں خاتون سے سمجھ لیا کرتی تھیں اور ان ترجمہ میں جو خیالات پیدا ہوتے تھے ان کو بھی ساتھ ہی ساتھ قلم بند کرتی جاتی تھیں۔

بعض مرتبہ کوئی کتاب کسی ترجمہ کے لئے عطا کی اور جب کچھ اوراق کا ترجمہ پیش ہوا تو اس کو آپس طلب کر لیا اور خود ترجمہ شروع کر دیا مثلاً سلسلہ ترجمہ میں ایک موقع پر تحریر فرماتی ہیں کہ :-

محمد امین !

دلی محمد صاحب کا ترجمہ دیکھا جو ڈومیسٹک سائنس ریڈر ششم کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ کتاب میری دلچسپی کی ہے اور اس کا ترجمہ میں خود کرنا چاہتی ہوں امید ہے کہ اس میں بہت سی باتیں بٹھا کر ہندوستان کے واسطے اس کو بہت موزوں بنا سکوں گی ان کے واسطے دوسری کتاب بھیجی ہوں ترجمہ کے لئے امتحان اُدیہ کیجئے جب اس کا بھی ترجمہ دیکھ لوں گی اس وقت اپنی رائے قلم کر سکوں گی کہ یہ صاحب ترجمہ کے واسطے کس قدر موزوں ہیں شب کو کتاب ان سے مگرا رکھنے علی الصبح پچھٹی ریڈر میرے نزدیک بھیج دی جائے تاکہ میں اپنا کام شروع کروں جب یہ کتاب میرے ہاتھ میں آجائے گی میں دوسری کتاب تمہارے نزدیک بھیج دوں گی۔“

تصنیف و تالیف

اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو بہت کم حکمران ایسے نظر آئیں گے جن کے نام کے ساتھ ”مُصَنَّف“ کا پُرِ فقر لقب شامل ہو کیوں کہ ”مُنْدِشِ اِہی“ شغلِ تصنیف و تالیف کے لئے وضع نہیں ہوئی ہے اور جو دماغ سیاست کی گتھیاں سلجھانے اور حکمرانی کے پیچیدہ مسائل

لے یہ مضمون مولف سوانح کی درخواست پر مولوی محمد ہمدی صاحب نے لکھا تھا جن کو عرصہ دراز تک وہ تاریخ میں نائب مہتمم رہنے کے باعث سرکارِ عالیہ کی سلسلہ تصنیف و تالیف میں خدمات انجام دینے کا موقع ملا۔

حل کرنے میں مصروف رہتا ہو اُس کے لئے علمی کام اُسی قدر صعب و مشکل ہے جس قدر ملواری کے لئے قلم کا کام۔ دونوں قلمیوں (علمی و سیاسی) کی فرماں روائی وہی دماغ کر سکتا ہے جس میں قدرت نے غیر معمولی قوت و دلچت فرمائی ہو۔

یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ تصنیف و تالیف سے یہی مراد نہیں ہے کہ ہر قسم کی رطب و یابس جمع کر کے ایک کتاب مرتب کر دی جائے یہ تو ایسا آسان کام ہے جو ایک معمولی اہل علم کا آدمی بھی انجام دے سکتا ہے بلکہ تصنیف و تالیف کا اطلاق اُسی پر صادق آتا ہے جس میں مصنف کا دماغ صرف ہوا ہو کل مضامین تحقیق و تنقید کے بعد جن قابلیت سے ترتیب دیئے گئے ہوں اور کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے امتیازی درجہ رکھتی ہو۔ علیا حضرت کو ضررہ مُصنّفین میں جو ممتاز جگہ دی گئی ہے وہ ان ہی خصوصیات کی بنا پر ہے اور یہی امر قابل حیرت ہے کہ ملکہ اداری کے اہم ترین فرائض میں کمال مصروفیتوں کے باوجود بھی علیا حضرت نے فرائض تصنیف و تالیف میں اُسی اعلیٰ قابلیت کا ثبوت دیا جس قابلیت نے حکمرانی کی صنف میں ان کو جب امتیاز بخشا ہے۔ اس اعتبار سے کوئی حکمران مصنف علیا حضرت کے مقابلہ میں نہیں لایا جاسکتا اور بلحاظ کثرت تصانیف کسی حکمران مصنف کا نام تاریخ کی ضخیم جلدیں نہیں پیش کر سکتیں۔

اگر صنف اُنات پر نظر کی جائے تو کسی ملک اور قوم کی تاریخ فرماں روا غایتیں میں ایسی صاحب تصنیف خاتون کا نام پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ فخر بھی پال ہی کی تاریخ کو حاصل ہے جس میں سلسلہ دو بیگیاں صاحب تصنیف ہوئی ہیں۔ پہلی سرکار خلد مکان نوابشاہ جہاں بیگم صاحبہ بالقابہا اور دوسری ان کی لائق و مفتخر جانشین علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ اعلیٰ اللہ مقامہا لیکن ان دونوں فخر نسواں بیگیاں میں ایک بہت بڑا فرق ہے سرکار خلد مکان کا تصنیف و تالیف متقل مشغلہ نہ تھا لیکن علیا حضرت کی علمی و سیاسی زندگی مساوی حیثیت رکھتی ہے اور تصنیف و تالیف علیا حضرت کے مشاغل کا ایک لازمی جزو رہا یہ رسم بھی علیا حضرت ہی کی ایجاد ہے کہ ہر سال گزشتہ یوم ولادت اور یوم صد نشینی کے موقع پر حکام دارالکین ریاست اور غایتیں کو ایک علمی تحفہ تقسیم فرمایا جاتا جس میں عوام و خواجہ علیا حضرت

ہی کی ایک دو تصانیف ہوتیں۔ اس طرح ہر سال اردو لٹریچر میں ایک ایک مفید و قابل قدر اضافہ ہو جاتا۔

علیہا حضرت کی سب سے پہلی تصنیف (رُوضَةُ الرَّيَاحِينِ) (سفر نامہ حجاز) ہر جوج سے واپسی کے بعد مرتب ہو کر شائع ہوئی۔ اس کے بعد جب سے آج تک (۲۷) برس کے قلیل عرصہ میں (۳۳) کتابیں جن میں ہر کتاب اپنے موضوع میں بہترین تصنیف ہے حلیہ طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں جن کے مجموعی صفحات آٹھ ہزار سے زیادہ ہوتے ہیں ہندوستانی خواتین میں بعض بہت اچھی لکھنے والی ہیں اور انھوں نے اپنے مضامین اور تصنیف و تالیف سے ملکی بہنوں کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ لیکن جس قانون نے سب سے زیادہ اور خواتین کے لئے مفید و کارآمد لٹریچر کا اردو میں اضافہ کیا وہ علیہا حضرت ہی کی ذاتِ بابرکات ہے۔

طریقہ تصنیف و تالیف | اس میں شک نہیں کہ ایک ایسی حکمرانِ خاتون کے لئے جو فرضِ حکمرانی کو کامل مصروفیت و توجہ کے ساتھ انجام

دے تصنیف و تالیف کا کام نہایت مشکل اور بظاہر غیر ممکن ہے لیکن اُس خاتون کے لئے کوئی شکل نہیں جس کو مبداءِ فیاض سے غیر معمولی دل و دماغ عطا ہوا ہو۔ علیہا حضرت قدرتِ خداوندی کا ایک عجیب و غریب نمونہ تھیں جس پر مد و حمہ جس طرح سیاست و حکمرانی کی اعلیٰ قابلیت لیکر پیدا ہوئی تھیں اُسی طرح قدرت نے تصنیف و تالیف کا امتیازی وصف بھی عطا فرمایا جس میں کسی کام کا جو طبعی ہوتا ہے وہ ظاہر و نمایاں ہوئے بغیر نہیں رہتا اس لئے غیر ممکن تھا کہ علیہا حضرت جو بیدار مغزی، علم و فضل اور بصیرت میں شانِ امتیاز رکھتی تھیں اس جوہر سے کام نہ لیتیں۔ اگرچہ دفترِ تاریخ سے تصنیف و تالیف میں امداد لی جاتی تھی لیکن اُس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ جو کسی مصنف کے معاون شاگردوں کی ہوتی ہے جو موضوع خود علیہا حضرت متعین فرماتی تھیں اور دفترِ تاریخ کا یہ فرض ہوتا کہ وہ مواد جس کا حکم دیا جائے فراہم کرے مثلاً اگر علیہا حضرت نے بھوپال کے کسی سابق حکمران کی سوانح تالیف فرمائی چاہی تو دفترِ تاریخ کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ پُرانے کاغذات اور اسناد تلاش کر کے

اور مسلوں سے واقعات کا اقتباس کر کے علیا حضرت کی روکاری میں پیش کر دے پھر علیا حضرت اُس حصہ کو تحریر فرمائیں جو اصل تصنیف یا تالیف ہوتا ہے اگر کسی کتاب میں انگریزی کتابوں سے اقتباس کی ضرورت ہوتی تو خود علیا حضرت پوری کتاب یا اُس کے بعض مقامات متعین فرمادیتیں، اُن کا ترجمہ پیش کر دیا جاتا۔ بعض اوقات خود ہی پوری کتاب کا ترجمہ کر لیتیں اور اپنے خیالات قلمبند فرماتی جاتیں۔

کتاب کا ابتدائی مسودہ صاف ہو کر پھر علیا حضرت کی خدمت میں پیش کیا جاتا اُسے علیا حضرت ملاحظہ فرمائیں اور اثنائے ملاحظہ میں جو نئے خیالات ذہن میں آتے یا کچھ اضافہ مقصود ہوتا وہ مقابل کے کالم قلمبند فرمائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ نظر ثانی میں کئی کئی کالم بڑھ جاتے۔ یہ بات خاص طور پر قابل بیان ہے کہ علیا حضرت جو کچھ تحریر فرمائیں وہ علم برداشتہ ہوتا اور بہت جلد مسودہ ترمیم فرما کر واپس فرمادیتیں۔ دفتر تاریخ میں عموماً دو ہی تین روز کے بعد مسودہ ترمیم و اضافہ ہو کر واپس آجاتا۔ یہ اصلاح شدہ مسودہ پھر دوسری مرتبہ صاف ہو کر روکاری میں بھیجا جاتا علیا حضرت پھر نہایت غور سے ملاحظہ فرمائیں اور جو الفاظ یا جملے ناساںب یا سست نظر آتے ان کی اصلاح و درستی فرمائیں۔ حتیٰ کہ کتابت کی جزئی و معمولی غلطیاں بھی نظر سے نہ بچ سکتیں غرض یہ مسودہ آخری مرتبہ صاف ہو کر مطبع بھیجا جاتا۔

بعض اوقات مسودہ مکمل ہو جانے کے بعد اس موضوع میں خاص قابلیت رکھنے والے اصحاب کے پاس بغرض تنقید بھیجا جاتا اور پھر علیا حضرت اُن کی آزادانہ تنقید پر غور فرمائیں اگر اعتراض و تنقید قابل قبول ہوتی تو اُس کے مطابق مسودہ کی اصلاح کر دیتیں ورنہ اپنی رائے پر قائم رہتیں اور اس کو برزور دلائل تسلیم کر لیں۔ ایسے مباحث نہایت پر لطف ہوتے۔ ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علیا حضرت کی تصانیف کا عام رُوساء و احرار کی تصانیف سے کس قدر بلند درجہ ہے۔

درجہ تصانیف | علیا حضرت کی کُل تصانیف پر اگر تفصیلی ریویو کیا جائے تو یہ مضمون

ایک انجیٹا خاصا رسالہ ہو جائے گا۔ ان کتابوں کی بلند پائگی کا کچھ اندازہ ان تبصرات سے ہو سکتا ہے جو ملک کے مشہور فضلا، اور ناقدین فن مولانا ابوالکلام صاحب آزاد، مولوی عبدالمجید صاحب بنی۔ اے، مولوی خبیب الحق صاحب سکر پٹری، انجن ترقی اردو اور مولوی عبدالسلام صاحب ندوی کے اخبارات و رسائل میں چھپ چکے ہیں۔ اس لئے ہم صرف اجمالی تبصرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ یوں تو ہندوستان میں کتابیں لکھنے والے بہت ہیں لیکن اپنی کتاب نہایت سلیقہ مندی اور دقیقہ سنجی سے تمام شرائط تصنیف و تالیف و ملحوظ رکھ کر مرتب کرنے والے گنتی کے چند ہی مصنف ہیں۔ ان ہی میں سے ایک علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ بالقابہا کا نام نامی بھی ہے۔ حضور محمد و صحر کی کُل کتابیں تصنیف و تالیف کے شکل فن میں کمال تجربہ کاری کا بہترین نمونہ ہیں۔ خوبی و صفائی سے خیالات ادا کرنے کی قابلیت بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے علیا حضرت اس خصوصیت میں بھی ملک کے کسی مشہور مصنف سے کم نہیں ہیں علیا حضرت ہر مضمون اور ہر مطلب کو جیسے شستہ اور دل نشین پیرایہ میں ادا فرماتیں۔ اس کی نظیر ملک کی دیگر مصنف خواتین میں مشکل سے ملے گی۔ علیا حضرت کی تصنیف حشو و زوائد سے پاک اور صرف مفید اور کام کی باتوں پر حاوی ہے۔ علیا حضرت کو علاوہ مذہب کے حفظانِ صحت میں ماہر فن کا درجہ حاصل تھا اور اس موضوع پر علیا حضرت نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں وہ ملک میں بے حد مقبول ہو چکی ہیں۔ پنجاب، بنگال، پونہ اور حیدر آباد دکن کے سررشتہ تعلیم نے تندرستی اور بچوں کی پرورش وغیرہ کتب انعامی میں داخل کیں۔

تعلیم پر علیا حضرت نے اپنے لکچروں میں جن بیش بہا اور قابلِ قدر خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ اس پیچیدہ اور نازک مسئلہ پر مکمل ہدایت نامہ ہیں۔

فنِ تربیت و تدبیر منزل وہ فن ہے جس پر علیا حضرت نے خاص طور پر توجہ فرمائی اور اپنے ساہا سال کے تجربہ اور غور و فکر کے بعد ایک نہایت مبسوط کتاب چار حصوں میں تصنیف کی۔ ہدیۃ الزوہدین اور حفظِ صحت اس کتاب کے دو ابتدائی اجزاء ہیں۔ اور دو آخری حصے معیشت و معاشرت کے نام سے موسوم ہیں۔ اس موضوع پر اردو میں اس قدر جامع، کثیر المعلومات اور موجودہ ضروریات پر حاوی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ علیا حضرت کی تصانیف کی ایک بڑی

خصوصیت یہ بھی ہے کہ خشک اور روکھے پھیکے مضامین اس قدر لچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں جس سے زیادہ کسی قادر الکلام مصنف سے ممکن نہیں ہے۔

خلاصہ مافی النباب یہ ہے کہ علیا حضرت کو تصنیف و تالیف میں جو مرتبہ حاصل ہے وہ ملک کے کسی مشہور مصنف سے کم نہیں ہے۔ اور صنف اناث میں کسی خاتون کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا تاثر | ہندوستان کے مشہور خطیب و ادیب مولانا ابوالکلام آزاد نے سرکار عالیہ کے مذاق علمی اور شغل تصنیف و تالیف کے متعلق تاریخی واقعات کے ساتھ نہایت

ذبردست تبصرہ کیا ہے جس میں لکھتے ہیں کہ :-

”لیکن انقلاب کا یہ کیا درد انگیز منظر ہے کہ جن قوم نے تلوار کے سائے اور تخت کی خود فراموشیوں میں بھی حیات علمی بسر کی ہو آج اس کے مدارس و جوامع کے صحن اور علم و فن کی مجالس ذوق علمی سے خالی ہوں اور ایوان و دربار سے کیا امید کیجئے کہ خود ہمارے مدرسے اور دارالعلوم ہی مصنف پیدا کرنے سے عاجز ہو گئے۔“

لیکن الحمد للہ کہ ایک نظیر موجودہ عالم اسلامی میں ایسی موجود ہے جو ریاست و ملک الہی کے ساتھ شوق علم اور ذوق تصنیف و تالیف کو بھی جمع کرتی ہے اور مزید برآں یہ کہ وہ صنفِ جلال میں سے نہیں ہے جس کو اپنے تقدیم کا ہمیشہ غرور بیجا رہا ہے بلکہ اس صنفِ اناث میں سے ہے جس کو دماغی اور ذہنی اشغال سے ہمیشہ معذور سمجھا گیا ہے اور اگر فی الحقیقت ایسی ہی چند مثالیں ہر دور میں ملتی رہیں تو بقول الفضل النساء علی الرجال یہ وجود گرامی آج نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلامی کے لئے موجب صد افتخار ہے حضور عالیہ کی دینی قابلیت و لیاقت قوت تدبیر و نظم ریاست، سیاست دانی و کار فرمائی، جو شہ مذہبی و اسلام خواہی، علم پروری اور جو وسخا اعمال خیرہ و کارہائے حسنہ ایسے اوصاف جلیلہ و عظیمہ ہیں جن میں سے ہر ایک وصف بجائے خود کسی انسان کے مشرق امتیاز کے لئے بہترین وظیفہ ہو سکتا ہے ان سب پستمزادیہ کہ وہ بحیثیت ایک مصنفہ اور اہل قلم کے بھی جلوہ افروز ہیں اور مسلسل متعدد و مفید کتابیں ان کی تالیفات میں سے چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ ہر کام کی قیمت اس کے عوارض اور اضافی حالات کی نسبت سے قرار دی جاتی ہے۔ اگر ایک

فقید علم مدرسہ و خانقاہ کے حجرہ میں بیٹھ کر دنیا کے تمام تفکرات و ترددات سے قطع تعلق کر کے تصنیف و تالیف میں مصروف ہے تو اس کے اشتغال علمیہ کے نتائج جس قدر اعلیٰ و اکمل ہوں ہونے ہی چاہئیں و کُلِّ خَیْرِ رَجَائِ لٰیکن ایک فرماں روا نے ریاست لکھنؤ عفو قات الہی کی نگرانی و خدمت گذاری اور ایک پورے خطہ ارضی کے نظم و ارادہ کے ساتھ اگر ایک صفحہ بھی تالیف کر کے پیش کر دے تو ہزار درجہ اس سے کہیں زیادہ موجب استحسان و شرف و احترام ہے۔ حق یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی یہ ایک بہت بڑی بخشش و توفیق ہے جو فرماں روا نے بھوپال کو مرحمت ہوئی ہے۔ دولتِ قوت کو اگر ایک یا نہی الہی کی خدمت اور مرضات الہیہ کی راہ میں خرچ کیا جائے اور جس خوش طالع کو امانت و ریاست کے ساتھ اس کے استعمالِ معصوم کی بھی قابلیت عطا ہو اُس سے بڑھ کر اس آسمان کے نیچے کوئی خوش بخت نہیں شب زندہ دار صائم الدہر اور دائم نوافل گذار ہوں مجاہدین فی سبیل اللہ جو اپنے نفوس کو حفظ کلمہ حق و صداقت کی راہ میں قربان کریں علمائے شریعت و صوفیائے طریقت جو اپنی خدماتِ علم و فقہ اور ارشاد و ہدایت سے خلق اللہ کو سعادت اندوز فرمائیں۔ یہ سب کے سب بھی ان مدارجِ عالیہ اور فضائلِ الہیہ سے محروم ہیں۔

پس اصل یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ نے سرکارِ عالیہ کو خدمتِ ملک و ملت کی توفیق مرحمت فرمائی ہے تو اس کے لئے قوم کو جتنا اُن کا شکر گزار ہونا چاہیے اس سے کہیں زیادہ اُن کو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

مقصد و جذبہ تصنیفی | یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہر اہل قلم اور ہر مصنف و مؤلف کسی خاص مقصد کو پیش نظر رکھ کر اور کسی خاص جذبہ سے متاثر ہو کر تصنیف

و تالیف کے لئے آمادہ ہوتا، محنت کرتا، اور قلم اٹھاتا ہے۔ اسی فطری قاعدہ کے مطابق سرکارِ عالیہ کے مشغلہ تصنیف و تالیف میں الہیت اور خالص قومی و مذہبی اور انسانی ہمدردی کا مقصد و جذبہ کار فرما ہوتا وہ اس کو رفاہ عام اور اجر و ثواب کا کام سمجھ کر محنت کرتی تھیں۔ بھوپال میں طاعون پھیلنا ہوا جو حضورِ مہر و جہ پریشان ہیں۔ اور رعایا کی تکالیف سے بے چین ہو کر دعائیں کرتی ہیں کبھی کبھی سطا لہ کتب سے دل بہلانے لگتی ہیں کہ اسی ضمن میں ایک تصنیف کا خیال پیدا ہوتا ہے اور فوراً قلم اٹھا کر ابوابِ عز و اتا

کی تقسیم اور خاکہ مرتب فرما کر مؤلف سوانح کو اس طرح ہدایت صادر فرماتی ہیں کہ :-

”واقعی اس وقت بوجہ پبلک کے رعایا پریشان ہے۔ اور ان کی پریشانی سے ممکن نہیں کہ ہم کو اثر نہ ہو ایسے وقت میں تم بھی ضرور پریشان ہو گے لیکن ایسے اوقات میں طبیعت کی پریشانی دُور کرنے کو کوئی شغل ضرور ہے غرض ایسے ہی خیالات سے اکثر کتابیں لکھتی رہتی ہوں یہ ایک کتاب اخلاقی تعلیم کی میرے ہاتھ میں تھی۔ اس میں دیکھ کر بہت نصیاحیں لکھ دی گئیں۔ بعض مولوی صاحبان اور ڈاکٹر صاحبان سے مدد لینا ہو گا یقین ہے کہ بہت سی کتب دیکھنا ہو گا لیکن یہ قومی خدمت ہے اور اپنے اغراض بھی اس میں شامل ہیں خدا تعالیٰ تاحیات میرے، میرے خیر خواہان اور اولاد کو اور اُن کی اولاد کو زندہ رکھے اور جلد مرض کو دُور کرے۔“

اسی طرح ایک اور موقع پر تحریر فرماتی ہیں کہ :-

جب ریاست کے کاموں سے اور تمام انتظامات کے غور و فکر سے طبیعت میں ضحلال پیدا ہوتا ہے تو یہ مشغلہ بہبودی صنفِ نازک باعث ہماری راحت و آرام کا ہوتا ہے۔“

تصنیف و تالیف کا موضوع | سرکارِ عالیہ کا موضوع زیادہ تر مذہب، اخلاق، حفظانِ صحت اور تدبیر منزل تھا۔ اس کے علاوہ ریاست کے ارتقا کی تاریخ

یعنی اپنی زندگی اور حکومت کے حالات بھی کئی جلدوں میں مرتب فرمائے اور اپنے والدین، محترمین اور جدِ عظمیٰ انواب قدسِ یہ گیم کی سوانحِ عمر یاں خود تالیف کیں اور انواب سکندر یگم (خلد نشیں) کی سوانحِ عمری کی تالیف میں شریک رہیں۔

باغات اور فنِ باغبانی کی دل چسپی کے لحاظ سے اس موضوع پر بھی دُور سارے مرتب فرمائے۔ غرض مذہب، اخلاق، حفظانِ صحت اور سیرت و تاریخ وغیرہ پر کم و بیش تین سال میں پچاس کتابیں مؤلف و مصنفہ ہیں جن میں سے بعض نظر ثانی نہ ہو سکنے کی وجہ سے شائع نہ ہو سکیں۔

ذاتی تصنیف و تالیف کے علاوہ ایسے دوسرے مصنفین و مؤلفین کے مسودات بھی بہ نظر تنقید ملاحظہ فرمائیں جو ان کی طلبا عت کے لئے درخواست کرتے یا خود سرکارِ عالیہ موضوع معین فرما کر تالیف و تصنیف کی ہدایت کرتیں، اور ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔

۱۲ دسمبر ۲۰۲۲ء

محمد امین صاحب

وہی محمد صاحب کا ترجمہ دیکھتا ہوں دوست سائنس ریسرچنگ ہائی
میرا خیال ہے کہ کتاب میری دلچسپی کی اور اس کا ترجمہ میں جو دیکھنا چاہتا ہوں
اس میں امید ہے کہ میں اس میں بہت سی باتیں سیکھ سکوں اور اس کی واسطی سے
میں سمجھوں کہ کیا سائنس کی دوسری کتاب بھی ترجمہ کی واسطی سے آگے بڑھ سکتی ہے
دیکھیں جب اس کا ترجمہ میرے دلچسپی کی اور اس کی واسطی سے آگے بڑھ سکتی ہے
صاحب ترجمہ کی واسطی سے سمجھوں کہ میں اس کتاب کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں
اس کی اصلاح یہ ہے کہ میں اس کی ترجمہ کی واسطی سے سمجھوں کہ میں اس کتاب کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں
جب یہ کتاب میری باتیں میں آجائے گی میں دوسری کتاب بھی لکھوں کہ میں اس کتاب کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں
میرا نام محمد صاحب کی ترجمہ کرنے کو دو

میں تعلیم بغیر انجام پہنچ کر نا معصیت میں ڈالنا ہے مثلاً اب ہماری خوانین کی لڑکی
 تہہ کو فیر باد کھڑا ہے اور بس وغیرہ کپڑوں میں لگاتی ہیں جو واقعی بہت
 سادگی میں لکڑیاں ہی جو بعض وقت معلوم ہوتا ہے انسانی طبعیت ہی اسے ورنہ ہوسے
 ہی وہ ہر جدید چیز کو پسند کرنا ہے کہیں اگر درانگری لڑکی اس پر ہماری خوانین
 لکڑی لکڑی تو اس تعلیم میں بجز اس کے ملک دور خود کی نقصان کی کوئی فائدہ
 نہیں پہنچا تو تہہ پہنا ہوا ہو کر ہی کچھ نہ کچھ وصول کر دینا ہے کہیں بس وغیرہ
 تو بس پہنا ہوا اور گوڈر کی طرح پستکی کی قابل ہو گیا دوسری اس کے ملک کی کھائی
 دوسری ملک جانی ہے اسے تعلیم دان سے رو رہے ہیں ورنہ ورنہ کی صحت
 کم ہونے جانی میں کم پہنا کتب ہر باد ہو گئیں لباس میں ہی تہہ ہی حال ہے
 ممبر اس لکھنے سے تہہ مطلب نہیں کہ دوسری ملکوں کی چیزیں تہہ عربی ہا میں
 وہ ہی پہننے کی انسان کی بنیاد ہوسے ہیں اگر ان کو فائدہ ہے تو اس کے
 جنس کی پہننے کی کہیں اسے فوٹن ہی فوٹن بعد کا درویش تہہ کی نظر میں
 دنوں اور خیال کرو ہماری پور میں بد نہر ہی تہہ کی تعلیم کرنی ہیں انہوں کی
 ہی تہہ تہہ کو وہ عروج دیا جو تہہ کی چھلکوں میں ہو گیا کیوں عروج
 نہیں دبا اس کے وضع داری کو نہ چھوڑا اس کے فوٹن کی پستکی لکڑی تہہ تہہ میں

تعریض سے احتراز | سرکارِ عالیہ نے ہمیشہ اپنی تصنیف و تالیف اور تحریر و تقریر میں بدرجہٴ غایت اس امر کو ملحوظ رکھا کہ اشارۃً و کنایۃً زبانِ قلم سے بھی کوئی ایسا جملہ نہ نکلے جس سے دوسرے کے احساسات مجروح ہوں اگر کسی اعتراض یا تعریض کا موقع آیا یا الزامی جواب ناگزیر ہو گیا تو نہایت لطیف پیرایہ میں اس کو ادا کرتی تھیں اور ہر شخص سے اسی بات کی متوقع رہتی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ ذہرہ بیگم فیضی صاحب نے اپنی ایک تصنیف ”سرگزشت“ ہدیۃً پیش کی اور اس پر اسے چاہی اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تحریر فرماتی ہیں کہ:-

”اب میں آپ کو اپنی رائے سے اطلاع دیتی ہوں جس کی آپ نے اپنے خط میں خواہش کی ہے کہ آپ کی کتاب کی نسبت میری کیا رائے ہے۔

۱۔ میں نے آپ کی کُل کتاب کو پڑھ لیا ہے جو کچھ آپ نے اس جنس کی نسبت لکھا ہے بجا اور درست ہے لیکن بے نتیجہ مردہ بدست زندہ۔ ساتھ ساتھ آپ کو اس کے وجوہات بھی بتانے چاہیئے تھے کہ کیوں ہندوستان کی عورتوں کی اور ہندوستان کی مسلمان عورتوں کی لمبی حالت ہو گئی اگر چند ورق اس کتاب میں وجوہات کے بھی ہوتے تو انسب تھا۔

۲۔ خواتین کا صاف نام و پتہ لکھا ہونا کیوں عجیب مجبوروں کی دل نشکنی کرنا کہاں تک درست ہے۔

۳۔ نام لکھنے سے آپ کی نسبت یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ آپ گھروں میں جا کر شرفاء کے حالات کو پبلک میں پیش کرتی ہیں مثلاً شروع کتاب میں آپ نے ایک خاتون کے موٹاپے کی ہجو کر کے تصویر کھینچی ہے یہ کس قدر نامناسب ہے اس میں اس کا کیا قصور یہ تو بنانے والے پر اعتراض ہے میں آپ کی سچی دوست ہوں اس لئے اپنے خیالات کا آپ پر اظہار کرنا اپنا فرض سمجھی۔ اگر آپ مجھے اس کتاب کو پہلے سے بتاتیں تو میں ضرور اصلاح کر دیتی۔ چند کتابیں میں آپ کو انگریزی کی بھیجتی ہوں کہ عورتوں کی زیادہ آزادی سے یورپ کے لوگ کس قدر متاثر ہو گئے ہیں“

شان و روشِ خط | سرکارِ عالیہ کے تعلیمی نظام الاوقات میں اگرچہ خوش خطی کی مشق لازمی رکھی گئی تھی لیکن قبل اس کے کہ خط میں پختگی اور خوبی آئے اس مشق کا سلسلہ

ختم ہو گیا۔ جس کا ہمیشہ افسوس کیا کرتی تھیں تاہم کثرتِ کتابت کی وجہ سے خام بھی نہ رہا اور اُس نے ایک خاص روش و شان اختیار کر لی۔ البتہ عبادتِ نقطوں اور مرکز سے عموماً متعزّی ہوتی تھی اور اس کی وجہ محض یہ تھی کہ قلم کی رفتارِ خیالات کی روکا ساتھ نہ دے سکتی تھی اور یہی سبب تھا کہ کہیں کہیں ترجموں اور مضامین وغیرہ میں الفاظ بھی رہ جاتے تھے مگر اس طرح نہیں کہ مطلب خطا ہو جائے۔

مصروفیاتِ عمرانی

انتظامِ جاگیر | سرکارِ عالیہ جب فرماں روا ہوئیں تو زمانہ ولی عہدی اور ڈیوڑھی حنا کی جاگیر خالصہ میں شامل کر کے مصارفِ شاہی کے لئے نقد رقم مقرر کر لی۔ لیکن دست برداری کے وقت وہی جاگیر ڈیوڑھی خاص میں واپس لے لی۔ اور اس کے انتظام اور زراعت پیشہ رعایا کی فلاح و ترقی میں مختلف طریقوں سے ذاتی دل چسپی کا اظہار فرماتی رہیں۔ اسی غرض سے دیہاتِ جاگیر میں متعدد اقسام کے فارم قائم کئے گئے مثلاً فارم پر خاص توجہ تھی۔ چنانچہ ایک فارم میں عمدہ نسل کی نٹوگائیں داخل کی گئیں۔

آب پاشی سے بھی شوق تھا اور اس کے وسائل کی توسیع پر خاص توجہ تھی جس سے پیداوارِ مالیہ میں معقول اضافہ ہوا۔ جا بجا مناسب رقبات میں خود کاشت کا سلسلہ بھی جاری تھا جس کی نگرانی اور معائنہ کے لئے وقتاً فوقتاً تشریف لے جاتی تھیں۔

خطابت و حسنِ بیان

ذہنِ گویا بھی سرکارِ عالیہ کے مجموعہ کمال کی ایک مخصوص صفت ہے۔ تقریر کرتے وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ فصاحت و روانی اور سلاست و شیوہ بیانی حضورِ مدوحہ کے سامنے دست بستہ کھڑی

ہے اور اس سے جس طرح چاہتی تھیں کام لیتی تھیں۔

سرکار عالیہ کو تحریر و تقریر میں آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ سے موزون و مناسب استدلال کرنے کا ایک خاص ملکہ تھا جس سے زور دلائل اور اثر بیان و دنا ہو جاتا تھا۔ تقریر کرنے سے پہلے اپنے خیالات قلم بند فرمالتی تھیں، جیسا کہ اکثر مہذب ممالک کے مقررین کا عام قاعدہ ہے کہ تحریری تقریر سامعہ و اذنیہ و انجمن ہوتی ہے لیکن اگر ایسا اتفاق بھی ہو کہ بغیر کسی ماقبل اطلاع کے کسی جلسہ میں تقریر کرنے کا موقع آگیا تو فی البدیہہ زبانی تقریر کرنے میں بھی مجبور نہ تھیں بلکہ اُس میں تحریری تقریر سے زیادہ زور اور جوش پیدا ہو جاتا۔ چنانچہ کلب کے جلسوں میں متعدد مرتبہ زبانی تقریر کی اور مسئلہ ۹۷ میں بمقام دہلی عورتوں کے عظیم الشان جلسہ میں دیر تک تقریر فرمائی۔

سرکار عالیہ کی خطابت میں سب سے زیادہ مابہ الامتیاز و صفت یہ تھا کہ مختلف النوع مسائل پر اظہار خیالات کا طرز، جلوں کی ترتیب، الفاظ کی نشست، بلاغت و فصاحت سب اُن ہی مسائل کی شان کے مطابق ہوتی تھی۔ پھر اس خطابت میں مردانہ اور زنانہ موقعوں کا امتیاز بھی صاف نظر آتا ہے مردانہ جلسوں میں چہرہ مبارک مستور زیر نقاب رہتا لیکن یہ عجیب بات تھی کہ تقریر کے اثر میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا حالانکہ خطابت اور تقریر میں مقرر و خطیب کے چہرہ کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے گھٹنگو میں نہایت نرمی اور رواداری ہوتی مگر نہ ایسی کہ رعب و عظمت کے اثر سے خالی ہو رعب و عظمت اور رحم و عطوفت بظاہر متضاد چیزیں ہیں مگر سرکار عالیہ کا تکلم ان دونوں چیزوں کے امتزاج کی ایسی صحیح اعتدالی کیفیت تھی کہ اس کی خصوصیت کسی طرح نفلوں میں نہیں بیان کی جاسکتی۔

تقریر کی جان فصاحت و بلاغت اور دقیقہ سنجی ہے۔ سرکار عالیہ کی تقریر ان سچے موتیوں کی ایک سلسل لڑی ہوتی تھی، علامہ شبلی مرحوم سے زیادہ کون باریک بین اور دقیقہ رس ہوگا انھوں نے سرکار عالیہ کی گفتگو سن کر جو رائے قائم کی وہ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

مولانا شبلی کی رائے | ”مجھ کو حکمرانان اسلام سے متعدد دُرُوس اور دلیانِ ملک کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہے۔ اُن سے گفتگو اور ہم کلامی کی نوبت آئی ہے لیکن میں بغیر کسی قسم کی رواداری اور تلق کے اس کہنے پر مجبور ہوں کہ میں اس

وقت کسی رئیس یا والی ملک کو اس قدر وسیع المعلومات خوش تقریر فصیح اللسان لکھتے سنا اور
 دقیقہ رس نہیں دیکھا۔ وہ تقریر فرما رہی تھیں اور میں محو حیرت تھا کہ کیا دہلی اور لکھنؤ کی سرزمین
 کے علاوہ اور کسی ملک کا آدمی بھی ایسی شستہ اور فصیح اور دو بولنے پر قادر ہو سکتا ہے؟
 وہ مختلف علمی اور انتظامی امور پر گفتگو کرتی تھیں اور میں سوچتا تھا کہ خد رات اور جلہ نشین
 بھی اس قدر معلومات حاصل کر سکتی ہیں؟“

اسی مضمون میں دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

”غرض اس قسم کے مضامین پر کامل ڈیڑھ گھنٹہ گفتگو کی اور اس نفاذ حاکم کے ساتھ کہ میں ہمہ تن
 محو حیرت رہا۔ تقریریں بعض بعض جملے ایسے ہوتے تھے جو انشا پر وازی کی شان ظاہر کرتے
 تھے مثلاً ”جب سے عزائم حکومت میں نے اپنے ہاتھ میں لی ملک کی تعلیمی حالت پر میرا دل
 رو رہا ہے۔ یہاں کے لوگ لیاقت حاصل نہیں کرتے بلکہ استحقاق آباؤی پیش کرتے
 ہیں“ لیکن یہ جملے اُن کی زبان سے اس سلاست اور صفائی کے ساتھ ادا ہوتے تھے
 کہ مطلقاً تصنع اور آدرد نہیں معلوم ہوتی تھی۔

خصوصیاتِ صنفی

سرکارِ عالیہ کی تربیت و تعلیم میں اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا کہ اُن کے وجودِ گرامی میں
 وہ تمام اوصاف نوعی بھی مجتمع ہوں جو ایک خاتون کے لئے طفرائے امتیاز ہیں چنانچہ انھوں نے اُن
 اوصاف کو نہ صرف متاہل زندگی میں بلکہ فرماں روا یا نہ زندگی میں بھی علیٰ وجہ الکمال نمایاں کیا۔

رشتوں کے تعلقات کا لحاظ | تعلقاتِ زوجیت میں شوہر کی اطاعت و رضا جوئی ایک مشرقی
 اور خصوصاً مسلمان خاتون کی سب سے نمایاں صفت ہے۔ سرکارِ عالیہ

کو اس صفت میں بھی امتیاز خاص حاصل رہا۔ اعزائے شوہر کے ساتھ مودت و مرحمت اور حفظِ مراتب
 و پاسِ قرابت کو ان تعلقات کے آغاز سے آخر وقت تک قائم و برقرار رکھا۔ اقربا اور اخوانِ ریاست کے

ساتھ بزرگانہ شفقت کی نظر اتم تھیں۔ خاندانی تقریبوں میں فرد خاندان کی حیثیت سے شریک ہوتے اور ان تمام مراسم کو جو باعتبار رشتہ اُن پراد کرنے لازم ہوتے حوشتی و مسرت کے ساتھ انجام دیتے، اخراجات تقریبات میں اعانت کرتے۔ اکثر قریبی اعزاء کی تقریبات ایوان شاہی میں ہوتیں اور یہ نفس نفیس ہر ایک تقریب کا انصرام فرماتیں اور موقع اور قربت قرابت کے لحاظ سے جوڑے اور زیور عطا فرماتیں۔ اپنی تقریبات میں سب کو مدعو کرتیں اور نہایت فیاضی کے ساتھ ان کے حقوق مراتب ادا کئے جاتے یہ لڑائیں خاندان ہی تک محدود نہ تھیں، بلکہ جملہ توسلین بھی علی قدر مراتب و توتسل بہرہ یاب ہوتے۔

اصول و نظام خانہ داری | سرکار عالیہ کو ڈومیسٹک سائنس سے ہمیشہ دل چسپی رہی اور یہی وجہ تھی کہ جس طرح ریاست کے مصارف معینہ بجٹ کے اندر رکھتے

اسی طرح محل کے مصارف کا بھی مقررہ تکرر تھا اور معمولی سے معمولی چیز بھی اس کے اندر تھی۔

محل میں نہ تو کوئی چیز بیکار تھی، اور نہ بلا ضرورت، اور یہی اس سائنس کا اصل اصول ہے ساتھ ہی چیزوں کی ترتیب اور دیکھ بھال بھی خود کرتی تھیں۔ پرانی چیزوں کو دوسری ہیئت میں تبدیل کر کے کام میں لاتی تھیں۔ اور جہاں تک ممکن تھا کوئی چیز نہ بیکار آتی اور نہ بیکار جاتی۔

آرائش محل و کمرہ نشست | محل میں جس قدر کمرے ہیں اُن کی آرائش میں سرکار عالیہ کا مذاق تسلیم نمایاں تھا، بعض کمرے یورپین طرز پر اور بعض ہندوستانی طریق

معاشرت کے لحاظ سے آراستہ تھے۔ سرکار عالیہ کی نشست عموماً فرش پر رہتی تھی جس پر سندھ تالین بچھا رہتا تھا۔ سامنے اور ایک بازو پر فرشی میزیں ہوتی تھیں جن پر ریاست کی شلین، موقت الشیوع اخبار و رسائل اور تازہ کتابیں بھی رہتی تھیں۔

لباس و زیور | لباس میں انتہائی سادگی تھی جو خالص ہندوستانی طرز کا اور ستر پوش تھا۔ گھٹنے تک کرتا بہت پسند تھا جس کو خود انھوں نے نہایت خوبصورت

بنادیا تھا۔ بھوپال میں عام طور پر ”سرکاری کُرتے“ کے نام سے مشہور ہے اور بہت پسند کیا جاتا ہے۔ کپڑا بھی معمولی قیمت کا ہوتا تھا البتہ کبھی کوئی قیمتی اور وہ بھی زیادہ قیمت کا نہ ہوتا استعمال کرتی تھیں۔ صوفیانہ رنگ پسند تھے۔ مگر کُرتہ اور ڈوپٹہ سفید ہی ہوتا، البتہ بڑے کپڑا قیمتی ہوتا تھا جو خاص قیوں پر استعمال کیا جاتا۔ سرکاری و قومی تقریبات کے مواقع پر منل بیگمات کی طرح تاج ناؤ پی پہنتی تھیں۔

زیورات کا تو ابتدا سے ہی شوق نہ تھا اور پھر گزشتہ ۳۰ سال سے تو خیال تک نہ تھا البتہ

تقریبات میں ہلکا زیور ہاتھوں میں پہن لیتی تھیں۔

عذا غذا میں بھی سادگی ہوتی تھی، ترکاریاں - دالیں - اور چٹ پٹے کھانے زیادہ مرغوب تھے مرغی غذا میں ناپسند تھیں۔ کھانا عموماً فرش پر تناول فرماتی تھیں جو فرش میز پر چننا جاتا تھا اور اکثر ہمان خواتین شریک طعام ہوتی تھیں۔ سیخ مطبخ میں اگرچہ بلحاظ موسم قہم کے کھانے تیار ہوتے تھے لیکن کبھی کبھی بنفس نفیس کوئی چیز تیار کرتیں اور اس کو اپنے صاحبزادوں پوتے پوتیوں کو بطور تحفہ بھیجتیں یا نہایت خوش خوشی سب کو ایک جگہ کھلاتیں۔ رمضان المبارک میں تو شام کو بذات خاص انطاری تیار کرنے یا اس کی تیاری میں شریک رہنے کا دل چسپ مشغلہ تھا۔

باغات سے سبزی اور ترکاریوں کی ڈالیاں پہلے ملاحظہ اقدس میں پیش ہوتیں اور پھر خود اُس دن کے پکانے کے لئے منتخب فرماتیں۔

باغات سے دل چسپی باغات سے خاص دل چسپی تھی، متعدد باغات سرکار عالیہ کے مذاق سلیم کی بہار دکھا رہے ہیں لیکن محل اور کمروں کے گلموں میں پودوں کے انتخاب کا خاص ملکہ اور مذاق تھا، اسی شوق کا نتیجہ تھا کہ فن باغبانی پر متعدد کتابیں ترجمہ کرائیں اور خود تالیف کیں۔ امبرائیڈری پنٹنگ اور کروشیا میں مہارت تامہ تھی۔ اور جب کبھی وقت دستکاری ملتا کوئی نہ کوئی چیز تیار کرتیں، خصوصاً نمائشوں کے لئے تو وقت نکال کر بھی کچھ نہ کچھ بناتیں علیگڑھ، الہ آباد کی مشہور نمائشوں اور بھوپال کی نمائش مصنوعات خواتین ہند اور لاسیم کلب لندن کی نمائشوں میں سرکار عالیہ کی مصنوعات ایک امتیازی حیثیت رکھتی تھیں۔

مُصوّر مصوّر میں پنٹنگ سے خاص دل چسپی تھی، زیادہ تر قدرتی مناظر تیار کرتی تھیں، اثنائے سفر حجاز میں اس فن کو جہاز میں سیکھا تھا اور پھر شرق سے اس کو ترقی دی اور نہایت طبیعت کی وجہ سے مناظر قدرت کی نقشہ کشی میں ید طولیٰ حاصل ہو گیا۔

۱۹۱۹ء میں ایک مرتبہ سندس حالی مطالعہ کر رہی تھیں، اُس کے مطالعہ سے جب فارغ ہوئیں تو ایک جذبہ خاص کے ساتھ مولانا حالی کے اس تخیل کو کہ:

ملے کوئی ٹیلہ اگر ایسا اوخپا کر آتی ہو داں سے نظر ساری دُنیا

چڑھے اس پہ پھر اک خرد مند دانا کہ قدرت کے نگل کا دیکھے تماشاً

تو قوموں میں فرق اس قدر پائے گا وہ

کہ عالم کو زیر و زبر پائے گا وہ

وہ دیکھے گا ہر سو ہزاروں چین اں بہت تازہ تر صورتِ باغِ رضواں

بہت اُن سے کمتر، پہر سبز و خنداں بہت خشک اور بے طراوت مگر ہاں

نہیں لائے گو برگِ بار اُن کے پونے

نظر آتے ہیں ہونہار اُن کے پونے

پھر اک باغ دیکھے گا اُجڑا سراسر جہاں خاک اڑتی ہے ہر سو برابر

نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر

نہیں بھول بھل جس میں آنے کے قابل

ہوئے روکھ جس کے جلانے کے قابل

جہاں آگ کا کام کرتا ہے بار اں جہاں آکے دیتا ہے رو ابر نیساں

ترودے جو اور ہوتا ہے ویراں نہیں راس جس کو خزاں اور بہاراں

یہ آواز بیہم وہاں آ رہی ہے

کہ اسلام کا بارِغ ویراں یہی ہے

کئی دن محنت کر کے تصویر میں دکھا دیا۔

سرکارِ عالیہ کی مصوری پر اکثر ماہرین فن نے خراج تحسین پیش کیا ہے

شاعری و موسیقی | سرکارِ عالیہ کو شاعری و موسیقی سے بھی ایک نسبت تھی وہ خود شاعرہ تھیں لیکن سخنِ سنج تھیں اور اچھے شعر اور اچھی نظم کا لطف حاصل کرتی تھیں بعض اوقات

کسی تخیل یا واقعہ کو نظم کے قالب میں لانے کے لئے فرمائش کرتی تھیں۔

باجوں میں پیاؤ پند تھا لیکن بجانے کی مشق نہ تھی۔ البتہ ستارِ ادبِ ازلِ عمر میں سیکھا تھا اور

ادبِ عمر میں کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لئے شغل بھی کر لیتی تھیں۔

سرود و نغمہ سے بھی دل چسپی تھی مگر تمام شوق کے کاموں میں اس کا آخری درجہ تھا اور

صرف اسی حد تک کہ کبھی اور وہ بھی دوسروں کے اصرار سے گھڑی دو گھڑی ڈومنیوں کا گانا
سُن لیا یا کسی خاتون نے کوئی قومی نظم یا نعت و منقبت سُنا دی، ایک خطا میں آبرو و تکریم صاحبہ
کو استنبول سے لکھتی ہیں :-

”ایک ٹرکش لیڈی کا ہم نے سنا، ٹرکش ترانہ ہندوستان کی لئے سے بہت ملتا ہے۔
یہاں بھی وقت کے راگ ہیں یعنی شام کا علیحدہ، صبح کا علیحدہ، جیسے ہندوستان میں بھیروی،
سارنگ، دھپک، پیلو، وغیرہ، ہم اب جس ہوٹل میں ہیں وہ دریائے باسفورس کے کنارے
ہے، پہلے ”پیراپلس“ میں تھے اب ”سمرپلس“ میں۔

اکثر شہ کو بجرہ میں ترکی خواتین ستار بجائی گاتی ہوئی سیر کرتی ہیں۔ ہم نے نکاتے
سنا۔ بالکل بوجہ ہندوستان کا ہے، ویسے ہی آواز کو چھڑا، انگلری لینا لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں
آتے کیونکہ زبان ٹرکش ہے۔

ہاں وہی ٹرکش خاتون جو ہم سے ملاقات کو آئی تھیں جنہوں نے مہربانی کر کے ہم کو اپنا گانا
سُنایا تھا وہ شاعرہ بھی تھیں اور باجے کے نوٹ خود بناتی ہیں، مجھ کو کتاب دی جس میں اُن ہی
کی نظم اور ان ہی کے بنائے ہوئے نوٹ ہیں، جس وقت میں اُن کی خوبصورت صورت دیکھ
رہی تھی اور خوش آہنگ باجہ جو وہ بجا رہی تھیں اور خوش الحانی کے ساتھ ان کے ٹرکش گیت
سُن رہی تھی تو مجھ کو اپنی خواتین لیڈی کلب یاد آئیں غرض ان تمام خیالات کو دور کر کے
یہی سمجھا کہ اس وقت جو نصف اس خاتون کی خوش الحانی نے دیا ہے ضروری ہے کہ اپنی خواتین
کلب کو بھی اس میں شریک کرنا چاہیے اور اس کا یہی طریقہ ہے کہ اس کی تصنیف ہمارے
نزدیک بھیجیں، اس نے اس میں بیانوں کے نوٹ بھی بنا دیئے ہیں اس کو مس رود را
بجائیں گی اور ہماری آبر و تکریم اور فاطمہ بیگم جو ٹرکش لیڈیوں کی طرح ہیں گائیں گی اور ہماری
خواتین کو بھی لطف حاصل ہو جائے گا اور وہ ضرور ہمیں بھی یاد کریں گی، پھر یہ خیال پیدا ہوا
کہ زبان داں نہ ہونا بڑی مشکل پیش کرے گا، اس خیال سے دوسری کتاب منصب علی کے نزدیک بھی
بھیج دی گئی ہے کہ کسی سے ٹرکش کا ترجمہ اشعار اردو میں کر کے اردو ہی میں اس مضمون کو نظم کرالیں۔

اور فارسی میں بھی اے کیا ہمارے محبوبال کے فردوں میں بھی اس قدر لیاقت نہ ہوگی جو مکش
خواتین میں ہے نہیں ضرور ہوگی ناامید نہ ہونا چاہیئے، انشاء اللہ میں بھی اگر اس ترجمہ کی نظم کو
اپنی خواتین کی زبان سے سنوں گی.....

مجھ کو یقین ہے کہ اگر منصب علی سے یہ کام نہ ہو سکا تو ہمارے سرکاری صیغہ متفرقات اس نظم
کا ترجمہ کر کے اردو میں، فارسی میں، عربی میں ضرور اشعار موزوں کریں گے اور اس رودر اگر کسی
میں اس ہی مضمون کے اشعار کہیں گی۔ مضمون ”حریت“ چمکے گا.....

تربیت و تعلیم اولاد | اولاد کی تعلیم و تربیت میں سرکار عالیہ کو خاص ملکہ اور شفقت تھا اور انھوں نے
اپنی اولاد کی تربیت میں اُن تمام اصول کو ملحوظ رکھا جو ایک تعلیم یافتہ ماں کا
سب سے زیادہ شاندار کام اور سب سے درخشندہ جوہر قابلیت ہو سکتا ہے۔

دو بڑے صاحبزادوں نواب محمد نصر اللہ خاں، نواب جنرل محمد عبید اللہ خاں کی تعلیم و
تربیت کی ابتدائی منزل میں نواب احتشام الملک بہادر بہیم و شریک تھے لیکن دورِ فرماں روائی میں جو
تعلیم و تربیت ہوئی وہ صرف سرکار عالیہ کا ہی حصہ تھا۔

ابتدائی تعلیم میں اخلاق فاضلہ کی تربیت، جسمانی صحت، سپاہیانہ فنون اور بذریعہ درس
کتابی قولے عقلی کی نشوونما پر توجہ رکھی گئی اور قدیم و جدید طریقوں کو ملا کر ایک نیا طرز اختیار کیا گیا اور
ان اصول میں پوری کامیابی ہوئی، مذہبی جذبات کی بنیاد پر سرکار عالیہ اور نواب احتشام الملک بہادر
دونوں کی ابتدا ہی سے تمنا تھی کہ صاحبزادوں میں سے ایک ضرور حافظ قرآن مجید ہو اس لئے نواب
جنرل محمد عبید اللہ خاں کو حافظہ قوی ہونے کے لحاظ سے منتخب کیا گیا انھوں نے تین سال میں قرآن
مجید حفظ کر کے والدین کی اس تمنا کو پورا کر دیا۔

حفظ قرآن مجید کے تذکرہ میں سرکار عالیہ تحریر فرماتی ہیں کہ :-

”نواب احتشام الملک بہادر کی توجہ ہر وقت اُن پر تھی اور اس دن کی خوشی بیان نہیں
ہو سکتی جس دن کہ قرآن مجید کا آخری سورہ صاحبزادہ صاحب نے حفظ کر کے سنایا تھا
ان کو مجھ سے زیادہ اور مجھے ان سے سوا مسرت تھی۔“

اعلیٰ حضرت اقدس کی تعلیم ہی اسی اصول پر شروع کی گئی لیکن ابتدا میں قرآن مجید اور اردو کی تعلیم خود سرکار عالیہ نے اپنے ذمہ رکھی اور جب دوسری کتابوں کی خواندگی کا وقت آیا تو امداد کے لئے قابل استاد مقرر کئے گئے ختم قرآن مجید کے بعد لفظی ترجمہ شروع کرایا گیا۔

غرض سرکار عالیہ کے دورِ فرماں روائی شروع ہونے تک اعلیٰ حضرت نے ابتدائی تعلیم ختم کر لی اب چونکہ سرکار عالیہ کی مصروفیتیں بھی بہت زیادہ ہو گئیں اس لئے مزید تعلیم کے لئے قابل استاد مقرر ہوئے تاہم جب فرصت ملتی سبق سن لیا کرتیں۔ سفر حجاز کے دوران میں ترجمہ قرآن مجید کا کچھ حصہ خود ہی پڑھایا۔ اس کے بعد انگریزی تعلیم کے لئے ایک یورپین مسٹری۔ ایچ۔ پین ایم۔ اے۔ (اکن) کی خدمات حاصل کی گئیں اور چونکہ چیفس کالجوں کا معیار تعلیم سرکار عالیہ کے نزدیک چنداں مفید نہ تھا جس پر وہ خود ہمت نہایت زبردست معترض تھیں اور اس کے مقابلہ میں یونیورسٹی کی تعلیم کو زیادہ پسند کرتی تھیں۔ اس لئے اعلیٰ حضرت کو کسی چیفس کالج میں داخل کرنے کی بجائے انگریز نڈرا ہائی اسکول بھوپال میں باضابطہ داخل کرایا علاوہ بریں یہ مقصد بھی پیش نہاد خاطر تھا کہ طبقہ اُمر اور منصب داران ریاست اور عامہ رعایا میں تسلیم کی تحریکیں و ترغیب پیدا ہو۔

سرکار عالیہ کو بعض اصحاب نے اصرار کے ساتھ یہ مشورہ دیا کہ اسی زمانہ میں پاکستان کی کسی یونیورسٹی میں داخل کرا دیا جائے لیکن قبولِ خاطر نہ ہوا۔ اور یہ طے فرمایا کہ اسی وقت سے جب تک کہ اعلیٰ تعلیم کی منزل تک پہنچنے کے لئے ایک دو سال باقی ہیں محمدن کالج کے اسکول میں داخل کرایا جائے کیوں کہ سرکار عالیہ کے خیالِ مبارک میں

ہندوستان میں مسلمان طلباء کے لئے محمدن کالج علی گڑھ سے بہتر اور کوئی کالج نہیں ہو سکتا اور یہی ایک ایسا کالج ہے جس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ مسلمان طلباء کے مذہب، ان کی قومیت اور برٹش سلطنت کے ساتھ خیالات و فاداری کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اور جو مسلمانانِ ہند کی آئندہ ترقیوں اور امیدوں کا مرکز ہے۔

چنانچہ شایانِ شان انتظامات کے بعد مٹیرین کی اتالیقی میں مشورہ کے سشن میں اعلیٰ حضرت داخل کر دیئے گئے۔

اس عظیم الشان ادارہ تعلیمی کے انتخاب میں مذکورہ بالا خیال کے ساتھ یہ خیال بھی محرک تھا کہ
 علحضرت میں ابتدا سے پبلک اسپرٹ اور قومی کاموں میں دل چسپی پیدا ہو۔

سرکار عالیہ ان مقاصد میں کامیاب ہوئیں اور علحضرت نے اس قومی درس گاہ میں مکمل تعلیم
 کی لیکن سرکار عالیہ نے اسی تعلیم و تربیت پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ صاحبزادوں کے مراتب جلیلہ اور
 درجات عالیہ کے لحاظ سے حکومت اور ملکی نظم و نسق کی بھی تعلیم و تربیت پر توجہ مبذول کی۔

پہلے ملک محروسہ کا دورہ کرایا تاکہ ترتیب و تہذیب و فاضلہ، ضروریات رعایا اور حالات ملکی
 کا مطالعہ و معائنہ کریں، اس کے بعد محکمات ریاست تفویض کئے اور مہمات امور کے مشوروں میں
 شریک کیا۔ نواب جنرل محمد عبید اللہ خاں کو ان کے رجحان طبع کے لحاظ سے فوجی تعلیم و تربیت
 دلانے کے بعد تدریج ترقی دیکر سپہ سالار ریاست بنایا۔

اگرچہ اس وقت کسی شخص کے دماغ میں دور کا خیال بھی پیدا نہ ہو سکتا تھا کہ سرکار عالیہ کے
 بعد جو پال کا تمام تر مستقبل، اُس کا ارتقا اور اُس کی قسمت علحضرت اقدس کے ہاتھوں میں سیر و
 ہوگی۔ لیکن اذ اراد اللہ شدیعاً دیکھا کہ مساجد حضور ممدوح کی تعلیم و تربیت ملکی بھی اسی نصیب
 کے لحاظ سے شروع ہوئی۔ اولاً صیغہ بلد یہ تفویض کیا گیا تاکہ قائم مقامان رعایا کے ساتھ شریک ہو کر
 کام کرنے کا موقع ملے اور شہری حقوق کی واقفیت اور بہرہ رسی حاصل ہو، اس کے بعد سرکار عالیہ
 نے اپنا چیف سکریٹری بنایا اور چند ماہ بعد ہی صیغہ تعلیم و انجینیری کے متعلق ضروری ہدایات فرما کر
 ملک محروسہ کے دورہ کا حکم دیا۔

علحضرت نے چار ہینہ تک دورہ کیا اور ہر ڈپارٹمنٹ اور ہر شعبہ کے جزئیات تک کن نظر غا
 ملاحظہ فرمایا اور ایک مبسوط رپورٹ سرکار عالیہ کے ملاحظہ کے لئے تیار کی جس میں قابل اصلاح
 امور پر نہایت قابلیت کے ساتھ توجہ معطف کرائی اور بعض ترقیوں کے متعلق تجاویز پیش کیں۔
 ۱۹۲۶ء میں جب سرکار عالیہ نے تنظیم جدید کے سلسلہ میں اسٹیٹ کونسل قائم کی تو
 فرزند اکبر کو وائس پریسیڈنٹ اور منجملہ (۵) ممبروں کے دونوں صاحبزادوں کو بھی ممبر مقرر فرمایا، فرزند
 اوسط نواب محسن الملک جنرل محمد عبید اللہ خاں فردوس مکاں کے پاس فوجی محکمہ ہا اور مالیات و
 قانون و انصاف علحضرت کو تفویض کیا گیا۔

اس انتظام و انتخاب کے نہایت اعلیٰ نتائج مکمل خصوصاً جب اعلیٰ حضرت سربراہ کے بھوپال ہوئے تو ایک طرف سرکار عالیہ کو اطمینان تھا اور دوسری طرف رعایا کو۔ گذشتہ نو دن سال میں حضور ممدوح کی ہمدردی و دلجوئی اور قابلیت و اوصاف حکومت کا جو تجربہ ہوا تھا اُس سے رعایا مطمئن و مسرور تھی۔ پھر ایجنٹ گورنر جنرل اور ملکِ معظم قیصر ہند کے قائم مقام اعلیٰ کو و الیان ملک کی تخت نشینی کے وقت ان سے بہترین نظم و نسق ملے کی نسبت جو امیدیں ہوتی ہیں وہ اعلیٰ حضرت کی تخت نشینی کے وقت یقین کے درجہ میں تھیں جیسا کہ ایجنٹ گورنر جنرل نے دربارِ خلیفہ کی تقریر میں اور ہنرِ اسلٹنی لارڈ ڈاؤن نے ڈنزا سپیج میں ظاہر کیا۔

زنانہ تعلیم و تربیت کا نمونہ | صاحبزادیوں میں یقیناً جہاں بیگم تو سرکارِ خلد مکاں کے پاس رہتی تھیں۔ اس لئے سرکارِ عالیہ کی ان کی تعلیم و تربیت کا کوئی موقع نہ تھا البتہ صاحبزادی آصف جہاں بیگم نے سرکارِ عالیہ کے سایہ شفقت میں تربیت و تعلیم حاصل کی لیکن ابھی بارہ سال ہی کی عمر تھی کہ وہ ایسی بیمار ہوئیں کہ زندگی ہی ختم ہو گئی تاہم وہ اردو اور دینیات کی تکمیل کر چکی تھیں اور نرسی شروع کی تھی۔

زمانہ فرماں میں نواب جنرل محمد عبید اللہ خاں کی صاحبزادی برجیس جہاں بیگم کو سرکارِ عالیہ نے اپنے پاس رکھ کر پرورش کیا تھا جب ان کی تعلیم کا زمانہ آیا تو بڑے حوصلہ کے ساتھ شروع کی لیکن نو سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔

البتہ ہر بانس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم اور علیا جناب گوہر تاج بیگم عابدہ سلطان و لیعہد ریاست طال اللہ عمر ہما و اقبا لہما سرکارِ عالیہ کی زنانہ تعلیم و تربیت کا بہترین نمونہ ہیں۔

ہر بانس کی تعلیم کے لئے اگرچہ قابل اساتذہ امور تھے مگر باوجود ان مصروفیتوں کے جو ابتدائی دور حکومت میں سرکارِ عالیہ کو تھیں تعلیم کی نگرانی ہی نہیں فرمائی بلکہ مذہبی تعلیم کا ایک حصہ اپنے ذمہ لیا، مذہبی تربیت کے لئے ذاتی مثال اور ذاتی توجہ بہت کافی تھی۔

امور خانہ داری اور ڈومیسٹک سائنس کی تمام تر تعلیم سرکارِ عالیہ نے ہی فرمائی دستکاری اور فنونِ لطیفہ کے لئے یورپین لیسڈیز مقرر تھیں۔

غرض چند ہی سال میں ہر بانس نے اپنی سعادت و استعداد فطری اور شوق و محنت سے

سرکار عالیہ کے مقصد کو علیٰ وجہ الکمال پورا کر دیا لیکن چونکہ تعلیم کا زمانہ کبھی ختم نہیں ہوتا اس لئے سرکار عالیہ کے نقشہ قدم پر ہر بانی نس کی تعلیم بہ دستور جاری رہی۔ انگریزی اُردو میں کامل دستگاہ حاصل کی۔ فارسی مادری زبان ہے تاہم اخلاق کی اکثر متداول کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں۔

حفظِ صحت اور مضبوطی و توانائی کے لئے تعلیم کے ساتھ کھیل بھی لازمی ہوتے ہیں اور ایسی جسمانی ورزش سے دماغی تشنگی بھی قائم رہتی ہے، اس لئے ابتدا سے ٹینس، بیڈمنٹن وغیرہ ہر بانی نس کی تعلیم کا جزو رکھے گئے۔

سرکار عالیہ نے ہر بانی نس کی کتابی تعلیم اور محل کی تربیت پر ہی اکتفا نہیں فرمائی بلکہ ابتدا سے چند سفروں کو مستثنیٰ کر کے تقریباً ہر سفر میں اپنا رفیق بنایا اور اس طرح نہ صرف ہندوستان اور یورپ کے مشہور مقامات کی سیر کی اور مشہور و ممتاز بیگیوں ہمارائیوں اور جلیل القدر یورپین لیڈرز اور قومی کارکن خواتین سے ملاقاتیں کیں بلکہ وہ تجربہ حاصل ہوا اور اس غور و غوض کی عادت پیدا ہوئی جس سے ایسی جلیل القدر شخصیت کو اپنے معاصرین میں امتیازِ خصوصی حاصل ہوتا ہے اور ملکی و قومی ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

سرکار عالیہ نے ہر بانی نس کو اوایل عمر ہی سے اپنے صنفی اور قومی کاموں میں معین و شریک بنایا اور اس طرح دل میں ایک خاص ولولہ اور جوش پیدا کر دیا۔

غرض ہر بانی نس سرکار عالیہ کی تعلیم و تربیت کا بہترین نمونہ ہیں۔

علیٰ اجاب نواب گوہر تاج بیگم نے روزِ ولادت سے ہی سرکار عالیہ کے آغوشِ شفقت میں پرورش پائی اور جب تعلیم کا زمانہ اور قرآن مجید کے شروع کرنے کا وقت آیا تو سرکار عالیہ نے ہی درس دیا اور متن و ترجمہ خود پڑھایا، اس مذہبی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ اُردو فارسی اور انگریزی کی تدریج تعلیم شروع ہوئی اور نہایت منتخب و قابل اساتذہ مقرر کئے گئے۔ انگریزی زبانانی زمانہ حال کی ترقی یافتہ دستکاری اور فنون لطیفہ کی تعلیم کے لئے قابل اور ماہر فن یورپین لیڈرز کا انتخاب ہوا۔

ساتھ ہی سپاہیانہ فنون اور تعلیمِ نظم و نسق ملکی کی بھی ابتدا ہو گئی۔

اس تمام تعلیم و تربیت میں صنفی ہمدردی کا عنصر خاص طور پر شامل کیا گیا جو گویا گہوارہ سے

ہی سے شروع کی گئی اور اسی فضا میں پرورش ہوئی۔
عالم طفولیت ہی سے مجالس و مجالس نسواں میں شرکت سے اپنی صنف کی ہمدردی کا
درس دیا گیا۔

خاندانی تقریبات | سرکار عالیہ کی تقریب میں فضول تکلفات کو کبھی روانہ نہ کرتی تھیں، لیکن
شاہی تقریبات کے لئے تمام و کمال موزوں لوازم ضرور ہوتے، ایسے
موقعوں پر بالعموم ڈور بار منعقد کئے جاتے، ایک مردوں کا اور دوسرا عورتوں کا۔
مردوں کے دربار میں سرکار عالیہ پس حلین تشریف فرما ہوتیں۔ تمام اشخاص حسب مراتب یکے
دیکرے پیش ہوتے اور ان کو سرکار عالیہ خلعت عطا فرماتیں۔

عورتوں کے دربار میں اپنے معمولی لباس میں سب کے سامنے جلوہ افروز ہوتیں اور شاداں و
فرحان خلعت تقسیم فرماتیں، حاضر دربار خواتین اُسی وقت خلعت کے قیمتی ڈوپٹوں کو اوڑھ لیتیں۔
اور سرکار عالیہ کی شفقت و عطوفت اور گفتگو کی محکم شکل میں عیاں ہوتی، ایسی تقریبات میں یورپین
لیڈیز بھی شریک کی جاتیں اور اگر وہ متوسل ریاست ہوتیں تو ان کو بھی خلعت عطا ہوتے۔

نواب عالی جاہ کرنل سر محمد نصر اللہ خاں صاحب بہادر کے ہی، ایس، آئی اور نواب حسن الملک
بریگیڈیر جنرل حافظ حاجی محمد عبید اللہ خاں صاحب بہادری، ایس، آئی، کی شادیاں بھی اسی ہول
پر ہوئیں اور تمام مستحقین و متوسلین کو نہایت فیاضی کے ساتھ انعام و اکرام مرحمت فرمائے۔

ہنر ہائی نس سکندری صولت افتخار الملک نواب حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر
خلد اللہ ملکہ کی شادی شاہ شجاع والی کابل کے خاندان میں شہزادہ جہانگیر کی پوتی کے ساتھ
ہوئی جن کا خاندان عرصہ سے پشاور میں بظیل سرکار برطانیہ سکونت پذیر ہے، ۲۲ رجب ۱۳۲۳ھ
۲۲ ستمبر ۱۹۰۵ء کو کبھال ترک و احتشام بارات پشاور گئی اور وہاں ہی میں بمقام ساپچی سرکار عالیہ نے
اس کا خیر مقدم کیا۔

اس شادی میں جہاں شاہانہ شان و شوکت کا پورا اہتمام کیا گیا تھا وہاں یہ امر بھی عووظ
رکھا گیا تھا کہ کوئی فضول اور غیر مشروع رسم ادا نہ ہو۔ البتہ مستحقین اور خاندان ریاست کو پیش بہا
جوڑے اور گراں قدر نقد انعامات عطا کئے گئے، نیز خیرات و صدقات میں غربا کو رو بہ تقسیم کیا گیا

اس میں شک نہیں کہ سرکار عالیہ کے تمام اعمال شاہانہ کی طرح یہ تقریب بھی دیگر دالیان ریاست کے لئے ایک قابل تقلید مثال تھی جس کو خلاف شرع اور فضول مراسم کی آمیزش سے ہر طرح محفوظ رکھا گیا تھا۔ چوں کہ شادی صغرنسی میں ہوئی تھی اس لئے ممکن ہے کہ ناظرین اس تقریب کا حال پڑھکر متعجب ہوں کہ سرکار عالیہ جیسی روشن ضمیر اور مصلح رسوم نے صغرنسی کی شادی کی مثال کیوں قائم کر دی لیکن اس کا جواب سرکار عالیہ کی اس تقریر مبارک میں موجود ہے جو اسی تقریب میں حضور محروسہ نے برٹش افسران رزٹرنسی و انجینیئری کی دعوت میں فرمائی تھی جس میں انھوں نے فرمایا کہ :-

میں گمان کرتی ہوں کہ اس چھوٹے سے دولہا کو دیکھ کر آپ خیال کرتے ہوں گے کہ اس

صغرنسی میں دلہن بیاہ لانے کی کیا ضرورت تھی، شاید آپ کو یہ بھی خیال ہوگا کہ ہندوستان

کے رسم و رواج کا اثر مجھ پر بھی ہے اور صغرنسی کی شادی کو جو عموماً معیوب سمجھی جاتی ہے میں

بھی متعجب تھی ہوں میرا اصل مقصد شادی میں عجلت کرنے کا یہ تھا کہ اپنی ننھی سی بہو کو اپنا

نور نظر بنا کر اپنی نگرانی میں تعلیم و تربیت دے سکوں کیوں کہ عمدہ تعلیم و تربیت کو مستورات کے

لئے سب سے بہتر اور سب سے زیادہ خوش نمازیو سمجھی ہوں یہ ایسا پیش ہوا اور پاکدار زیور ہے

جس کی آب و تاب کبھی کم نہیں ہو سکتی مجھے امید ہے کہ اس توضیح کے بعد آپ اس صغرنسی

کی شادی کو موافق مصلحت و وقت خیال کر کے میری تمنائیں میرے ہم زبان ہوں گے۔

خدا کرے کہ دلہن کی تعلیم و تربیت میری مرضی اور خواہش کے موافق ہو جائے۔

یہ مصلحت تھی جس سے سرکار عالیہ نے اس صغرنسی کی شادی کو روا رکھا اور اس تقریب میں عجلت کی۔

سرکار عالیہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئیں اور ہر بانی نس کی تعلیم و تربیت ایسے اصول پر

کی جو خاندان کے لئے ایک مثال ہو گئی۔

ایک پر عظمت اور شاندار تقریب | بھوپال میں سرکار قدسیہ یگیم کے زمانہ سے تقریب

نشرہ ایک روایتی و تاریخی تقریب ہو گئی ہے۔ یہ تقریب دو حصوں میں تقسیم کی جاتی ہے ایک سورہ بقرہ کے اور دوسرے پورے قرآن مجید کے

ختم ہونے پر۔

سرکار خلد نشیں اور سرکار خلد مکان کی تقریبات نشرہ بڑی دھوم اور تکلفات سے ہوئیں۔

اور سرکار عالیہ کی یہ تقریب تو ایسی فیاضی سے ہوئی جو ان دونوں سے فوقیت لے گئی درماہ تک اس کا سلسلہ جاری رہا، اسی طرح سرکار عالیہ کی صاحبزادی بلیقیں جہاں بیگم کا نشرہ ہوا۔

اب ۱۳۳۹ھ میں سرکار عالیہ نے اعلیٰ حضرت اقدس ام اقبالہ کی دو صاحبزادیوں (نواب گوہر تاج بیگم عابدہ سلطان ولیعہد ریاست اور صاحبزادی ساحبہ سلطان) کی تقاریب نشرہ سورہ بقرہ ختم کلام مجید بڑے حوصلہ و فیاضی جدت و ندرت اور عظمت و ذوق سے کیں جو حقیقتاً انمرا کے لئے نہایت دل چسپ مثال ہے۔ ۲۱ رثوال کو شیرینی تقسیم کی گئی، بیشیری جبینی کی بڑی سفید رکابیوں میں تھی جن کے گول کناروں پر پھوٹے پھوٹے فاصلہ سے فکلو و اشتر و اھنیٹا اھریا اور طغری میں عابدہ سلطان اور نشرہ ختم قرآن، سرخ حرفوں میں نہایت خوشخط لکھا ہوا تھا ان رکابیوں میں برنیوں کی نو ذاتیں تھیں جس پر چاندی کے ورق لگے ہوئے تھے ان پستوں کی ہوائیاں عجب بہار دے رہی تھیں کابیاں نور کے طباق معلوم ہوتے تھے۔

مساکین اور عزیزی کی دعوت ہوئی اور ان کو جوڑے تقسیم ہوئے ریاض الانام میں جو قصر سلطانی کے مغربی جانب تالاب کے کنارے واقع ہے، خاندان کی بیگمات مدعو ہوئیں اور ایک پر لطف جلسہ ہوا۔ اور پھر پہلی تاریخ ذیقعدہ بروز جمعہ خواتین کی ایک بڑی پارٹی اسلام نگر کے قدیم محل میں ہوئی۔ محل کے نیچے ایک ندی بہتی ہے اور ندی کے اس طرف گھنے اور سایہ دار اونچے اونچے درختوں کے جھنڈ ہیں جس کے آگے ایک سرسبز اور پُر رونق میدان ہے اس کو موسم کی فضا نے اور بھی نظر فریب اور دل چسپ بنا دیا تھا۔

ایک مہینہ تک خاندان شاہی کی طرف سے بھی دعوتوں اور جوڑوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ۲۹ ذیقعدہ اصل تقریب کا دن تھا، قصر سلطانی کے سب سے بڑے دالان میں جو اعلیٰ فرش فروش سے آراستہ تھا ایک تخت ”ریکھ“ کی صورت میں جوئی اور گلاب کے پھولوں سے سجایا

۳۰ یہ ایک تاریخی جگہ ہے اور بھوپال کا سب سے پہلا دارالریاست ہے جس کو بالی ریاست سردار دوست محمد خان نے اپنے ابتدائے عہد میں تعمیر کیا تھا، سرکار خلد سکان کا مولد بھی یہی مقام ہے اور محلات شاہی میں یہاں کے محلات بہت بابرکت سمجھے جاتے ہیں۔ ۳۱ ریکھ اس تخت کو کہتے ہیں جس میں ملک عرب میں دھن بٹائی جاتی ہے۔

گیا تھا اس کے گللابی پردوں، زرنکار چھت اور مچلی فرش نے عجب بہار پیدا کر دی تھی ایک چھوٹا سا دروازہ تخت کے پیچھے عروس نشہ کے آنے کے لئے رکھا گیا تھا اور سامنے کی طرف ایک محراب نما شکل کا دروازہ بنایا گیا تھا۔ دروازہ کے پہلوؤں میں آبنوس اور صندل کی دو حلیں رکھی ہوئی تھیں جن پر دو نفیس خوبصورت مٹلا جزدانوں میں قرآن مجید تھے، تخت کے قریب ہی اختران عروس استقبال کے لئے کھڑی تھیں۔ یہ اختران عروس خاندان وارا کین ریاست کی نوجوان لڑکیاں منتخب ہوئی تھیں جو ترکی حرم کے لباس میں تھیں اور پورا لباس بادشاہ پسند یعنی نافرمانی رنگ کا تھا۔

تمام دالان جہان بگیات و خواتین سے معمور تھا۔ تخت کے بالمقابل عین ہرے ہرے سرسبز عالمیہ اور بگیات خاندان کی نشست تھی۔

۶ بجے صاحبزادیوں کے تشریف لانے کی آہٹ معلوم ہوئی اور ایک خاتون نے بلند آواز سے خاموش کہہ کر حاضرین کی توجہ کو صاحبزادیوں کے تشریف لانے کی طرف مائل کیا اور بیک لمحہ صاحبزادیاں خراماں خراماں تشریف لائیں۔ اختران عروس نے استقبال کیا، چنبرہ برداروں نے چنبرہ ہلانا شروع کئے اور دونوں تخت سعادت پر جلوہ افروز ہوئیں، اس وقت ایک عجیب محویت کا عالم طاری ہو گیا۔

دونوں نور کی مویتیں یا جنت النعیم کی حوریں آسمانی رنگ کے عربی لباس میں ملبوس تھیں۔ سر پر عرب کا قصادہ تھا جو مجیدوں کے بندہ بن سے باندھا گیا تھا گویا آفتاب کی کرنیں معلوم ہوتی تھیں۔ ہن پر تاج الماس زیب سر تھا۔ مقشیشی ہرے پر ہوتی کی لڑیاں لٹک رہی تھیں اور یہ سہرا اس طریقہ سے بنایا گیا تھا کہ ان مہر و ماہ کے چہروں پر نقاب نہ بن جائے۔

سروشمانہ پر ڈوپٹہ اسی انداز سے تھا جس طرح ناز میں اوڑھنا جاتا ہے اور اس میں ان کا چہرہ بالکل نور معصومیت بن کر نظر آ رہا تھا۔

پاؤں میں کوئی زیور نہ تھا البتہ گلے اور ہاتھوں میں کچھ مضع زیورات تھے، کانوں میں ہیرے کے بندے تھے جو چہروں کی شعاع نور سے ماند ہو رہے تھے۔

اس شان کے ساتھ دونوں صاحبزادیاں پیکر نور بنی ہوئی تخت پر جلوہ افروز ہوئیں۔ ہر طرف ایک عالم سکوت اور خاموشی تھا کہ صاحبزادی عابدہ سلطان نے نہایت ادب و تعظیم سے اپنی معصوم آواز

میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور سورہ بقرہ کا پہلا رکوع آکم سے مفلحون تک اور اللہ مآفی السعوط کو آمن الرسول سے ختم سورہ تک اور پارہ تبارک اللہ می "مرسلات" کا پچھلا رکوع اسی بلند آواز اور ایسے لہجہ میں پڑھا کہ اس وقت ہر انسان تصویر ادب تھا اور خالق ارض و سما کی عظمت و اجلال اور اس کی رحمت سے قلوب متاثر ہو رہے تھے۔

جب یہ رکوع ختم ہوا تو آمنابا اللہ وحدہ کی آوازوں سے تمام محل گونج گیا۔ اس کے بعد معوذتین پڑھ کر اپنی قرأت کو ختم کیا۔

صاحبزادی ساجدہ سلطان نے بہت ہی بے تکلفی سے اُسی لہجہ اور طرز ادا کے ساتھ سورہ "بقرہ" کا اول رکوع مفلحون تک اور سورہ بقرہ کا آخری رکوع فاضلنا علی القوم الکافرین تک اور معوذتین پڑھ کر قرأت کو ختم کیا۔

جب ان دونوں نے یکے بعد دیگرے قرآن مجید کی سورتوں کو پڑھا ہے تو نور علی نور کی کیفیت آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔

ختم قرأت کے بعد سرکار عالیہ نے دونوں قرآن مجید نواب گوہر تاج بیگم کے ہاتھوں میں دیئے اور وہ ان کو لئے ہوئے رکیہ سے باہر نکلیں تمام بیگیاں اور خواتین نے سر و قد تعظیم ادا کی اُن کے پیچھے صاحبزادی ساجدہ سلطان تھیں اور دونوں صفوں کے درمیان خراماں خراماں متحرک نور کی طرح چاندی سونے کی بھولوں کی بارش میں اپنے خاندان کی صفِ اول میں شامل ہونے کو جا رہی تھیں اور خواتین ان بھولوں کو نہایت ذوق و شوق سے جُن رہی تھیں۔

دونوں نے قریب پہنچ کر اپنی محترم چچویں اور دیگر بیگیاں خاندان کو سلام کیا اور سب نے دُعاؤں کے ساتھ اُن کو پیار کیا۔

جب یہ اپنی جگہوں پر ٹکٹن ہو گئیں تو اختران عروس نے یہ آواز بلند قرآن مجید کا ایک رکوع مصری لہجہ میں پڑھا واقعی یہ عجیب سماں تھا اور عجیب عظمت و جلال کی شان نظر آتی تھی اور جلوہ رحمت

۱۵ اکثر عورتوں کا عقیدہ ہے کہ یہ بھول بہت کمزوروں کی دوا ہیں اور ان کے باندھنے سے آہستہ سی

کا درد جاتا رہتا ہے۔

آنکھوں سے نظر آ رہا تھا۔

رکوع ختم ہونے کے بعد سرکار عالیہ کی ایک جدید تالیف "افضال رحمانی" جو اسی موقع کے لئے حضور مہرِ رحمت نے تالیف فرمائی تھی جتہ جتہ پڑھی گئی جس میں بسم اللہ، سورہ فاتحہ، قرآن مجید اور درود و سلام کے ایسے فضائل تھے جو احادیث میں مروی ہیں۔ اس کے بعد موئے مبارک کی زیارت ہوئی، یہ وہ موئے مبارک ہے جس کو سلطان اعظم نے سیاحت قسطنطنیہ کے زمانہ میں سرکار عالیہ کو تحفہ دیا تھا اور جو قسطلانی میں ایک صندل سفید کے حجرے میں محفوظ ہے۔ زیارت کے بعد سب بیگمات اور خواتین نے کھانا کھایا اور عطر و پان تقسیم ہوئے، گلاب پاشی کی گئی اس طرح نوادر دن کے رات کو یہ تقریب ختم ہوئی۔

سرکار عالیہ کی فیاضی صرف داد و دہش تک ہی منحصر نہیں رہی بلکہ اس موقع پر علمی فیاضیاں بھی کیں، خوبصورت جلدوں کے مترجم قرآن مجید اور اپنی مؤلفہ کتاب "افضال رحمانی" اور متعدد کتابیں جن کی نفیس جلدیں اور سیٹ بندھے ہوئے تھے تقسیم کیں۔

پردہ اور ترک پردہ

مسلمان عورت اور پردہ ایک ایسا عنوان ہے جس کا تعلق ہر مسلمان کی انفرادی اور قومی زندگی سے ہے اور جو صدیوں سے ایک اہم مذہبی اصول و مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اسلامی تاریخ میں اس پر افراط و تفریط اور اعتدال کے تینوں دور گزر گئے ہیں۔ اور مختلف نتائج مترتب ہوئے ہیں۔

۱۔ حسب ذیل کتابیں تقسیم ہوئیں، سیرت عائشہ مؤلفہ سلیمان ندوی، الزہراء مؤلفہ مولوی راشد الخیری۔ رازحیات مؤلفہ خواجہ جمال الدین مرحوم۔ ترکی حرم ترجمہ غلام حیدر خاں صاحب۔ الصالحات مؤلفہ منشی محمد نعل ہاتھ ملازم دفتر تاریخ۔ بیاض گل مؤلفہ منشی سید محمد یوسف قیصر منصرم دفتر تاریخ۔

سرکار عالیہ کا اس مسئلہ کے متعلق خاص نقطہ نظر اور خاص طریق عمل رہا ہے جو حضور محمد صہ کے مراحل زندگی میں نمایاں ہے اور اس سے حقیقتاً مسئلہ پردہ پر نہایت زبردست روشنی پڑتی ہے۔
 عمل کے متعلق یہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ سرکار عالیہ نے بچپن کے ابتدائی سالوں یعنی ۱۶ برس کی عمر تک بغیر کسی قسم کے پردہ کے تعلیم پائی جس میں اخلاقی و ادبی مضامین کے ساتھ مذہبی تعلیم اور خصوصاً ترجمہ قرآن مجید اور سپاہیانہ عنصر بھی خاص طور پر شامل تھا۔ پھر ازدواجی زندگی اور دبّ العالمہ کی حیثیت سے محل کی چار دیواری میں بسر کی۔

جب سیر آراء کے حکومت ہوئیں تو پہلے دربار میں برقع و نقاب سے تشریف لائیں اور پھر یہ برقع و نقاب ہر ملک موقع اور ہر ملک تقریب اور ہر غیر محرم سے ملاقات میں قائم رہا حتیٰ کہ جب جلالتہا بہ خلیفۃ المسلمین سلطان محمد خامس سے ملنے کے لئے استنبول تشریف لے گئیں تو وہاں بھی یہ خصوصیت قائم رکھی۔

مگر حضور محمد صہ نے بحساب شہ شہی عمر کی اکھتر دین منزل میں پہنچ کر برقع و نقاب کو ترک فرما دیا۔ محل سے باہر جب تشریف لے جاتیں تو صرف چہرہ پر ضیاء المعنٰی نکلتا اور باقی تمام جسم ستر محل میں رہتا جس سبب کو پردہ شرعی کی مکمل تصویر کہہ سکتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت بیّنہ ہے کہ سرکار عالیہ نے اپنے اس سی سالہ دور زندگی میں صنفی ترقی و بہبودی کو خاص طور پر اپنا مطمح نظر رکھا۔ تقریباً تمام اقطار ہند کا سفر کیا، مصر و عرب، یورپ اور ترکی کی سیاحت فرمائی اور ہر جگہ انسانی ترقی و منزل کا بغور ملاحظہ کیا۔ تمدنی و معاشرتی حالات آزادی نسواں کے نتائج اور ذمائم و محاسن غرض ہر محلی و جزئی حالت کو عمیق نظر سے مشاہدہ فرمایا اور اس ملاحظہ و مشاہدہ اور تجارب سفر سے جو رائے قائم کی اور جو خیالات پیدا ہوئے اور جن نتائج کو اخذ کیا انھیں وقتاً فوقتاً پبلک اسپیسوں میں ظاہر بھی فرما دیا جن کا مغرب سخن ان صفحات میں بھی موجود ہے۔

سرکار عالیہ نے اس مسئلہ پر ایک معرکہ الآرا کتاب ”عفت المسلمات“ بھی تالیف فرمائی جو پردہ کے متعلق منقولی و معقولی حیثیت سے جامع و اکمل ہے لیکن اس تین سال میں اس عفت کے تجربہ نے جو مسلمانوں میں بن حدیث القوم تعلیم نسواں کی طرف سے ہے سرکار عالیہ کو

اس طرف مائل کر دیا کہ مسلمان عورتیں پردہ مرد جب کے لئے مکلف نہیں۔

ہندوستان کا یہ پردہ درحقیقت مردوں کے استبداد اور تسلط کی یادگار ہے جس کو احکام شرعی کی تاویلات کر کے مضبوط کر دیا گیا ہے جس نے اُن پر اس تسلیم کا دروازہ جو انسان کی انسانیت کے لئے لازمی ہے بند کر دیا۔ وہ قدرت کے اُن مشاہدات اور عینی تجربات مرد ہوئیں جو انسان کی تکمیل انسانیت کے لئے ضروری ہیں اُن کی صحت تباہ ہو چکی ہے اور قوائے جسمانی پیدائشی طور پر مضحمل ہو گئے ہیں۔ ان میں اس قسم کی نزاکت پیدا ہو گئی ہے کہ جس نے اُن کے دلوں سے ہمت و جرأت کو نکال کر خوف اور دہم پیدا کر دیا ہے حتیٰ کہ وہ ایک خفیف خطر کا مقابلہ نہیں کر سکتیں وہ اس پردہ مرد جب کی وجہ سے فرائض تک ادا کرنے سے قاصر ہو گئی ہیں۔ ان کو وسعتِ معلومات اور تعلیم نظری کا کوئی موقع نہیں رہا۔

جو اولوالعزم خواتین قومی و ملی ارتقاء، تمدنی و معاشرتی اصلاحات اور اشاعتِ تعلیم میں حصہ لے سکتی ہیں اور اپنی علمی کوششوں سے قوم کی رفتار ترقی کو تیز کر سکتی ہیں اس پردہ مرد جب کی وجہ سے مجبور محض ہیں۔

بلاشبہ ان کو اسلام کی اُن رعایتوں کا فائدہ اٹھانا چاہیے جو چہرہ اور کفین کھولنے کے متعلق ہے اور یہی وہ حد اعتدال ہے جس کو شریعت حقہ نے قائم کیا ہے اور جس کی مظہر کامل کلمہ تعالیٰ کی ذات والا صفات تھی۔ اس کے آگے افراط کی حد ہے جس کا احکام الہی سے گور دانی کے بغیر عبور ناممکن ہے۔



علالت اور وفات

علالت | آخر سالہ ۱۹۲۹ء تک سرکار عالیہ کی صحت بہت اچھی تھی حسب معمول تمام مشاغل جاری تھے اور چونکہ مختلف معاملات میں ذاتی کاشت بھی شروع کر دی تھی اس کے ملاحظہ کے لئے اکثر صبح اور کبھی کبھی شام کو موٹر میں تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ باغ ضیاء الابصار میں معمولاً چہل قدمی بھی فرمایا کرتی تھیں لیکن دسمبر میں کچھ طبیعت ناساز ہوئی۔ بظاہر سوائے ہضم اور خرابی معدہ کی شکایت تھی۔ پھر کچھ دنوں بعد انفلوئنزا کا اثر محسوس ہوا جس کے بعد روز بروز طبیعت مضطرب ہوئی گئی اسی زمانہ میں بمقام دہلی بے بی دیک کا جلسہ تھا اس میں ہرکلسنی لیڈی اردن نے شریک ہونے اور اپنے خیالات عالی سے مستمع کرنے کے لئے خاص طور پر مدعو کیا تھا۔ اس وقت طبیعت کی حالت اتنی اعتدال پر تھی کہ ایک موٹر اور پرمعنی تقریر تیار فرمائی اور دہلی روانہ ہو گئیں مگر دہلی پہنچ کر طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ اور انفلوئنزا کا ایسا سخت حملہ ہوا کہ مشیرانِ طبی نے کامل سکون اور قطعی آرام کا مشورہ دیا۔ اس دوران میں بے انتہا ضمحلال ہو گیا۔ اس کے بعد پھر طبیعت اصلاح پراگئی اور آغازِ فردی میں مراجعت فرمائی۔

چونکہ رمضان المبارک کا ہینہ تھا طبیعت بھی کسی قدر اچھی تھی اور اتنی قوت محسوس فرمانے لگی تھیں کہ ۷ رتنا ۱۰ ہر رمضان المبارک مسلسل روزے رکھے حسب معمول عید گاہ میں دُعا عید ادا کیا۔ اپنے مقررہ کاموں میں بھی مصروف رہتی تھیں۔ باغ میں چہل قدمی بھی فرماتی تھیں۔ موٹر میں ہوا خوری یا زراعت کے معائنہ کے لئے بھی تشریف لے جاتی تھیں۔ تاہم کچھ نہ کچھ شکایتیں پیدا اور رفع ہوتی رہتی تھیں۔

ساعتِ آخری کا انتظار اور اگر اب یہ حالت ہو گئی تھی کہ باتوں باتوں میں کوئی نہ کوئی حیاتِ انسانی کا مفہوم | ایسی بات کہہ جاتی تھیں کہ گویا وقتِ موعودہ کا انتظار | اگر رہی ہیں۔

وہ ابتدا سے ہی انسانی زندگی کی حقیقت کو کا حلقہ سمجھتی تھیں چنانچہ ۱۹۰۸ء میں جب تزک سلطانی تالیف فرما رہی تھیں تو ایک موقع پر لکھتی ہیں کہ:-

”فی الواقع جو انسان چشم بصیرت رکھتا ہے وہ انسانی زندگی کو مثل حجاب کے سمجھتا ہے اور دنیا کو ایک مسافر خانہ جانتا ہے اور حیات دنیوی کو ایک لہو و لعب سمجھ کر زندگی آخرت کو ہی مقصود آفرینش سمجھتا ہے وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَكَيْسَى الْحَيَوَانُ طُوكَا ذَا لَيَعْلَمُونَ“

تصوٹ کی طرف توجہ | پھر آخر عمر میں حوادث و آلام اور صوفیائے کرام کے مطالعہ حالات نے طبیعت کو تصوٹ کی طرف زیادہ مائل کر دیا تھا۔ اُس زمانے کے تمام حالات پغور کرنے والے اصحاب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ سرکارِ عالمیہ کچھ عرصہ سے مقاماتِ سلوک طے فرما رہی تھیں اور اُن کے قلب میں تقربِ الہی کا ذوق و شوق بڑھ رہا تھا اور یہی باعث تھا کہ بعض اوقات مراقب بھی رہتی تھیں۔

عملِ جراحی اور حلت | بہر حال یہ شکایات جو اس عرصہ میں پیدا ہو گئی تھیں ڈاکٹروں کی تشخیص میں گال اسٹون کے سبب سے تھیں چنانچہ میجر ڈاکٹر سید عبدالرحمن اسٹان سرجن، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور میجر باٹ کے مشورے سے اپریشن کیا جانا قرار پایا۔ اور ارزدی الحج کو ایسے دن کے وقت قصر سلطانی میں اپریشن کیا گیا جو بظاہر نہایت کامیاب ہوا لیکن شب میں طبیعت خراب ہو گئی اور لمحہ بہ لمحہ حالت متغیر ہی ہوتی گئی مگر سرکارِ عالمیہ باوجود انتہائی کرب و بے چینی اور تکلیف و ضحلال کے مطمئن نظر آتی تھیں۔

۱۳ ارزدی الحج کو جب ساعتِ آخریں قریب آگئی تو اعلیٰ حضرت اقدس کو اپنے پاس بلا کر فرمایا ”میں اب دنیا سے رخصت ہو رہی ہوں اور تم کو خدا کے سپرد کرتی ہوں“

ان دو اعمیہ کلمات کے چند ہی منٹ بعد روح مبارک نے جسدِ خاکی سے مفارقت کی اور اس وقت اطمینانِ قلب اور استقلال کی جھلک تھی وہ اس آیت کریمہ **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّاتِي** کی پوری مصداق تھی۔

تدفین اس سانچہ کی اطلاع ہوتے ہی ہر کہہ ذمہ کے دلوں پر رنج و ملال کی جو گھٹائیں چھائیں وہ آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت بن کر برسیں۔ مرد، عورتیں، بچے، جوان اور بوڑھے مسکین اور غریب، امرا اور عہدے دار اور اُن سب کے فرمانروا کے قلوب ایک ہی خیال ایک ہی ملامت اور ایک ہی رنج سے متاثر تھے۔

قصرِ سلطانی کے بیرونی میدان میں مخلوق کثیر جمع ہو گئی کہ اپنی مادرِ شفیع کی آخری خدمت کو بجالائیں اور اس کے مقدس جنازے پر گویا ہر بائے اشک سے نذرِ عقیدت پیش کریں۔

ہجے قصرِ سلطانی سے جنازہ باہر لایا گیا جس پر رضائے الہی کا نور برس رہا تھا اور نماز کے بعد مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب دفن کی گئیں یہ جگہ کچھ مدت پہلے خود تجویز فرمائی تھی اور جو راحت منزل اور قصرِ سلطانی کے درمیان واقع ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

حقیقت میں نہیں رہتا ہے کوئی جہاد داں باقی مگر رہ جاتی ہیں دُنیا میں اُس کی نیکیاں باقی جو یہ سچ ہے کہ اچھے لوگ دُنیا میں نہیں مرتے تو سلطان جہاں زندہ ہیں جب تک جہاں باقی بنے گا شعلِ راہ ہرے نقشِ قدم اُن کا قیامت تک رہیں گی اُن کی یہ ہر دیاں باقی

بے گاہِ قلبِ انسانی میں دُنیا کے سُرخ اُن کا رہیگا ہاں اسی گھر میں سدا روشن چراغ اُن کا

۱۰ سید محمد یوسف صاحب قیصر۔

تمام شد

نواب احتشام الملک علیجاہ نظیر الدولہ سلطان دُولہا

میر احمد علی خاں صاحب بہادر

نواب صاحب خاندان جلال آباد کے محترم بانی سالار میر محمد جلال خاں کی چھٹی پشت میں تھے آپ کے خاندانی حالات اور اعزازات جو حکومت سلاطین خاندان مغلیہ و گورنمنٹ برطانیہ میں ہوتے رہے تاریخ جلالی میں مفصل لکھے ہوئے ہیں۔ چونکہ راقمہ کو اختصار منظور ہے۔ اس لئے نواب صاحب کی ذاتی کیفیت لکھنے پر اکتفا کیا گیا۔

نواب صاحب موصوف بمقام جلال آباد باہر ربيع الثانی ۱۲۸۳ھ پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر تک وہیں نشو و نما اور تربیت پائی۔

۱۲۸۳ھ میں سرکار خلدشیش کے ہمراہ آگرہ سے بھوپال آئے۔ یہاں ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا۔ نیز فنون سپہ گری کے ماہرین ان کی اُستادی کے لئے مقرر ہوئے۔ تھوڑے عرصہ میں اعلیٰ استعداد حاصل کر لی۔

نواب صاحب خلعت، مُد پتہ، دلیر۔ اور خوش اطوار تھے وہ بہت خوش رو بھی تھے۔ جیسا کہ تصویر سے ظاہر ہوتا ہے، حلم بھی ان کی طبیعت کا دلیسا ہی جو ہر تھا جیسی کہ دلیری و خود داری۔ وہ وضع کے پابند تھے۔ ”ع“ تو واضح ذکر دن فرازاں کجاست“ پر ہمیشہ ان کا عمل تھا۔ ملازموں کی خطاؤں سے کچھ اس انداز کے ساتھ درگزر کرتے تھے کہ ان کے ملازموں کے دل میں اپنی خطا کی مذمت کے ساتھ ایک گرویدگی اور جوش احسانمندی پیدا ہو جاتا تھا۔ اپنے مخالفوں سے بھی درگزر کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔ اور نہ کبھی کسی اور وقت ان کو اپنی تکلیفات کے انتقام کا خیال آیا۔

وہ اپنے بچوں اور خاندان میں ہمیشہ گل خنداں اور شگفتہ نظر آتے تھے جو اجنبی شخص ان سے

۱۔ نواب سر محمد نصر اللہ خاں بہادر مرحوم مغفور نے اپنے علمی مشق سے جلال آباد کی تاریخ مرتب کرانی بھی مگر ان کی اشاعت کی نوبت نہ آئی۔

ملتا تھا ان کے اخلاق کا شناخاں ہوتا تھا۔

وہ اپنے خاص خدام کے ساتھ بے انتہا لطف و مدارات کا برتاؤ کرتے تھے لیکن اُس میں بھی ایک خاص رعب شامل ہوتا تھا۔

ان کو شکار اور نشانہ بازی کا خاص شوق تھا۔ گھوڑے کی سواری بہت پسند کرتے تھے۔ چورنگ کے نہایت شائق تھے، اُن کا دل جوش تہور و شجاعت سے بھرا ہوا تھا۔ چونکہ وہ ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوئے تھے جو امن و امان کا ہے اس لئے بجز شکار کے اور کوئی موقع اپنی شجاعت دکھلانے کا نہ ملا۔ وہ خود ہی اپنی وسیع معلومات، دانشمندی اور عقل خدا داد سے فائدہ حاصل نہیں کرتے تھے بلکہ مجھے بھی اس میں برابر کا شریک کرتے تھے۔ لباس و غذا میں فضول اور نمائشی تکلفات کو قطعاً ناپسند کرتے تھے۔ ضوابط اوقات کے نہایت متعدی کے ساتھ پابند تھے۔ ان کو تعمیر مکانات سے خاص طور پر لچھی تھی، چنانچہ عمارت ”باغ حیات افزا“ اور ”صدر منزل“ جو اہم باسی ہے (کیونکہ میری صدر نشینی کابلہ اسی میں ہوا تھا) انکی خوش سلیقگی اور عمارتی دل چسپی کے نمونے ہیں۔ یہ باغ اور محل میرے زمانہ ولیعہدی میں میری اور اُن کی جاگیر سے تیار ہوئے ہیں۔

قدرتی مناظر کے نظارے اُن کو بہت پر لطف معلوم ہوتے تھے۔ اور اکثر اپنی جاگیر کے موضع ”سروہ“ میں جہاں اُنھوں نے ایک مکان شکار کی ضرورت سے تیار کرایا تھا ہفتوں قیام کرتے تھے۔

ضیاء الدین کی ٹیکری، جہاں میں نے ”قصر سلطانی“ بنایا ہے ان کو نہایت پسندیدہ تھی۔ اسی واسطے وہاں کی مجموعی آبادی کا نام میں نے ”احمد آباد“ رکھا ہے جو حقیقتاً ایک دلچسپ منظر اور فضا کی جگہ ہے۔ وہ اپنے اُس درجہ اور مرتبے کو جو میرے برنوہر ہونے کی حیثیت سے اُن کو حاصل تھا اچھی طرح سمجھتے تھے اور اس کا لحاظ کرتے تھے کبھی ظاہر و باطن میں اپنے درجہ اور مرتبے کے خلاف کوئی امر نہیں کیا۔

وہ میرے سچے مددگار تھے اور مجھے ہمیشہ اُن کی اصابت رائے اور بیدار مغزی کا تجربہ حاصل ہوتا رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ اُن کے تجربوں سے مجھے بہت سی قیمتی فوائد حاصل ہوئے۔

اکثر لیکل افسروں کو انکی قابلیتوں کی آزمائش کا موقع ملتا اور ہمیشہ ان کی نسبت عمدہ رائے قائم کی گئی۔ کرنیل ”بار صاحب بہادر“ و ”مجرمیل صاحب بہادر“ انجینٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا اُن کے متعلق خاص رائے رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ:-



نواب سلطان دولہ احقشام الملک عالیجناب احمد علی خان بہادر

”اگر وہ انگلستان میں ہوتے تو سلطنت کے اہم امور کے انتظام کے قابل ہوتے اور پولیٹیکل

مدبروں کے زمرہ میں اُن کا نام لیا جاتا۔“

ان میں گوہر باری اور تحمل کی نہایت نمایاں صفت تھی، لیکن وہ اپنے اعزاز اور شان کے منافی کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

میں اس موقع پر بلا خوف تردید یہ بھی کہتی ہوں کہ میرے خاندانی جھگڑوں میں جو پولیٹیکل قالب میں ڈھل گئے تھے انھوں نے نہایت دانشمندی سے کام لیا اور کبھی کوئی امر ایسا نہیں کیا، نہ تجھے ایسی ترغیب دی جس سے کوئی جھگڑا پیدا ہو یا کسی معاملہ میں طوالت ہو جائے۔

اسی وجہ سے مخالفوں کو باوجود کوشش کے کوئی موقع نہ ملا وہ ہمیشہ ان ناگوار تنازعات پر تاسف دیتے تھے۔ سرکارِ خلد مکاں کی محبت اور ادب ایک سعادتِ مند بیٹے کی طرح اُن کے دل میں جا گزیں تھا اور جب تک یہ جھگڑے نواب صدیق حسن خاں صاحب نے برپا نہیں کئے تھے سرکارِ خلد مکاں بھی مادرانہ طور پر خیال و شفقت فرماتی تھیں۔

نواب صاحب کو ہمیشہ اس بات پر فخر تھا اور خدا کا شکر کرتے تھے کہ اُس نے اُن کو حاسد نہیں کیا بلکہ محسود بنایا ہے۔

انھوں نے اپنے مکامِ اخلاق اور عمدہ عادات و صفات اور اعلیٰ قابلیتوں سے ثابت کر دیا کہ سرکارِ خلد نشین و خلد مکاں کا انتخاب بدرجہ کمال اعلیٰ اور افضل تھا۔

چنانچہ انھیں کی بیش بہا تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے جو اُن کے صاحبزادوں میں عمدگی کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ (تذکرہ سلطانی صفات ۹۶ تا ۹۹)

میں اپنی کتاب کی پہلی جلد (تذکرہ سلطانی) میں صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں کے کلامِ مجید حفظ کرنے محراب سنانے اور نواب صاحب بہادر کی خاص خوشی اور شوق کا ذکر کر چکی ہوں۔ اب ان کی بڑی خوشی یہ تھی کہ صاحبزادہ موصوف کے ختم کلامِ مجید کے ردِ زبڑے و صوم و هام سے تمام اخوان و اراکین ریاستِ مسوزین وغیرہ کو جو پہلے شریک نہ ہو سکتے تھے اس موقع پر شریک کر کے ریسانہ تقریب کریں کیونکہ پہلے جو تقریب کی تھی اس میں بسبب سرکارِ خلد مکاں کی کشیدگی کے وہ اپنا حوصلہ نکال سکے تھے۔ موتی محل کے سامنے والے میڈن میں ایک بڑا شامیانہ نصب تھا جس میں سامعین کے آرام و انظار اور کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔

اداءِ رمضان المبارک ہی سے صاحبزادہ محمد عبید اللہ ناناں برابر محراب مساتے تھے درہنایشان کیساتھ نماز تراویح ادا ہوتی تھی۔

نواب صاحب اعلیٰ اوصاف سپاہیانہ بھی رکھتے تھے۔ اس لئے سب پہلے ان کی توجہ رسالہ اردو کی خاص کی طرف مبذول ہوئی۔ انھوں نے طرح طرح کی وردیوں کے نمونے منگو کر ایک عمدہ وضع کی وردی انتخاب کی۔ امپریل سروس ٹرپس سے کپتان عبدالقیوم خاں کی خدمات کو رسالہ کی دوستی اور اسکو باقاعدہ بنانے کیلئے منتقل کرنے کی تجویز سیکرٹری کے سامنے پیش کی جس کو میں نے منظور کیا۔

چونکہ عید الفطر قریب تھی اور میرا عید گاہ میں جا کر نماز عید میں شریک ہونا ضرور تھا اسلئے خود عید گاہ ملاحظہ کرنے گئے۔ غرض ۱۲ رمضان المبارک شنبہ کو شب ۱۲ بجے تک وہ کام میں مصروف تھے منشی خوشی لال سے جو رو بکاری کے منشی تھے اس شب کو احباب و اعزاء کو خطوط اذن، شرکت دعوت کیلئے لکھوائے۔ میں نے بھی بارہ بجے رات تک کام کیا۔ ایک بجے کے قریب میں نے اپنی پیش خدمت کو بھیجا کہ جا کر دیکھ کہ نواب صاحب کام سے فارغ ہو گئے یا نہیں۔ تاکہ میں ایک فہرست کے متعلق ان سے مشورہ کر لوں۔ اُس نے آکر جواب دیا کہ ہنوز کام کر رہے ہیں۔ چونکہ رات زیادہ ہو چکی تھی میں اپنے کمرہ میں جا کر سو گئی۔ ۲ بجے پیش خدمت نے مجھے یہ کہہ کر کہ ”سحری کا وقت ہو گیا ہے“ اُٹھایا۔ جب میں بیدار ہو گئی تو مجھ سے کہا کہ ”نواب صاحب نہیں اُٹھتے ہیں۔“ میں خود گئی کہ ان کو اُٹھاؤں، آواز دی ”نہ جاگے۔“ پھر دوبارہ سہ بارہ آواز دینے پر بھی نہ جاگے تو ایک نامعلوم صدمے نے میرا دل بٹھا دیا میں نے غور کر کے دیکھا تو نفس کی آمد و شد اور نبض کی حرکت بند تھی۔ فوراً نواب محمد نصر اللہ خاں اور صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں کو طلب کیا گیا۔ وہ دونوں گھبرائے ہوئے آئے۔ پہلے کرنل صاحب آگئے تھے۔ انھوں نے دریافت کیا کہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ نواب صاحب کو کچھ نبض ماقط اور نبض بند ہے۔ اتنے میں نواب محمد نصر اللہ خاں محل سے آگئے انھوں نے یہی سوال کیا اور وہی جواب دیا۔ دونوں پر عالم سکوت وحیرت طاری تھا اور سخت صدمہ تھا۔

میں نے نواب محمد نصر اللہ خاں سے کہا کہ ”ضبط و صبر کرو اور تم حکیم سید نور الحسن اور ڈاکٹر ولی محمد (ذیلی ڈاکٹر) اور وزیر صاحب کو بلاؤ۔“ انھوں نے ان سب کو فوراً بلوایا۔

نواب صاحب جنت آرام گاہ کی ہمشیرہ صاحبہ کو اطلاع دی گئی۔ سب پہلے حکیم سید نور الحسن آئے۔ انھوں نے علامات مکتہ کو دیکھنا شروع کیا اتنے میں ڈاکٹر ولی محمد بھی آگئے انھوں نے بھی اُلے لگائے گو مجھے اُن کی

موت کا یقین کامل ہو گیا تھا لیکن ایسی حالت میں کچھ بھی امید پیدا ہو جاتی ہے وہی امید مجھے اس جملہ کے سننے کیلئے مضطرب کئے ہوئے تھی کہ سانس باقی ہے اور نبض کی حرکت جاری ہے لیکن یہی آواز آئی کہ جو کچھ خدا کا حکم ہوتا تھا ہو چکا۔

ان الفاظ نے بالکل امید منقطع کر دی اور وہ صدمہ پہنچا یا جو بیان نہیں ہو سکتا۔ دراصل صدمہ کا لفظ قلم سے لکھا جاسکتا ہے اور زبان سے بولا جاسکتا ہے لیکن نہ اُسکی حالت تلفظ سے ادا ہو سکتی ہے اور نہ کسی طرح تحریر میں آ سکتی ہے۔ اسی عرصہ میں منادی سحر کی توپ چلی اور برب روزہ دار ہو گئے۔

ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسے وقت میں جب کہ سچے مشیروں اور قابل ہمدردوں کی مجھے سخت ضرورت تھی ایک ایسے بیدار مغز خیر خواہ گرامی قدر مشیر کا جس نے ۲۷ سال ہر طرح کی رفاقت اور خیر غاہی میں میرے ساتھ بسر کئے اور جس سے زیادہ دُنیا میں کوئی عمدہ اور قابلِ مشیر نہ تھا۔ خانگی معاملات اور ریاستی انتظامات میں جیسی اعلیٰ اور صائب اُنکی انھوں نے دیں اور جیسی دسوزی کے ساتھ میری ہمدردی کی اُس کا کامل اندازہ میرا ہی دل کر سکتا ہے پس اس کا یکایک انتقال کر جانا میرے لئے کیسا سخت اور دل شکن اور غم انگیز حادثہ تھا۔

اگر ہم غمناک حادثات کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہم کو بہت حادثے ایسے ملیں گے جو خدا کے نہایت نیک اور برگزیدہ بندوں پر گذرتے ہیں اور اُن سے محض قضاائے الہی پر صبر کی آزمائش مقصود ہوتی ہے۔ دراصل خداوند کریم انسانوں کے صبر کی آزمائش صدقات اور تکالیف سے کیا کرتا ہے اگر انسان اس آزمائش میں جو صبر کا حقیقی مفہوم ہے پورا اُترتا ہے تو وہ کامیاب سمجھا جاتا ہے اور خدا اُس کو اپنی محبت اور رحمت کی خوش خبری ان مقدس الفاظ میں دیتا ہے وَلَنبُوْنَكَ مِنْ بَيْنِ مَنْ الْخَوْفُ وَالْجُوعُ وَفَقْصُ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالْأَمْوَالِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ اُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ۔

مجھے پروجین شکلات کے وقت یہ سخت حادثہ گذرا وہ دراصل میرے صبر کا امتحان تھا میں نے خدا کی مرضی پر صبر کیا اور قضاائے الہی کے سامنے سرجھکا کر آیات کریمہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل (و) نعم المولے و نعم النصیر کو اپنا اور دیکھا جو میرے دل کو اطمینان دیتی تھیں کیونکہ خدا نے عزوجل فرماتا ہے اَلْاَبْدَانِ اللّٰهُ تَطْلُبُ الْقُلُوْبَ۔

محل کے تمام آدمی جمع تھے۔ وزیر صاحب ریاست خبر پاتے ہی ہراسیمہ اور پریشان آئے نواب صاحب کی لاش دیکھ کر بے اختیار منہ سے آہ نکل گئی صاحبزادے باپ کے جذبے جان کے پاس بیٹھے تھے پہروں پر پڑ مڑگی چھانی ہوئی تھی اور آنکھوں سے اشک جاری تھے۔

صاحبزادہ حمید اللہ خاں جن کی عمر سات سال کی تھی اس وقت آرام میں تھے ان کو اس حادثہ کی خبر ہی نہیں کی گئی کیونکہ اس امر کا بڑا اندیشہ تھا کہ ایسی حالت میں اٹھانا ان کے نازک دل کو سخت صدمہ پہنچائے گا۔ مگر جب وہ صبح کو اٹھے تو انھوں نے اپنے آپ کو دنیا میں یتیم پایا۔ اس وقت اس یتیم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہونا اور پسینے باپ کی شفقتوں کو یاد کر کے آہ سرد بھرنا اور بھی بجلی کا کام کرتا تھا۔

دونوں بڑے بھائی (نواب محمد نصر اللہ خاں اور صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں) اپنے چھوٹے بھائی کو تسکین دیتے دیتے خود آبدیدہ ہو جاتے تھے میسر دل کا صدمہ اس حسرت کے اور بھی بڑھ جاتا تھا کہ نہ علاج کا موقع ملا اور نہ تیمارداری کا۔

نواب صاحب اگرچہ نہایت نیک تھے لیکن ان کی قسمت میں بجز خانگی خوشیوں کے جو میری ذات اور اولاد سے وابستہ تھیں کسی قسم کی مسرت نہ تھی۔

بچپن میں ہی سب سے زیادہ ہریان اور مڑتی سرکار خلدیش کا داغ نصیب ہوا۔ ان کے بعد اگرچہ اسی طرح سرکار خلدیکاں کی شفقت کا لطف حاصل رہا لیکن تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ نواب صدیق حسن خاں کی کاوشوں نے ان کی تمام خوشیوں کو تلخ بنا دیا۔ پھر نہ سرکار خلدیکاں کی شفقت رہی نہ محبت۔

جب میں صدر نشین ہوئی تو اب ان کی قابلیتوں کے جوہر ظاہر ہونے اور حوصلوں کے بھٹکنے کا وقت آیا ہوتا کہ کیا ایک انتقال ہو گیا۔ اور عین خوشی کے ایام اور سر کے زمانہ میں جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہوا انھوں نے دنیا کو چھوڑا۔ سفیدہ سحر منور ہونے سے پہلے ہی پہلے تمام شہر میں یہ غناک خبر مشہور ہو گئی لیکن لوگوں کو یقین نہ آتا تھا اور وہ جوق جوق صدر منزل پر آتے تھے اور جب اس خبر کی تصدیق ہوتی تھی تو ایک آہ بھر کر اور صدائے واحترام بلند کر کے وہیں ٹھہر جاتے تھے غرض اندر و باہر نالہ و شیون کی صدائیں بلند تھیں اور ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ صاحب پولیٹیکل ایجنٹ کو صبح چار بجے ہی اس حادثے کی اطلاع بذریعہ تار کی گئی۔ نواب صاحب کا پیا ہوا پانی (جو ایک گلاس میں پی کر چھوڑ دیا تھا) آدھا جلا ہوا سگار پینے کا تبا کو سب سر بہر حفاظت سے رکھوا دیا گیا تاکہ اس کا کیا وی امتحان کیا جائے۔ گیارہ بجے پولیٹیکل ایجنٹ بھوپال پہنچ گئے اور سیدھے محل پر آئے ان کے

ہمارا مس بلائنگ لیڈی ڈاکٹر تھیں۔ انھوں نے بھی آلہ لگا کر دیکھا اور یہ مرض تشخیص کیا کہ ذراسی شہرگ کسی وجہ سے پھٹ گئی اُس کا خون آہستہ آہستہ دماغ میں پہنچا جس سے نیند کو غلبہ ہوا اور آخر میں دل کمزور ہو گیا اور اس کی حرکت یکا یک بند ہو گئی۔

چار بجے ڈاکٹر ڈین صاحب آگئے انھوں نے ان چیزوں کو کمیکل ایگزامینیشن (امتحان کیمیائی) کیلئے مہیجی اور آلات سنکر یہی تشخیص کیا کہ دل تو پہلے ہی سے کمزور تھا اب کسی صدمہ پہنچنے سے اس کی حرکت بند ہو گئی۔ چونکہ ڈین سے جو دل کا سیدھا کان ہے خون نکل کر دماغ کو گیا اور وہاں جا کر جتنا شروع ہو گیا اس سے نضر (جھنجھکی) سے نیلا ہٹ شروع ہو کر ہاتھ اور بازو پر دوڑ گئی چہرہ بھی نیلا ہو گیا۔ خون کے زور کے سبب منہ پر دم آگیا۔ تمام بدن میں نیلے نیلے دھبے پھیل گئے تھے۔ امتحان کیمیائی سے ان چیزوں میں کوئی مضر دھنلاک شے نہ پائی گئی۔ دراصل وہ سات سال سے درد قلب کی شکایت رکھتے تھے ذرا ہنسا پر چڑھنے یا گھوڑے پر سوار ہونے یا معمول سے زیادہ محنت کرنے میں خفیف سادروہونے لگتا تھا۔ کئی مرتبہ ڈاکٹر جوشی اور ڈاکٹر ڈین صاحب وغیرہ کو بھی دکھایا مگر انھوں نے کوئی مرض تشخیص نہیں کیا اور یہی کہا کہ کچھ نہیں ہے۔ لیکن وہ کمزور و خفیف ہوتے جاتے تھے۔ ان کی چونکہ صاحبزادی بلیقیس جہاں بیگم اور صاحبزادی آصف جہاں بیگم کی علالت میں بڑے بڑے نامی اطباء اور ڈاکٹروں سے صحبت رہی تھی اور وہ خود بھی اوقات فرصت میں طبی معلومات بڑھاتے رہتے تھے اس لئے ان کو اپنی حالت سے ہمیشہ خطرہ رہتا تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ میری موت اسی میں ہوگی۔ ہم لوگ کہتے کہ یہ دہم ہے اور اس خیال کو ان کے دل سے دُور کرنے کی کوشش کرتے۔ درد کو ضعف معدہ کے سبب سے دردیابی سمجھتے۔ انتقال سے تین برس قبل درد میں کمی ہو گئی تھی۔ کمزوری جاتی رہی تھی اور قوت عود کر آئی تھی۔ اُن کو بھی یقین ہو چلا تھا کہ رفتہ رفتہ صحت کامل ہو جائے گی۔

میری صدر نشینی کے بعد باوجود محنت محنتوں کے صحت اچھی تھی اور مرنے سے چار پانچ دن پہلے بھی کہا کہ اب مجھے بہت خفیف دردمسوس ہوتا ہے امید ہے کہ یہ بھی رفتہ رفتہ جاتا رہے گا۔

۲۰ رمضان کو ۲۰ سیر وزن کی چیز ایک ہاتھ سے اٹھا کر پھینکی، میں اتفاق سے کھڑی تھی دیکھا کہ رنگ زرد ہو گیا اور پسینہ آگیا۔ میں منہ دیکھ کر چپ ہو گئی کیوں کہ جب ان کو کسی ایسے کام سے جو قوت کا ہوتا تھا منع کیا جاتا تو ناگوار گذرتا تھا۔ دوسرے دن صبح کو اسی شانہ میں جس سے وزن پھینکا تھا درد بتایا۔

انتقال کے دن درد جاتا رہا تھا اور طبیعت صاف تھی روزہ افطار کرنے کے بعد کھانا کھا کر دالان

میں بیٹھے تھے۔ ایک عرب عبداللہ بن تمیم نامی گھوڑے لائے تھے۔ ان کے متعلق بہت دیر تک باتیں کرتے رہے میری طبیعت کسل مند تھی۔ کہنے لگے کہ آپ روزوں سے تھک گئی ہیں۔

وہاں سے اٹھ کر سائبان کے نیچے بیٹھ گئے حالانکہ جاڑے کا موسم تھا اور سخت سردی تھی لیکن ایک گھنٹے بیٹھے رہے میں نے کئی مرتبہ اٹھنے کو کہا مگر گھوڑوں کے شوق اور باتوں میں نہ اٹھے مجبور ہو کر میں کام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ میرے آنے کے ایک گھنٹے بعد اٹھ کر وہ بھی ہالوں منزل میں جواباً جنازہ حمید اللہ خاں کا رہائشی محل ہے اگر کام کرنے لگے۔

بارہ بجے کے بعد کسی قدر آسائش لینے کے واسطے تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ کیونکہ تھوڑی دیر بعد سحری کے لئے اٹھنا تھا۔ لیکن وقت آپہنچا تھا اسی حالت میں رُوح پرواز کر گئی۔

میں نے صاحب پولیٹیکل ایجنٹ کے آنے کے بعد اس آخری کام کے لئے جو نہایت جاں فرسا تھا انتظام کیا جس کو ابھی عرصہ چھ ماہ کا گذرا ہے کہ اپنی والدہ معظمہ کے لئے کر چکی تھی۔

قریب تین بجے کے تہنہ تکفین ہو کر سب تیاری ہو گئی۔ چار بجے جنازہ جس پر فرشتگان رحمت سایہ کئے ہوئے تھے صدر منزل سے اٹھایا گیا اور باغ حیات افزا کو روانہ ہوا صاحب پولیٹیکل ایجنٹ بہادر و تاملی اعیان دار اکین درخایا جنازہ کی مشالعت میں تھے۔ عید گاہ قدیم میں نماز ہوئی اور باغ حیات افزا میں اپنی دونوں بیٹیوں (صاحبزادی یقیس جہاں نیگم اور صاحبزادی آصف جہاں نیگم) کے پاس دفن کئے گئے۔

دنیا میں بہت سی حسرت ناک موتیں ہوتی ہیں۔ لیکن ایسی حسرت ناک موت بہت ہی کم ہوتی ہے۔ تمام انتظامات تقریب درہم برہم ہو گئے تمام مسرتیں بخاک ہو گئیں، جو لوگ تعزیت ادا کرنے کو آتے وہ اسی خیمہ میں جس میں دعوت کا انتظام تھا بیٹھا کئے جاتے جس دن کہ ان کے سوگواروں اور عزاداروں کا ہجوم تھا وہ دن ختم کلام اللہ کی تقریب کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

انفوس انکی یہ آرزو بھی پوری نہ ہوئی اور محض انتظام میں ذرا سا نقص رہ جانے کے سبب ایک دن کے لئے ملتوی کی گئی تھی۔ دو سکر دن اُن کی موت کی وجہ سے نہ ہو سکی تیسرے دن صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں نے کلام حمید ختم کیا کیونکہ وہ ایک ضروری امر تھا لیکن نہ وہ روشنی لگائی اور نہ وہ خوشی تھی البتہ غیر معمولی خضوع و خشوع تھا اور اسی حالت میں کلام حمید ختم کر کے انھوں نے اس کا ثواب اپنے عزیز و شفیق باپ کی رُوح کو پہنچایا جن کو کلام پاک سے ایک دلی غربت و شوق تھا۔ (گوہر اقبال صفحات ۳۲ تا ۴۰)

فہرست مختلفہ مصنفات حضور مکر عالمیہ فردوس آشیان

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع	صفحات	کیفیت
۱	سبیل الجنان	مذہب	۴۶۰	
۲	عفت المسلمات	"	۲۰۶	
۳	ہدیۃ الزوجین	"	۸۱	
۴	سیرت مصطفیٰ	"	۱۵۸	
۵	مدارج الفرقان	"	۴۰	
۶	افضال رحمانی	"	۶۸	
۷	اسلام میں عورت کا مرتبہ	"	۴۸	
۸	فضائل شہور	"	۶۵	
۹	التربیت	اخلاق	۲۴	
۱۰	تربیت الاطفال	"	۱۴۸	
۱۱	اخلاق کی پہلی کتاب	"	۵۹۵	
۱۲	اخلاق کی دوسری کتاب	"		
۱۳	اخلاق کی تیسری کتاب	"		
۱۴	اخلاق کی چوتھی کتاب	"		
۱۵	باغ عجیب سے حصہ	"	۴۲۸	
۱۶	ہمدرد زندگی	"	۲۸۰	
۱۷	رہبر نواں	"	۳۶۲	
۱۸	مقصد از دواج	"	۸۰	
۱۹	معیشت	خانہ داری	۴۵۶	

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع	صفحات	کیفیت
۲۰	معاشرت	خانه داری	۲۵۱	
۲۱	فرائض النساء	"	۲۲۹	
۲۲	مطبخ	"	۲۰۸	
۲۳	فرائض باغبانی	"	۶۵	
۲۴	هدایات باغبانی	"	۱۲۸	
۲۵	تندرستی	حفظان صحت	۱۵۳	
۲۶	هدایات تیمار داری	"	۳۴	
۲۷	حفظ صحت	"	۱۳۹	
۲۸	درس حیات	"	۲۵۹	
۲۹	روضه الراحین	ساروخ و میر	۲۴۵	
۳۰	تزک سلطانی	"	۲۲۴	
۳۱	گوهر اقبال	"	۳۵۳	
۳۲	اختر اقبال	"	۲۵۴	
۳۳	ضیاء الاقبال	"	۵۲۶	غیر مطبوعه -
۳۴	حیات قدسی	"	۲۳۴	
۳۵	حیات شاهجهانی	"	۱۶۳	
۳۶	تذکره باقی	"	۹۲	
۳۷	حیات سکندری	"	۵۰۰	شرکت تالیف -
۳۸	خطبات سلطانی حصه اول	خطبات	۳۲۹	
۳۹	خطبات سلطانی حصه دوم	"	۵۰۰	غیر مطبوعه -
۴۰	سلک شهوار	"	۱۸۸	
۴۱	ترجمه آیین سکندری (الفن و ادب سکندریم)	نصائح	۱۲۸	

چند تاثرات

سرکار عالیہ کی شخصیت جلیلہ صفات جمیلہ اور اخلاق حمیدہ کے تاثرات قدرتی طور پر نہایت عمیق اور وسیع تھے اور جب کبھی خاص اہتمام کے ساتھ مکمل و جامع سوانح عمری مرتب ہوگی تو اس میں اُن تاثرات کا پورا جلوہ نظر آئے گا تاہم اس کتاب کے متعدد عنوانات میں کچھ نہ کچھ جھلک موجود ہے اور ذیل میں دیگر چند تاثرات جو نہایت دلچسپ اور پُر معنی ہیں اور ایک کے سوا مخصوص طور پر حیاتِ سلطانی کے ہی لئے مؤلف کی درخواست پر حاصل ہوئے نہایت شکرگزاری کے ساتھ مندرج ہیں۔

پہلا تاثر، ہندوستان کے کثیر الاشاعت اخبار ٹائمز آف انڈیا کے سابق و مشہور ایڈیٹر سر اسٹینلی ریڈ کے اس مضمون کا اقتباس ہے جو انہوں نے ۱۹۲۳ء میں اپنے زمانہ ادارت کی واقفیت و تجربہ کے لحاظ سے لندن کے اخبارات میں شائع کرایا تھا۔

دوسرا، الگزٹڈر ایملی صاحبہ کا ہے جو صوبہ دہلی کے چیف کمشنر اور پنجاب و صوبہ متحدہ کے گورنر سر مالکم ایملی کی بیگم صاحبہ ہیں۔
تیسرا، ہنرکسنسی لیڈی ولنگٹن کا ہے جو ان کے شوہر نائڈر ہنرکسنسی لاڈ ولنگٹن نے تحریر فرمایا ہے۔

ان جلیل القدر متاثرین کے سرکار عالیہ کے ساتھ دیرینہ روابط اور خاص مراسم تھے اور اکثر و بیشتر بے تکلفانہ ملاقاتیں رہتی تھیں۔

چوتھا، تاثر جناب زہرہ بیگم فیضی صاحبہ کا ہے جو بھٹی کے ممتاز خاندان فیضی کی ایک ایسی موقر و مہتمم خاتون ہیں جن کو اپنی علمی و قومی دلچسپی اور خدمت کے باعث عالم نسواں میں خاص اقبال و شہرت حاصل ہے اور بار بار بھوپال کے قیام میں اور دیگر مختلف

مواقع پر ان کو سرکار عالیہ کے اخلاق و اوصاف کا مشاہدہ و تجربہ ہوا ہے۔

(۱)

مغرب میں ہم لوگ مشرق کی عورتوں پر خواہ مخواہ ترس کھاتے ہیں کہ وہ پردہ کے اندر قید ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس نامناسب قید کی وجہ سے وہ مسائل زندگی میں کوئی حصہ نہیں لے سکتیں۔ لیکن جو لوگ ہندوستان سے واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں عورتیں کتنا زبردست اثر رکھتی ہیں اور اس کی بہترین مثال وہ عزم و استقلال والی خاتون ہیں جو اس وقت ہماری معزز جہان ہیں.....

تقریباً ایک چوتھائی صدی سے بیگم صاحبہ والیہ بھوپال نے فرائض حکمرانی کو تہمتا ہی فراست و تحکام اور عزم و استقلال کے ساتھ انجام دیا ہے۔ سات ہزار میل رقبہ کی مملکت جس میں سات لاکھ نفوس آباد ہیں اور ۳۵۰۰۰ پونڈ کا مالیہ یہی یہ مطلقاً انکے سپردگی میں ہے۔ نظم و نسق کے فرائض کی مسلسل مصروفیت بالکل پردہ اور خلوت میں بھر سراجام پاتی ہے جس وقت سے عمان حکومت انکے نازک مگر مستعد ہاتھوں میں آئی ہو اس وقت سے انتظام مستحکم اور معقولیت کے ساتھ ترقی پذیر ہے۔ کوئی نقص اس کے پاس نہیں آیا اور پبلک نے باوجود جستجو کے کوئی شکایت نہیں سنی۔ آپ برقعہ کے اندر ملفوف اور نقاب کا ندھوں کے نیچے تک پڑی ہوئی آزادی کے ساتھ اپنی رعایا کے لوگوں میں نقل و حرکت فرماتی ہیں۔ گو آپ کو اصلی فکر اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کی ہے تاہم آپ ہندوستانی سیاست کے وسیع تر مسائل میں بھی حصہ لیتی ہیں۔ حکومت کے بارے میں کوئی اہم فیصلہ بلا والیہ بھوپال سے مشورہ لئے ہوئے نہیں کیا جاتا۔ مرکزی حکومت ہند کے حلقہ میں آپ کا اثر بہت ہی زبردست ہے۔ (ایوان الیان میں) والیہ بھوپال کی ہمیشہ بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے اور آپ کا عاقلانہ اور تجربہ آموز مشورہ برقعہ کے اندر سے براہ راست یا کسی نمایندہ کے ذریعہ سے ایوان کو حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ بریں والیہ بھوپال اول تو ان مہتمم باشان فرمانرواؤں میں ہیں جنہیں

ہم بجا طور پر قلم و ہند کے مستحکم ستون کہتے ہیں۔ دوسرے اس لحاظ سے بھی کہ انھوں نے عمدہ مثال قائم کی۔ اپنے طویل دور حکومت کے تنہائی کے برسوں میں متغیر اور اکثر منتشر ہندوستانی حالات میں استحکام پیدا کرنے کی حامی رہیں اور یہ استحکام رجعت پسندانہ نہ تھا بلکہ مستعلاً مائل بہ ترقی اور ان کی رعایا کی ذہنیت و استعداد کے لحاظ سے موزوں۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم آپ کا بحیثیت ایک حاتون کے خیر مقدم کرتے ہیں یعنی ایک ایسی شخصیت جس نے اس کی درخشاں مثال مثال قائم کر دی کہ ہندوستان میں پردہ کے اندر رہ کر فرزانہ اور غم و استعلا والی خواتین کیا کارہائے نمایاں انجام دے سکتی ہیں۔ وہ منظر عام پر تو زیادہ نہ نظر آئیں گی مگر مسائل ملکی میں اپنا حصہ پورالیں گی اور اس کے نشر و اشاعت سے گریز کریں گی۔ جن لوگوں نے انھیں دیکھا ہو وہ ان کے نازک مگر مستحکم قدم و قامت پر ملکہ و کٹوریہ کی جوانی کی شباهت یاد کرنے لگتے ہیں۔

(اقبالیہ مضمون سر اسٹینلی ریڈ)

(۳)

میں ہر بائیس کو نہایت ہی عزیز اور مخلص دوست خیال کرتی تھی۔ جب ہم دہلی میں تھے تو دیگر اجاب کی طرح انھوں نے بھی اکثر ہمیں لکھا کہ چندے قیام کے لئے وہاں آنا چاہتی ہیں اور یقیناً وہ یہ محسوس کرتی تھیں کہ ہمارے یہاں وہ دو ایک خادموں کے ساتھ غیر رسمی طور پر آسکتی تھیں۔

وہ اپنی ہمت اُمور اور مشکلات صفائی کے ساتھ بیان کرتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا کہ ان کے گرد و پیش کے حالات غیر معمولی ہیں اور بعض معاملات میں وہ پریشان و متفکر ہیں۔ ان کی خاندانی روایات کا تقاضا تھا کہ رسوم قدیمہ کی پابندی ہو لیکن وہ خود طبعاً جدت پسند تھیں اور جدید طریقوں کے اتباع کی کوشش کرتی تھیں۔ طویل مدت حکمرانی اور مہتمم بالشان ذمہ داریوں کے سر انجام نے انھیں اشخاص و معاملات کافی روشناس کر دیا تھا اور فطری ذہانت و دقیق النظری کی امداد سے وہ اکثر پیش آمدہ مشکلات میں

روشنی و ہدایت حاصل کرتی تھیں۔ اُن کا دل جذباتِ محبت سے لبریز تھا اور اس جذبہ سے جو تعلقات پیدا ہوتے تھے اُن کا وہ ہمیشہ وابستگی کے ساتھ لحاظ رکھتی تھیں۔ درحقیقت میرا یہ خیال ہے کہ یہی محبت کا جذبہ اور اپنے اعزاء میں سے جس پر وہ اس کی بارش کرتی تھیں اس کی بہر صورت امداد کرنے کی خواہش اُن کی طبیعتِ ثنائیہ تھی بحیثیت مجموعی میرا خیال ہے کہ وہ کسی مجلس میں بھی ایک ممتاز خاتون سمجھی جاتیں۔

(دستخط) الگوینڈرا ایسلی

(۳)

نٹ لائنس پریس۔ ایس ڈبلیو

۳۱ دسمبر ۱۹۳۸ء

ڈیر مسٹر محمد امین:-

میری بیوی نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ جو خط آپ نے اُنھیں لکھا تھا اُس کا اُن کی جانب سے جواب لکھ دوں۔ اُس بلند پایہ خاتون یعنی مرحومہ بیگم صاحبہ بھوپال کے ساتھ ہمارے دوستانہ تعلقات تھے اُن کے بارے میں ہم حسبِ ذیل پیام بھیج رہے ہیں۔
خوش قسمتی سے اپنے دورانِ قیام ہند کے ابتدائی زمانہ میں ہمارا اُن سے تعلق ہو گیا۔ ہمیں خوب یاد ہے کہ وہ گورنمنٹ ہاؤس کی ایک پارٹی میں بھئی تشریف لائی تھیں اور ہمارے لڑکے کو لیکر اپنا ایڈی کاٹنگ بنالیا تھا اور باصرہ اُسے شام کی پارٹی میں اپنے ہمراہ رکھا۔ ہمیں اس کے بعد اپنا وہ خوشگوار دورہ بھوپال بھی یاد ہے جبکہ ہم نے یہ محسوس کیا کہ وہ نہ خود اپنی رعایا میں بلکہ سارے ہندوستان میں بہت ہی ہرولفر تھے وراثتیں۔ اور سب سے آخر میں ہمیں لندن میں اُنکا ورود بھی خوب اچھی طرح یاد ہے جبکہ اُنکے چھوٹے صاحبزادے کے وارث تحت و تاج ہونے کا مسئلہ زیر بحث تھا اور وہ یہ تہیہ کر کے گئی ہیں کہ اس مقصد میں کامیابی حاصل کے بغیر وہ واپس نہ ہونگی۔ چنانچہ اُنھیں کامیابی ہوئی۔

ہم دونوں سے اُنکے تعلقات مودت بہت ہی گہرے اور خلصانہ تھے۔ وہ نیک طینت خاتون تھیں اور ہمیشہ ایسے لوگوں سے محبت کرتی تھیں جو ملک کی بہتری کی خدمت انجام دیتے تھے۔ اُنھیں اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کی اور اُن کی حالت سدھانے اور وسائل تعلیم میں اضافہ کرنے کی ہر وقت فکر رہتی تھی۔ ہم دونوں مرحومہ کو ہمیشہ اس طرح یاد رکھیں گے کہ وہ ہندوستان میں ہماری خلص ترین دوستوں میں تھیں اور ایسی خاتون تھیں جو اپنی اعلیٰ صفات ذاتی، اعلیٰ رتبہ اور اثر و اقتدار کے لحاظ سے اُن تمام لوگوں کے لئے جنھیں خوش قسمتی سے اُن کے دوران قیام میں ہندوستان کے اندر رہنے کا موقع ملا۔ ایک بیش بہا نمونہ پیش کرتی تھیں۔ فقط

آپ کا نہایت ہی خلص

(ولنگٹن)

(۴)

حضورِ عالیہ ہر ماہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ فرماں روا اُسے بھوپال فرودس آشیاں نے اپنی کمال محبت اور ایثار اور باستاندگان بھوپال کی بہبودی کو مدنظر رکھ کر اپنے سامنے اپنے انتظام سے نواب محمد حمید اللہ خاں اپنے تخت جگر نور نظر کو اپنا جانشین بنایا تاج اپنے ہاتھوں میں تھام کر پہنایا اور آپ ریاست سے سبکدوش ہو گئیں وہ بڑے غم و حوصلہ کی بیگم تھیں۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ اپنے اقتدارات و بے کمر میں حیات بے اعتیار ہو جانا بہت مشکل ہی۔ مگر سرکارِ عالیہ نے جس طرح اس مشکل کو آسان کر کے دکھایا اس نے ایک دنیا کو متحیر بنا دیا۔

سرکارِ عالیہ نہایت ذی حوصلہ بیدار مغز سمجھے ہوئے خیالات کی مالک تھیں۔ اس کے ساتھ علم، انکسار، بردباری، نرمی، تواضع، دل داری، یہ سب باتیں آپ کے اوصاف میں شامل رہیں۔ آپ بچوں کی باتوں کو بھی خوشی سے سنتی رہتیں۔ اور بعض دفعہ زبانِ مبارک سے فرماتیں کہ بچوں سے بھی ضرور کوئی نہ کوئی بات حاصل ہو جاتی ہے۔ ان کو خاموش

نہیں کرو دینا چاہئے نہ بے طرح ٹوک دینا ٹھیک ہی۔ ورنہ ان کے حوصلے پست ہو جانے کا خوف ہوتا ہی۔

آپ کی باتوں میں ایک خاص اثر تھا۔ نہایت شگفتگی سے باتیں کرتیں۔ اور سامعین کو ایک خاص لطف پیدا ہوتا۔ گفتگوں آپ کی لطف آمیز باتوں میں وقت چلا جاتا۔ اور معلوم نہ ہوتا کہ کتنا سا وقت نکل گیا۔

سرکار عالیہ عورتوں کی دستگیری کو اپنی زندگی کے مقاصد کا جزو غنیمت سمجھتی تھیں امیر غریب، وورنر ویک کسی کو مشکلوں کا سامنا ہوتا۔ سرکار کی ماورائے شفقت اور عنایتانہ نظر فوراً یاد آتی اور بھائے دور سے انہی کی خدمت میں پہنچ جاتے اور ضرور کچھ نہ کچھ ہو کر رہتا۔

سرکار عالیہ کی زمانہ باری ہونے لگی ہوں کہ نبی ہو۔ قرآن پاک کے معنی سمجھو اور اپنے شوہروں سے اپنی حق طلبی کرو۔ تم کو خدا نے بہت کچھ حق دئے ہیں۔ اپنے جائز حقوق ان سے مانگو۔ حق تلفی اپنے ہاتھوں سے نہ کرو۔

سرکار عالیہ تبادلہ خیالات کی از بس شائق تھیں اور نہایت عقل سے اوروں کی سنتیں اور اپنی کتیں۔ مزاج ایسا واقع ہوا تھا کہ کیا کہوں آپ کے اوصاف حمیدہ تاج سلطانی کے سچے نیکنے تھے جن کی شعاعیں ہر طرف پھیلتی تھیں۔ ہمیشہ ہر ہائیں بزمِ جنا جنجیرہ کو آپ ہمیشہ راحت منزل میں ٹھیرا کر راحت حقیقی بخشتیں۔ آپ کے ہمراہ اکثر اوقات میں بھی ہوا کرتی تھی گفتگوں سرکار کی لطف آمیز باتوں سے بہرہ اندوز ہوتے پتے وہ زمانہ آنکھوں کے سامنے ہی۔ گو کہ وہ محفل درہم برہم ہو گئی افسوس !!

سرکار عالیہ ہمیشہ یہ پسند فرماتی تھیں کہ ہم لوگوں کا قیام متصل ہو۔ تاکہ ملنے جلنے میں آسانی رہے۔ راحت منزل قصر سلطانی کے احاطہ میں شامل ہی۔ اور یہ تمام وکال علاقہ احمد آباد کے نام سے موسوم ہی۔ سرکار بڑی زندہ دل اور ماضی خیاں بھی تھیں اور جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکی ہوں عورتوں کی دستگیری آپ کا خلقی ورثہ تھا۔ ہر کسی عورت کی مصیبت کے لئے وہ بیتاب ہو جاتی تھیں۔ اور ہر قسم کی تدبیریں بتلاتی تھیں۔

ایک وقت تشویش اور مشکل کے زمانے میں سرکار عالیہ نے بیلگہ مناجات و تسبیح بتلائی تھی۔ جو نماز صبح کے پڑھنے کے ۱۱-۱۱ دفعہ اول و آخر درود شریف کے ساتھ تھی۔ خدا نے بہت آسانی دی۔ تسبیح۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ يَا قَيُّوْمُ يَا اَللّٰهُ يَا فَرْدُ يَا وَثِقًا رَّحِيْمًا يَا وَارِثُ يَا وَاحِدُ يَا اَحَدُ يَا صَمَدُ يَا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ

میرا مطلب یہ ہے کہ تمام ریاست کے امور طے کرنے کا بار تو آپ کے ذمہ تھا ہی مگر اس قسم کی امانت حقیقی آپ کی طرف سے عجیب طرح کی تسکین کا باعث ہو جاتا۔ ایسے خلوص سے کہ ان کسی کو بتلا تا ہی۔ آپ کے خط بڑے پر لطف ہو اگر تے خطوں میں کسی کیسی باتوں پر آپ مباحثہ کرتے ہیں یا لطف سے تحریر فرماتے ہیں۔ آپ کا نوازش نامہ بڑا دلچسپ ہوا کرتا۔

حسب سابق راحت منزل میں ہمارا قیام تھا ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ بکھری میں تشریف فرما تھیں آپ کا انتظار کرتے ہوئے قصر سلطانی کی سہ دری میں بیٹھے۔ کیا دیکھتی ہوں کہ سامنے ڈھیروں کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ آپ کی مصاحبہ سے دریافت کیا کہ میں ان کتابوں کو دیکھ سکتی ہوں انہوں نے کہا ہاں ضرور میں نے ایک کتاب دیکھنی شروع کی۔ دیکھا کہ سرکار سے تعلق رکھتی ہے۔ ذرا سی دیر دیکھا اور سرکار تشریف لائیں۔ خیر کتاب کو چھوڑ آپ سے باتیں ہونے لگیں۔ کھانے کے بعد جب ہم لوگ واپس راحت منزل آئے۔ اور سو گئے سویرے سرکار عالیہ کی خدمت میں میں نے عرض کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ کل آپ کی خدمت میں جس وقت ہم لوگ آئے تھے تو وہاں خطبات سلطانی پر نظر پڑی کچھ پڑھا اور رگ گئی کہ اجازت بغیر کیسے آگے بڑھوں۔ اس وقت تو خاموش رہی مگر دل چاہتا رہا کہ ایک جلد اپنے پاس بھی ہو۔ بس اتنا لکھا اور روانہ خدمت کر دیا۔

بواپسی حاملہ دفعہ کے ساتھ وہی کتاب اور نہایت دلچسپ تحریر آپ نے روانہ فرمائی جس کا مضمون یہ ہے۔ عنوان اس طرح شروع کرتی ہیں۔

ندیا نالہ پر بھول آئی کنگنا۔ جو تم میرا کنگنا نہ دیو ورا کر مرنکی انگنا۔ میں بھول آئی کنگنا۔
پھر تحریر فرمایا۔

خواہر زہرہ بیگم صاحبہ آپ اپنا کنگنا لیجئے اور راز نہ کیجئے۔ نہ آپ ندیا پر گئیں۔ نہ
نالہ پر۔ صرف آپ کو راز کرنا تھا تو آپ اپنی ہم جنسوں کے نزدیک پھر کر آئیں گئیں۔
تاکہ خواہ مخواہ اُسے کچھ راز کروں۔ اچھا صاحبہ اپنی چوڑی لیجئے اور اپنی بہنوں کو
جو کچھ آپ کو آتا ہی سکھا دیجئے ورنہ وہ بھی کچھ ایسی بات پیدا کریں گی۔

(سلطان جہاں)

یہ تو ایک چھوٹا سا رقعہ تھا کہ جو آپ کی موزوں طبیعت کا نمونہ پیش کرتا ہے۔
سرکارِ عالیہ خوب سمجھ گئی تھیں کہ ہم لوگوں کو آپ کے ہر کام میں دلچسپی ہے۔ اسی لئے آپ نے
ایک اشارہ کر دیا کہ اپنی چوڑی لیجئے اور اپنی بہنوں کو جو آپ کو آتا ہی سکھا دیجئے۔ فوراً
ہمشیرہ نے بھی خواہش بتلائی، سرکار نے ہم دونوں کو اپنی تصانیف ڈھیروں غنائت
فرمائیں۔ اس کے بعد ایک اور بات مجھے سوچھی۔ میں نے عرض کیا کہ سرکارِ عالیہ ان
کتابوں کی نوازش بہت بڑی ہو سر آنکھوں پر مگر ابھی یہ کتابیں کچھ روکھی پھکی سی
ہیں۔ جب ہی یہ معراجِ کمال پہنچ سکتی ہیں کہ جب سرکار کے مبارک اور مختلف حالات
کے ساتھ ہی ساتھ ہر جستہ تحریریں ہوں تب ہی ہماری ملک مافی جاسکتی ہیں۔ ورنہ کوئی
بھی اُچک کر چلتا بنے گا۔ اس لئے میری مہربان شفقت تآب سرکار اپنے دست مبارک
سے اسے پوری جلا دیجئے۔ اس میری استدعا پر سرکار خوب ہنسیں اور کہا اچھا صاحبہ
کتابیں بھیج دیجئے کچھ نہ کچھ لکھ دوں گی۔ اور یہ فرمایا۔ آپ کے جیسے قدر دانوں کی
قدر میرے دلی میں ہے۔

اب ان کتابوں پر سرکارِ عالیہ کی بیش بہا تحریریں ہمارے پاس ہیں۔ اُن پر
جب نظر پڑتی ہے تب

دل میں اک دروٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہم کیا جانے کیا یاد آیا

خطباتِ سلطانی پر آپ نے اس طرح تحریر فرمایا ہے۔ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ
مِنْ عَشْرِكَ۔ خواہر نہ ہر ایک کو منجانب (سلطان جہاں)

کتاب بچوں کی پرورش۔ اس پر آپ نے تحریر فرمایا ہے: کس قدر مہربانی
کے الفاظ اس آیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِمَّنْ
إِمْلَاقٍ طَحْنُ نَزْزُقُكُمْ وَإِيَّاكُمْ۔ پرورش کا کفیل تو اپنی ذات کو
کمر لیا ہے۔ لیکن حفاظت کا ذمہ دار تم کو اس نے کر دیا ہے حفاظت کا ذمہ دار تم کو
اس لئے کر دیا کہ تم کو جو ہر عقل عنایت ہو اے۔ جو حیوان مطلق کو نہیں دیا۔ اس لئے
السان اشرف المخلوقات کہلائے جانے کے لائق ہوا۔ ورنہ جان تو حیوان مطلق
میں بھی ہے۔ بلکہ نباتات میں بھی بقدر ان کے پرورش ایک مادہ دے رکھا ہے جس
سے ان کی نمو اور پرورش ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انسان کی پرورش کو
تمام اشیاء نباتات اور حیوانات سے مشکل کر رکھا ہے۔ افسوس ہے کہ کیسے مشکل سے بچتے
پرورش پاتے ہیں۔ اور کیسے بعض زمانوں میں بے دردی سے فنا کر دئے جاتے ہیں
ایسی ہی حالت ان بے درددلین کی ہے۔ جو اپنی بے عقلی سے کیسے کیسے چمکتے بلبول
کو مثل جاب برآب کر دیتے ہیں۔ مانا کہ جو ہوتا ہے تقدیر سے ہوتا ہے۔ لیکن تم تو اس
جو ہر عقل سے کام لے لو جو تمہارے رب نے خاص تم کو عنایت کی ہے۔ بس اللہ ما
بَاقٍ كُلِّ قَائٍ۔ (سلطان جہاں)

یہ تحریریں آپ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ماشاء اللہ کیسے کیسے خیالات آپ رکھتی
تھیں آپ کا مثل ڈھونڈے نہیں مل سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ سے مستفید
رہیں۔ بس یہ دعا ہے۔

(زہرہ بیگم فیضی)



صحت نامہ کتابت

کتابت و طباعت کی غلطی ایک عام نقیصہ ہے اور لیتھوگرافی طباعت کے لئے تو یہ کچھ مخصوص ہو گیا ہے۔ باوجود کاپی اور پروف کی تصحیح اور درمیان میں فرمے دیکھتے رہنے کے بھی غلطی رہ جاتی ہے۔ پھر تصحیح میں بھی ہر شخص کو مہارت نہیں ہوتی کیونکہ بجائے خود یہ ایک فن ہے۔

مرکزوں اور نقطوں کی یاد و ران طباعت میں پتھر پر سے کسی حرف کے اڑ جانے سے جو غلطیاں ہوتی ہیں وہ چنداں قابلِ لحاظ نہیں البتہ جو نفسِ مضمون پر موثر ہوں ان کی صحت ضروری ہے۔

اعراب کی صحت ایک دشوار اور کٹھن منزل ہے اور جب تک کہ خاص اہتمام نہ ہو، اس سے عمدہ برائی مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بھی صحت کتابت کی ضرورت رہتی ہے۔ اور بلاشبہ جہاں تک امکان ہو صحت نامہ کے ذریعہ سے اس نقص کو دودھ کر دینا چاہئے۔

یہ نقائص اس کتاب میں بھی ہیں اور میں الحاج مولوی مقتدی خاں صاحب شروانی مالک شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ کاشمیر گزرا رہوں کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت صرف فرما کر اس نقص کے ازالہ کی کوشش فرمائی۔ جزاۃ اللہ خیر الجزاۃ۔
(مؤلف)

نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۱۴	سبعۃ	سَبْعَةٌ
۱۳	۱۶	لَا تُشْكِرُ + لَا تُشْكِرُ	لَا تُشْكِرُ مِثْلَ حَظِّ الْأُنثَيْنِ
۱۶	۲۲	شَيْءٍ	شَيْءٍ
۱۲	۱۲	إِقْدَارِ	إِقْدَارِ

نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۱	۵	سج	کج
"	۲۱	قاضی	قاضی
۳۲	۲۰	تکلی علی	تکلی علی مولانا
۴۵	۲	مسرد	مسرد
۸۱	۷	اور ڈے	اور ڈے
۸۵	۱۷	الفینٹ	الفینٹ
۸۹	۲۳	اومین	اولین
۱۰۲	۱۵	وايتاء	وايتاء
"	۱۶	وامتکر	وامتکر
۱۰۳	۱۱	اؤفؤ	اؤفؤ
۱۲۰	۲۰	مال کی	مال باپ کی
۱۲۱	۷	دینی الرقاب	دینی الرقاب
"	۱۲	نعمتک الہی	نعمتک الہی
۱۵۴	۵	۱۹۲۰	۱۹۲۷
۱۹۵	۱۸	رڈنگ	بارڈنگ
۲۰۳	۱۴	تَقَبَّلْ + مُسْلِمِينَ	تَقَبَّلْ مِنَّا + مُسْلِمِينَ
"	۱۵	مُسْلِمَهُ + مَنَّا سَكْنَا	أُمَّةً مُسْلِمَةً لَّكَ وَأَرَنَا مَنَّا سَكْنَا
۲۰۸	۱۸	علی	علی
۲۱۶	۴	خنجرہ	خنجرہ
۲۶۱	۳	وَحَيَايَ + الْعَالَمِينَ	وَحَيَايَ وَمَا تَنِي لِلدَّرَرِ بِتِ الْعَالَمِينَ
۲۶۷	۱۱	سیدنا	علی سیدنا
۲۶۹	۲	سیدۃ	مِنْ سَيِّئَةٍ

صحيح	غلط	سطر	نمبر صفحه
وَلَنْبَلُوْكُمْ	وَلَنْبَلُوْكُمْ	٢	٢٦٩
صَلَوَاتٍ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةً	صَلَوَاتٍ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةً	٦	"
أَمِنْ يَجِيبُ	يَجِيبُ	٨	٢٦٠
مَقِيْلِمَ الصَّلَاةِ	مُقِيْمًا الصَّلَاةَ	٩	٢٦٢
الْحِسَابِ	الْحِسَابِ	١٠	"
صَدَقَاتِكُمْ	صَدَقَاتِكُمْ	٢	٢٦٩
وَعَلَانِيَةً	وَعَلَانِيَةً	٢	٢٨٠
تد مع	تد هان	١	٢٨١
رَبَّنَا وَإِنَّا لِلَّهِ	رَبَّنَا إِنِّي + لَمُخْمَرُونَ	٢	"
وَأَنَا إِلَيْهِ	وَأَنَا إِلَيْهِ	٣	"
وَنِعْمَ	نِعْمَ	٤	٢٨٢
نِعْمَتِكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ	نِعْمَتِكَ + عَلَيَّ	١٣	٢٨٨
وَالْبَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ	بَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ	١٤	"
لَا زَيْدَ نَكُمُ	لَا زَيْدَ نَكُمُ	٢٠	"
عَصَبِيَّةً	عَصَبِيَّةً	٢٠	٣٠٠
هَبًا	هَبًا	١٢	٣٢٣
نماز	نماز	٢	٣
وَلَنْبَلُوْكُمْ	وَلَنْبَلُوْكُمْ	١٤	٥
قَالُوا	قَالُوا	١٨	٥

نماز — يمه

Letter from

MARQUESS OF WILLINGDON,

Ex-Viceroy and Governor-General of India.

Sloane 1851.

5, LYGON PLACE,

S.W.1.

31st December, 1938.

Dear Mr. Mohammad Amin,

My wife has asked me to reply to your letter on her behalf, and the message we would send you would be much as follows with regard to our friendship with that very remarkable lady, the late Begum of Bhopal.

We were fortunate to make her acquaintance quite early in our lives in India, for we can remember well her coming to Bombay to a party at Government House and of her taking possession of our son as her A. D. C. and insisting on his attending to her during the evening. We can recollect, too, the delightful visit we paid to her in Bhopal when we began to realise the enormous influence she wielded, not only over her own people but over the whole of India. And finally, I have a vivid recollection of her coming over to London when the question of her younger son's succession to the Gadi was under discussion and of her determination to remain there until she had succeeded, as she did, in her mission.

To us both she was always the best and truest of friends, a lady of the kindest disposition who always extended her friendship and advice to those who were working for the good of her country. She was constantly occupied caring for her people and in improving their condition and their chances of education. To us both we shall always remember her as one of the best of our friends in India, a lady who by her great qualities, great position and great personal influence was always a wonderful example to all those who were fortunate enough to live in India during her lifetime.

Yours very sincerely,
(Sd.) WILLINGDON.

Letter from Lady Hailey.

I regarded Her Highness as a very dear personal friend. When we were stationed at Delhi she more than once wrote to ask, as any other friend would, if I could put her up for a few days, and she obviously liked to feel that she could come like a private person, with only one or two personal attendants.

She spoke very freely of her problems and her difficulties. One felt that her position was unusual, and in some ways embarrassing. All her traditions were in favour of standing on the old ways. But she was always seeking instinctively for the new ways and endeavouring to adapt herself to them. Long rule and the exercise of great responsibility had given her a knowledge of men and things which, joined to a keen common sense, was her chief guide in the many difficulties which she encountered. She had a great fount of affection, and she was always very strongly bound by the ties which it created. Indeed I think that affection, and the desire to assist at any cost those of her relations and friends to whom she gave it, was one of her most marked characteristics. Taking her in all, I think she would have been a notable woman in almost any company.

(Sd.) ALEXANDRA HAILEY.
30-12-38.

lonely years of her long rule she has stood for stability in the changing, often restless, Indian scene—not the stability of reaction, but the steadiness of progress suited to the genius of her people. But above all she is welcome as a woman—as one who illustrates all that can be accomplished by a wise and resolute woman behind the veil in India. She may not be seen much in public; ready to take her part in public affairs, she does not court the forum. Those who see her will mark the strength and dignity of her small resolute figure reminiscent of Queen Victoria in her maturity.”

*Extract from an article by Sir Stanley Reed,
ex-Editor of the "Times of India".*

"In the West we are apt to waste an unwanted pity on the women of the East who spend their lives behind the veil, and to imagine that an aimless seclusion debars them from all interest in the affairs of life. But those who know their India have always appreciated the immense influence which women exercise, and of this there could be no better instance than the resolute lady who is now our guest".....

For nearly a quarter of century the Begam of Bhopal has exercised these great powers with wisdom, energy and resolute courage. Seven thousand miles of territory, seven hundred thousand people and £435,000 of revenue are committed to her sole and undivided care. The unceasing duties she has to discharge must be faced in strict privacy and from behind the veil. Ever since the reins of authority passed into her small capable hands the administration of Bhopal has been firm, stable and conservatively progressive. No scandle has touched it; no complaint has reached the ears of a somewhat jealous public. Invariably screened from gaze by the burka—the veil which falls to the shoulders—she has gone freely amongst her own people. Whilst her main care in the welfare of her own State, she takes her part in the wider spheres of Indian polity. No important decision on the affairs of the State is taken without consulting the Begam of Bhopal. In the special sphere of central India her influence is great..... (In the Chamber of Princes) the Begam of Bhopal has always been a respected figure, and either from behind the burka, or through the lips of some trusted emissary, the wise and experienced word has been spoken.

The Begam of Bhopal then comes amongst us first as one of the great Indian rulers who have been aptly described as the pillars of the Indian Empire. Next, as one who in the American phrase has "made good"; through the

